

عمران سیریز

سُنگ می کی واپسی

- 64 - حظاں کے جعل

- 65 - پھر وہی آواز

- 66 - خوزینہ تعلوم

- 67 - قصور کی موت

ابن صفی

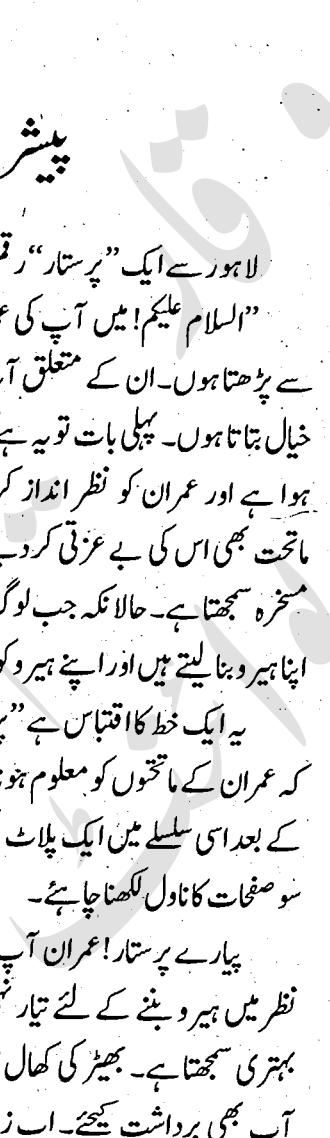
پیشہ رس

لاہور سے ایک "پرستار" رقم طراز ہیں!
”السلام علیکم! میں آپ کی عمران سیریز کی کتابیں بڑے شوق
سے پڑھتا ہوں۔ ان کے متعلق آپ کو چند باتوں کے بارے میں اپنا
خیال بتاتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے فریدی کو اپنا ہیر و بنیا
ہوا ہے اور عمران کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے معمولی معمولی
ماتحت بھی اس کی بے عزتی کر دیتے ہیں اور ہر آدمی اسے ایک حقیر
سمخرہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ جب لوگ اس کی کتابیں پڑھتے ہیں تو اسے
اپنا ہیر و بنیا لیتے ہیں اور اپنے ہیر و کوڈیل ہوتا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔“
یہ ایک خط کا اقتباس ہے ”پرستار“ موصوف نے مشورہ دیا ہے
کہ عمران کے ماتخوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایکس ٹو بھی ہے اس
کے بعد اسی سلسلے میں ایک پلاٹ بھی لکھا ہے جس پر مجھے کم از کم پانچ
سو صفحات کا ناول لکھنا چاہیے۔

پیارے پرستار! عمران آپ کا ہیر و ہو گا لیکن وہ اپنے ماتخوں کی
نظر میں ہیر و بننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ جو کچھ بھی ہے اسی میں اپنی
بہتری سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی کھال میں بھیڑ یار ہنا ہی اسے پسند ہے لہذا
آپ بھی برداشت کیجئے۔ اب زیر نظر ناول ہی کو لے لیجئے۔ کیا کچھ
نہیں گذری عمران پر لیکن میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ ترم خانی کا زمانہ
نہیں ہے بسا اوقات موچھ پنجی کر لینے ہی میں بھلائی ہوتی ہے۔ درنے
حشر اٹھی خان صاحب کا ساہ ہوتا جو ایک بار کسی بننے پر اکٹھے تھے۔
”ابے تیری یہ مجال ہمارتے سامنے موچھ اوچھی کے بیٹھا ہے۔“

عقابوں کے حملے

(پہلا حصہ)



بنیا ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”خان صاحب میرے بال نہ پچ کے مجھے کسی کی فکر ہو۔ میری موچھ تو اونچی ہی رہے گی۔“

خان صاحب خاموشی سے گھر آئے تکوار ٹکچی اور اپنے بال بچوں کا صفائی کر دیا پھر لہو پکتی تکوار لئے بنٹے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کڑک کر بولے۔ ”اب تا میرے بھی بال پچ نہیں رہا۔“

بنٹے نے بے حد خاکسارانہ انداز میں اپنی موچھ پنچی کر لی۔ اب خدار اجھ سے نہ پوچھئے گا کہ خان صاحب کا کیا بنا۔۔۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ عمران کی کامیابی کاراز اس کی حکمت عملی میں پوشیدہ ہے اس کا کوئی بھی ناول اٹھا کر دیکھ لجئے ابتداء میں اس کی جو حرکتیں خالص حمافت معلوم ہوتی ہیں وہی آخر کار کامیابیوں کی طرف لے جاتی ہیں۔۔۔ نہ فریدی عمران بن سکتا ہے اور نہ عمران فریدی۔ دونوں کی شخصیتیں متضاد و حالات اور مختلف ماحول کی پیداوار ہیں۔ فریدی کے مزاج میں جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ پایا جاتا ہے عمران کی ذہنی نشوونما عوای بھیڑ چال میں ہوئی ہے۔ اس نے اپنے طبقے کے اثرات قبول نہیں کئے۔۔۔ زیر نظر ناول میں آپ اسے ایک بالکل ہی نئے روپ میں پائیں گے۔ اس کہانی میں اس نے جس بات کا بیڑا اٹھایا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ آئندہ دیکھئے کہ اس کی یہ کامیابی اُسے کن دشواریوں سے دفعہ کرتی ہے۔ لیکن ٹھہریے! کہیں آپ نے

”عقابوں کے حملے“ کا یہ مطلب نہ لیا ہو کہ ہواں جہازوں کا کوئی اسکواڈرن زمین و آسمان ایک کر دے گا۔ اگر خدا نخواستہ آپ مجھ سے پہلے ہی سے پلاٹ بنائے بیٹھے ہیں تو مجھے یہ سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ ”کہانی پھنس ہو کر رہ گئی۔“ اللہ مجھ پر رحم کرے۔ آمین۔

این صفحہ

ڈینی ولسن کے سرکس نے سردار گڑھ میں دھوم پشار کھی تھی۔ یہ زن شروع ہو چکا تھا۔ اور سردار گڑھ کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اندر وون ملک کے میدانی علاقوں کی گرمی سے بھاگ کر متoste طبقے کے لوگ عموماً یہیں پناہ لیتے تھے کیونکہ دوسرا سے پہاڑی مقامات کے مقابلے میں یہاں زیادہ مصارف نہیں ہوتے تھے ہوٹلوں میں ٹھہر نے کی استطاعت نہ رکھنے والے مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے گروں میں قیام کرتے اور مناسب معاویہ پر اپنے ہی گھر کا سا آرام پاتے۔ مقامی لوگ بڑے خوش اخلاق اور متواضع تھے۔

تین سال پہلے ڈینی نے یہ زن میں یہاں برس کیا تھا اور تو قع سے زیادہ ہی سیئے تھے۔ دوسرا سے یہ زن پر بھی اتنی آمدی ہوئی تھی کہ جی خوش ہو گیا تھا۔ لہذا اس سال کیوں نکر باز رہ سکتا تھا۔ اس بار تو ان لڑکیوں نے سارے سردار گڑھ میں تہلکہ چاڑیا تھا جو پھر کے زمانے کا لباس پہن کر قص کرتی تھی۔ یہ تیوں نسل افسوس فام تھیں اور اتنی بے جھپک تھیں کہ ایک اشارے پر پھر کے دور سے بھی پہلے کے زمانے میں جست لگاسکتی تھیں۔

ڈینی صرف پانچ دن کی آمدی کا حساب لگانے بیٹھا تھا اور اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

”یہ لڑکیاں تو نکال ثابت ہو سکتی ہیں!“ اس نے اپنے فیبر سے کہا۔

”لیکن میرا دل روتا ہے باس....!“ جہاندیدہ فیبر بولا۔

”اپنے دل کو ہٹانا سکتا۔ زمانہ بدل چکا ہے۔ اب لوگ جانوروں کے کر تبوں سے دل چھمی نہیں لیتے آدمیوں کے کرتے بھی انہیں نہیں بھاتے۔ ان کیمیرے ڈانسرز کو سرکس سے الگ کر دو پھر پوچھوں گا کہ دن بھر میں کتنی تکھیاں مار لیتے ہو!“

"ایسا کیوں ہوا بس! لوگ فن کی قدر کیوں نہیں کرتے؟"

"فن....! پوہ....!" ڈینی نے طنزیہ لبجے میں کہا۔ "آج کل یہی سب سے برا فن ہے کہ پڑے اتار کر چینک دو....!"

"نبہ ہم سب کچھ بے چوں وچراستیم کرتے چلے جا رہے ہیں تو پھر یہی ہو گا۔ اگر ہم اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو....?"

"میرے سر کس میں اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں.... جاؤ.... نیلی کٹی اور رینا کو میرے پاس بھیج دو....!"

"وہ شاکد اس وقت نہ آسکیں۔!"

"کیوں؟"

"ایک سیاح ان کے خیے میں موجود ہے جو انہیں اس بندر کی کہانی سناتا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور جسم پر لبی لبی سفید دھاریاں ہیں۔! بوڑھا نیجگر بر اسمانہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"لیکن ان کے خیے تک کوئی سیاح پہنچا کیسے؟" ڈینی نے غصیلے لبجے میں سوال کیا۔

"مسڑو سن ازمانہ بدلتا ہے۔!"

"کیا مطلب؟"

"تو سچلن نام کی کوئی چیز ہمارے درمیان موجود نہیں۔!"

"کیا بک رہے ہو؟"

"وہ مغزور لڑکیاں کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔ میں نے انہیں اجنبیوں سے رسم و راہ پیدا کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہا۔ جانتے ہیں کیا جواب ملا تھا۔؟"

"بک جلدی سے.... میرا وقت ضائع نہ کرو۔....!"

"انہیوں نے کہا تھا کہ وہ کسی قسم کی بھی پابندی قبول کرنے پر تیار نہیں۔!"

"میں کہتا ہوں جاؤ.... اور انہیں یہاں بھیج دو....!" ڈینی میز پر گھونسamar کرو حاڑا اور نیجگر بوکھلا کر اس کے خیے سے باہر نکل گیا۔

ڈینی نے بوتل سے گلاس میں شراب اٹھی۔ سوڈا ملایا اور کٹے تیور سے ناٹی کے راستے کو گھورنے لگا۔

پچھے دیر بعد صرف ایک لڑکی رینا خیے میں داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے مسڑو سن؟"

"بیٹھ جاؤ....!" ڈینی نے سامنے والی کرنسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ تو گئی لیکن اس کے چہرے پر بد مرگی کے آثار تھے۔

"وہ سیاح کون ہے؟" ڈینی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایک سیاح ہے مسڑو سن....!"

"میں نے کہا تھا کہ اجنبیوں سے....!"

"ٹھہروا! وہ ہاتھ اٹھا کو بولی۔ "آج ہماری ملاقات کا تیراون ہے اب وہ اجنبی نہیں رہا۔!"

"میں کہتا ہوں پہلی ہی ملاقات کیوں ہوئی؟ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اجنبی آرٹشوں کے خیموں میں آئیں۔"

"یہ تم کس استحقاق کی بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"لیا جھ سے بحث کرو گی؟" ڈینی آنکھیں نکال کر بولا اور وہ مٹھکہ اڑانے کے سے انداز میں پس پڑی۔

ڈینی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے سوچا۔ اچھا کتیا میں تم سے سمجھوں گافی الحال خاموشی ہی بہتر ہے یعنی ختم ہونے کے بعد ایسی ٹھوکر سید کروں گا کہ تمہاری شکلیں نہ پیچائیں گے۔

پھر دعطاوہ بھی ہنس پڑا اور پچھے دیر بعد بولا۔ "دھاری دار سیاہ بندر کا کیا قصد ہے۔!"

"اوہ.... دھ.... جیرت انگیز مسڑو سن.... اگر تم اس کی تصویریں دیکھنا چاہو تو۔"

"ضرور.... ضرور....!" ڈینی دل چھپی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"تم ڈالن فاگان سے مل کر خوش ہو گے۔ بہت اچھا اور خوش مزاج آدمی ہے۔!"

"ڈالن فاگان....؟" ڈینی کے لبجے میں حیرت تھی۔ "کیا وہ کوئی مقامی آدمی نہیں ہے۔؟"

"نہیں اپنی ہے۔!"

"اوہ.... تب تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!"

"میں اسے نیہیں لاتی ہوں۔!" رینا نے کہا اور خیے سے باہر نکل گئی۔ ڈینی نے پھر بر اسمانہ

بنا اس کی آنکھوں میں خنسے کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔
ایک ہی سانس میں اس نے گلاس خالی کر دیا۔

”وہ حادی دار بندر..... او نہہ....!“ وہ بڑا تاتا ہوا دوسرا گلاس تیار کرنے لگا۔
ڈینی بلانوشوں میں سے تھا لیکن عام طور پر چکتا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ عمر کے اعتبار سے
بھی اسے اس معاملے میں ایک کمزور دماغ آدمی ہونا چاہئے تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ خود ہی نئے
پر حاوی رہتا تھا۔

تحوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈان فاگان کے ساتھ خنسے میں داخل ہوئیں یہ ایک طویل قامت
اور سختی سے جسم کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پیچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور
بے حد چمکلی تھیں۔

اس نے مصالغے کے لئے ڈینی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن ڈینی نے مصالغہ کرنے کی وجاء
شراب کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کہا۔ ”اس سے زیادہ خلوص آپ کے ساتھ نہیں
برت سکتا۔“

لڑکیاں نہیں پڑیں لیکن ڈان فاگان خنک لجھے میں بولا۔ ”شکریہ! میں شراب نہیں پیتا!“
بھر گلاس میز پر رکھتے ہوئے لڑکیوں سے کہا۔ ”میں سمجھا تھا کہ سر کس کا مالک کوئی نوجوان
آدمی ہو گا۔ یہ تو بے حد بوڑھا ہے۔“

”اسی لئے یہ سب لڑکیاں بے خوف و خطر میرے ساتھ رہتی ہیں۔“ ڈینی خود کو قابو میں
رکھنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”بیٹھو۔“

ڈان فاگان سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور لڑکیاں کھڑی رہیں۔ ڈینی نے ان سے بیٹھنے کو
نہیں کہا تھا۔

دوسرا گلاس بھی وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ دفعتاً ڈان فاگان لڑکیوں کی طرف مُرک
بولا۔ ”تم لوگ مجھے یہاں آکیوں لائی ہو....؟“

”مرشوں لسن اس بندر کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔!“ رینا نے کہا۔
”اوہ.... اچھا اچھا....“ ڈان فاگان مسکرا کر بولا۔ ”وہ تو میرے حواس پر چھا کیا ہے لیکن
کسی طرح ہاتھ نہیں آتا۔!“

ڈینی نے بے اعتباری سے لڑکیوں کی طرف دیکھا تھا۔

ڈان فاگان نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر ڈینی کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تم شاید اس
سلسلے میں کوئی مدد کر سکو.... جانوروں کے بارے میں وسیع تجوہ بر رکھتے ہو۔!“

ڈینی نے لفافے سے تصویریں نکالیں اور جمع تحریرہ گیا۔ سیاہ رنگ کا بندر تھا اور اس کے
پورے جسم پر لمبی لمبی سفید دھاریاں تھیں۔ کئی تصویریں تھیں جن میں وہ مختلف عورتوں کے
پاس بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ تصاویر کا پس منظر ایک ہی تھا.... بنگل اور پہاڑ....!

”بڑی عجیب بات ہے مشر و لسن۔“ ڈان فاگان بولا۔ ”اگر صرف مرد اس کے ٹھکانے پر
جائیں تو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ پارٹی میں ایک عورت بھی شامل ہو تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے
عورت اس کے پاس بھی پہنچ جائے تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا لیکن جہاں کسی مرد نے اس کی
طرف بڑھنے کی کوشش کی دوچار چھلانگیں لگائیں اور نظروں سے او جھل ہو گیا۔ پھر ڈھونڈتے
پھریے.... کہیں پتہ نہیں چلتا۔!“

ڈینی حیرت سے منہ کھولے سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر آہستہ سے بولا ”تھا
ہو گا؟“ ڈان فاگان اسے استقہامی نظروں سے دیکھتا رہا۔

”یعنی تھا نہ... اس کی مادہ نہ ہو گی۔ لیکن اس رنگ کا بندر ساری دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا۔!“

”یہ تصویریں جعلی تو نہیں ہیں۔!“ ڈان فاگان ناخوش گوار لجھے میں بولا۔
”میں یہ نہیں کہہ رہا ہو.... کی نیور ڈان فاگان.... میں صرف حیرت ظاہر کر رہا ہوں اگر ہم
اس بندر کو پکڑ کر دنیا کے سامنے پیش کر سکے تو ہماری بھی یہی یہاں لا اقوانی حیثیت ہو گی مجھے اس پر
بھی حیرت ہے کہ مقامی لوگوں نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی۔“

”ہاتھ کب آتا ہے اور پھر مقامی لوگ تو اسے کوئی بدروح سمجھ کر اس سے خائف رہتے ہیں۔“

”یہ ہے کہاں؟“

”یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ سنکنیز کی چڑھائی پر۔ فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین میل
ہو گا۔!“

”تم یہاں کب سے ہو؟“

”قریب قریب ہر یزد پر آتا ہوں اور تمہارے ملک میں دس سال سے مقیم ہوں۔!“

"لیا کرتے ہو....؟"

"ایک فرم میں ملازم ہوں۔!"

"لڑکی نے کہا تھا کہ تم سیاح ہو۔!"

"مسڑو لسن! تم کسی پولیس میں کی طرح مجھ سے پوچھ گجھ کر رہے ہو۔!"

"اوہ! ہرگز نہیں... تو پھر ہمیں کب لے جل رہے ہو وہاں۔ شاہد میں اسے پکڑ سکوں۔!"

"صرف اس شرط پر کہ وہ ہم دونوں کی مشترکہ ملکیت ہو گا۔"

"اوہ! ای بعد میں دیکھا جائے گا۔۔۔ ابھی تو ہم اسے دیکھنے جل رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

آؤ ہے گھنٹے کے اندر اندر وہ روائی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ڈینی نے احتیاط اس کس کے دو تو مند جوان بھی ساتھ لے لئے تھے۔ سات افراد کا یہ قافلہ تکنیز کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈینی خود ہی اشیش و گین ڈرائیور رہا تھا۔

"مسڑو لسن اس عمر میں بھی جو انوں کا سامانہ رکھتے ہیں۔" رینا بولی۔ کئی اور نیلی ہنس پڑیں۔ ڈینی برا سامنہ بنائے ہوئے ڈرائیور کرتا رہا۔ ایک اجنبی کے سامنے ان کی خبر نہیں لینا چاہتا تھا۔

"میں بھی بھی محوس کر رہا ہوں۔" ڈان فاگان نے سمجھی گی سے کہا۔ "مسڑو لسن اندر سے فولاد ہیں۔"

"شکریہ....!" لسن آہستہ سے بولا۔

سردار گڑھ میں ان دونوں چاروں طرف ہریاں ہی ہریاں بکھری ہوئی تھی۔ خود وہ پھلوں کی ملی حلی خوشبوؤں سے فنا مکھتی رہتی۔

دن کے دس بجے تھے۔ دھوپ بڑی خوش گوارگلگ رہی تھی۔ اشیش و گین چکراتی ہوئی پتل سی سڑک پر مسافت طے کر رہی ۔۔۔ حتیٰ کہ وہ تکنیز کی چڑھائی تک آپنے یہاں سے انہیں پیدل شر کرنا تھا۔ اشیش و گین سڑک سے اتار کر ایک جگہ کھڑی کر دی گئی۔

"راججن! تم گازی کی گزارنی کرو گے۔" لسن نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"یہت اچھا.... مسڑو لسن۔" اس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ اس کے ملاز میں اس کا

احترام کرتے تھے۔

یہ بڑا بھر فضامقام تھا۔۔۔ تکنیز کی چڑھائی سرخ رنگ کے پھلوں سے ڈھکی ہوئی تھی دورے ایسا ہی لگا تھا جیسے وہی قوت کی چنانیں ہوں۔

"بند جائے جہنم میں!" نیلی نے سکاری لی۔ "یہ جگہ کتنی حسین ہے۔!"

"وہاں غم میں جانے نہ ہوں تو ہر جگہ بہت حسین ہے۔!" ڈینی بڑی لایا۔

وہ اوپر جانے کے لئے تھک سے چکردار راستے پر چل پڑے۔ راستہ اتنا تھا کہ وہ قطار میں چل رہے تھے۔ دو آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

"مسڑو لسن کو جانوروں کی ہم نشینی نے فلسفی بنا دیا ہے۔" رینا بولی۔

"اور تم آدمیوں میں رہ کر بھی آدمی نہ بن سکیں۔" کئی بول پڑی۔

"کیوں! اس میں کیا برائی ہے؟" نیلی نے سوال کیا۔

"عورتوں میں کوئی برائی نہیں ہوتی۔" ڈینی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "وہ تو سرف مردوں کو بُرائنا نے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔"

"اوه.... اوه....!" ڈان فاگان کرتا رہا۔ "گفتگو تخلیخ ہوتی جا رہی ہے۔ ہم کیوں نہ اس بندر کے پارے میں باقی کریں۔"

"میں نے بھی آدمیوں سے تھک آکر جانوروں کے درمیان پناہی تھی۔" ڈینی نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن ہم جیسے آدمیوں کے بغیر کام بھی نہیں چلائیں۔" رینا کھل گرہن پڑی۔

"مجبوری ہے۔" ڈینی سردا آہ بھر کر بولا۔ "اگر میں کپڑے اتار کر ناچا شروع کر دوں تو لوگ مجھ پر پتھرا دکریں گے۔ تمہارا اسی قسم کا رقص دیکھنے کے لئے جیسیں خالی کر دیتے ہیں۔"

"ڈیسیر.... ڈیسیر....!" ڈان فاگان چلتے چلتے رک کر بولا۔ "اگر یہ بحث یہیں ختم نہیں ہو جاتی تو میں آگے جانے سے انکار کر دوں گا۔"

وہ بھی رک گئے۔۔۔ اور ڈینی بڑی لایا۔ "ایک غیر معمولی بندر کے لئے۔!"

شمال سے سفید بادلوں کے مرغونے اٹھا اٹھ کر آہستہ آہستہ شرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خنکی میں کسی قدر اضافہ ہو گیا تھا۔ سردار گڑھ کے لئے یہ دھوپ چھاؤں نئی چیز نہیں تھی۔

دن بھر اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ البتہ مغرب سے اٹھنے والے بادل تو جم کر ہی رہ جاتے اور کئی کئی
دن تک سورج نہ دکھائی دیتا۔
”بجت ختم ہو گئی۔“ رینا ان فاگان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔
”اب چلو!“

اوپر پہنچ کر ایک بار پھر ڈینی موصوں گفتگو بن گیا کیونکہ وہ دوسروں کی طرح ہانپ نہیں رہا
تھا۔ ڈینی اپنے جیالے پن کی تعریفیں خاموشی سے متاثرا ہا۔
اس گلہ تو چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔
”بس تینیں بیٹھتے ہیں!“ ڈان فاگان کا ندھے سے مودی کیمراہ اتارتا ہوا بولا۔ اور ایک پتھر پر
بیٹھ گیا۔

ڈینی پر تشویش نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے فلاں سک سے دو تین گھونٹ
لئے اور ڈان فاگان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فاگان بھی ڈینی ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔
”جب آئے گا وہ؟“ نیلی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔
”جب تم تینوں کی خوشبو اس تک پہنچے گی۔“ فاگان مسکرا کر بولا۔
”تم تینوں کی خوبصورتی کی خوشبو!“ ڈینی نے طنزیہ لبھ میں دھر لیا۔
”مرشد سن! کیا تم ان لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے؟“ ڈان فاگان نے جیرت ظاہر کرتے
ہوئے پوچھا۔

”تم پسند کی بات کرتے ہو! میں ان تینوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔“
تینوں پڑیں۔ ڈینی بھی ان کی بھی میں شامل تھا۔
وھاڑان فاگان نے ہونوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔
ڈینی بھی باسیں جانب کی ڈھلان سے آہیں سُن رہا تھا۔ وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔
”اے... وہ رہا...!“ رینا کی چیلکتی ہوئی آواز فنا میں گوئی۔
بندر اچھل کر سامنے آگیا تھا۔ لیکن دور ہی سے انہیں دیکھا تھا۔ تینوں لڑکیاں ہنٹے گئیں۔
”جاو... اس کے قریب جاؤ۔“ ڈان فاگان بولا۔ ”اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ وہ
عورتوں سے بے حد منوس ہے۔!
”ست... تم...“ ڈینی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن الفاظ گھٹ کر رہے گئے ذہنی۔

”یہ دھوکا ہے۔!“ دھنٹاڑی نی غریا۔
”کیا مطلب؟“ ڈان فاگان بولا اور لڑکیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔
”رنگ قدرتی نہیں ہے۔ کسی آدمی کی شرارت ہے۔ اسے سیاہ رنگ میں غوطہ دے کر سفید
وھاریاں بنانی گئی ہیں۔“
ڈان فاگان نے طویل سامنے لی اور پھر اس کے ہونوں پر ایک معنی خیز مسکراہست نمودار ہوئی۔
”محنت و صول ہو گئی۔“ اس نے بالآخر کہا۔
”کیا مطلب؟“ ڈینی نے اسے گھور کر دیکھا۔
”میں اس کے سلسلے میں کسی ایکسپرٹ کی رائے چاہتا تھا۔“ ڈان فاگان نے پر تشویش لبھ
میں کہا۔
لڑکیوں کے چہرے مایوسی کی تفسیر بن کر رہے گئے تھے۔ کبھی وہ بندر کی طرف دیکھتی تھیں اور
کبھی ڈان فاگان کی طرف۔
”لیکن اس کا مقصد کیا ہے؟“ ڈینی بندر کو گھوڑتا ہوا بولا۔
ٹھیک اسی وقت بندر نے نیلی پر چھلانگ لکائی اور نبی طرح چھٹ گیا۔ نیلی کی خوف زدہ تیز
چھپنی فنا میں گوئی نہیں گلیں۔
ڈینی اس کی طرف جھپٹانا ہی تھا کہ کوئی لکھی سی چیز اس کے چہرے سے لکرا کر پہنچی اور اسے
ایسا محروس ہوا کہ جیسے ڈھیر دھوان ناک اور حلق سے گزر کر سینے میں اتر گیا ہو... وہ پکڑا کر
گرا اور بے جس و حرکت ہو گیا۔
معلوم نہیں پھر لکنی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سر کس کا جوان بھی
اس کے قریب ہی اونڈھا پڑا تھا۔ ڈان فاگان اور لڑکیوں کا دور دور تک پہنچیا تھا۔
ڈینی فناہت محوس کرنے کے باوجود بھی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا اور اپنے ساتھی کو جھنجھوڑ
کر آوازیں دینے لگا۔ اس پر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اچانک رینا سامنے آکھڑی ہوئی وہ نبی طرح
ہانپ رہی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔
ڈینی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔
”ست... تم...“ ڈینی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن الفاظ گھٹ کر رہے گئے ذہنی۔

ذھلان شروع ہوتی تھی۔

دوسری طرف گہر اسنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صد ہا سال سے وہ جگہ دیران پڑی ہو۔
ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

”اسے ہوش آگیا۔“ اس نے رینا کی آواز سنی اور پونک پڑا۔
ان کا ساتھی اٹھ بیٹھا تھا اور پریشان پریشان نظرؤں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا۔
ڈینی تیزی سے ان کی طرف پلت آیا۔

”کیا تم اٹھ کر چل سکتے ہو؟“ اس نے سوال کیا لیکن وہ اسکی بے تلقی سے ڈینی کو دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کو معنی پہنانے سے قاصر ہو۔

بالآخر دونوں نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ بدقت تمام وہ اس جگہ پہنچ چھے جہاں اشیش و مگن دوسرے آدمی کی گمراہی میں چھوڑی تھی۔ وہ انہیں حیرت دے دیکھ رہا تھا۔

”ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔“ ڈینی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جتنی جلد ہمیں سردار گڑھ پہنچا سکتے ہو پہنچا دو۔ بلکہ سیدھے پولیس اشیش چلو۔“



عمران کا فلیٹ آج کل ضرورت سے زیادہ ”آباد“ ہو گیا تھا اور اس ”آبادی“ کی سب سے بڑی وجہ تھی جیمن کی ڈاڑھی۔

جیمن کی ڈاڑھی کی وجہ سے ظفر الملک کو اپنا فلیٹ چھوڑنا پڑا تھا۔
بات دراصل یہ تھی کہ برابر والے فلیٹ پر بلڈنگ کے مالک کی بہن کا قبضہ تھا۔ یہ بھاری جسم والی ایک معمر خاتون تھیں۔ ایک دن انہوں نے جیمن کو اس طرح لکرا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔

”مجھے چڑھاتے ہو....!“ وہ اس کارستہ روک کر دھاڑیں۔

”جح....جی.... نہیں....“ جیمن بوکھلا کر بولا۔

”تو پھر مجھے دیکھ کر ڈاڑھی پر کیوں ہاتھ پھیرتے ہو؟“

حالت ابھی پوری طرح اعتدال پر نہیں آئی تھی۔

”وہ.... وہ.... ان تینوں کو پکڑ کر لے گئے.... مم.... میں تو.... اسی وقت ڈر کے مارے سامنے والی درازی میں چھپ گئی تھی جب اس منحوں بندر نے نیلی پر چھلانگ لگائی تھی۔“ وہ رک رک کر کہتی رہی۔ ”وہ بڑے خوف ناک تھے۔ نک دھڑگ سیاہ فام وحشی.... ڈان فاگان.... کو پکڑ کر لے گئے.... ہائے بے چاری نیلی اور سکنی.... پاگلوں کی طرح چیختے جا رہی تھیں.... بھاگو۔... یہاں سے بھاگ چلو....!“

”لک.... کدھر گئے.... وہ لوگ....!“ ڈینی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”جدھر سے بندر آیا تھا۔... خدا کے لئے یہاں سے نکل چلو.... وہ سات آٹھ تھے۔ ہم اکپلے ان کا کیا کر لیں گے۔“ رینا گھصیائی۔

”مم.... میں اسے اٹھا کر نہیں چل سکوں گا۔!“ ڈینی نے بیویش ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

پھر اس نے بغلی ہولش سے رویا اور نکالا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”ڈرو موت.... تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا.... وہ تو میں بے خبری میں بارا گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چیز تھی اور کس طرف سے آئی تھی!“

”کیا چیز تھی.... کیا ہوا تھا؟“

”کوئی کلجنی سی چیز میرے چہرے سے گل کر کر پھٹ گئی تھی اور بہت سادھوں میں میں بھر گیا تھا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔“

”اوہ.... تو پھر اسے جلدی سے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔“ رینا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں کوشش کر چکا ہوں۔ اب تم دیکھو۔“

رینا اس کے پاس جا بیٹھی اور ڈینی میں کے مل رینگتا ہوا بائیں جانب بڑھنے لگا۔ جدھر سے بندر نمودار ہوا تھا۔ رویا اور کے دستے پر اس کی انگلیاں سختی سے جھی ہوئی تھیں۔

”تت.... تم کہاں جا رہے ہو؟“ رینا خوف زدہ لبھے میں بولی۔

لیکن وہ اپنی دھن میں آگے ہی بڑھتا رہا۔ پھر اس جگہ جا پہنچا جہاں سے بائیں جانب والا

جیسن نے ہونتوں کی طرح دانت نکال دیئے اور پھر جلدی سے شرما کر بولا "میری عادت ہے۔"
"بکواس ہے.... تم مجھے چڑھاتے ہو....!"
وہ اس طرح سر ہوئیں تو جیسن نے پہلی بار انہیں غور سے دیکھا۔ اور پھر اس کے پیروں
کے تلے سے زمین نکل گئی.... ان محترمہ کی ٹھوڑی پر تین چار لبے لبے بال تھے۔
اب وہ صفائی پیش کر رہا تھا اور وہ آپ سے باہر ہوئی جا رہی تھیں۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ دوسرا دن مالک مکان نے ان کے دروازے پر دستک دی اور ایک
تحریری نوش ظفر الملک کے ہاتھ میں پکڑا کر چلا گیا۔

نوش کے مطابق انہیں اس بناء پر فلیٹ پندرہ دن کے اندر اندر خالی کر دینا تھا کہ حسب و عدہ
ان کے "بال بچے" چھ ماہ بعد بھی "وارد" نہیں ہوئے تھے۔

بال بچوں والی ہوائی بھی جیسن ہی نے چھوڑی تھی۔ مالک مکان "کتواروں" کو کڑا یہ دار
بانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر جیسن چھوٹتے ہی بولتا تھا۔

"بال بچے دار ہیں جناب ابتدا لے پر آئے ہیں۔ عقر بیب بال بچے بھی آجائیں گے فکر مت سمجھے۔"
ظفر الملک نے اسی وقت اس غلط بیانی کی مخالفت کی تھی۔ لہذا اس نوش پر اصولاً اس فلیٹ
چھوڑ دینے پر مجبور ہو جانا پڑا۔

عمران نے بڑی فراغ دلی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا تھا۔
"اگر تم لوگ اپنے ساتھ چند مرغیاں، ایک طوٹے کا بخیرہ اور ایک آدھی بھی لاتے تو مجھے
اور زیادہ خوشی ہوتی۔"

آج وہ دونوں حسب معمول مکان کی حلاش میں نکل گئے تھے اور عمران کے سر پر سلیمان مسلط
تھا۔ بڑی دیر سے دماغ چاٹے جا رہا تھا کہ اچانک عمران اٹھ کر بھاگا اور باورچی خانے میں گھس کر
اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

"اس سے کیا ہو گا؟" سلیمان نے باہر سے ہلک لگائی۔
"میں اب یہیں قیام کروں گا۔ تجھ سے مغرب چڑوانے سے زیادہ آسان تو یہی ہو گا کہ میں خود
ہی پکا کر تم سکھوں کو کھلاوں۔!"
"یہ کیا بات ہوئی؟"

"تو اتنے آدمیوں کا کھانا نہیں پکا سکتا۔ اسی لئے تو بکواس کر رہا ہے۔"

"ہمیشہ غلط سمجھیں گے۔" سلیمان نے دروازے سے سر نکلاتے ہوئے کہا۔

"ابے جا... کسی اور کو چرایو... دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے۔"

"نہیں بس...!" دوسرے جو زف کی آواز آئی... "یہ بچ سر نکل رہا ہے... دروازہ
کھول دو... ورنہ یہ اپنے سر توڑا لے گا!"

عمران نے دروازہ کھولا... جو زف کی دخل اندازی اسے غیر معمولی معلوم ہوئی تھی کیونکہ
ایسے معاملات میں کبھی نہیں بولتا تھا۔

عمران کے برآمد ہوتے ہی سلیمان نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ جو زف ہاتھ اٹھا کر بولا
"بس... بس... باہر کوئی ابھی ہے!"

"کون ہے...؟" عمران نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک سفید سوریا۔" جو زف برا سامنہ بنا کر بولا۔ "کہیں سے تمہارے کی دوست کا پیغام
لائی ہے۔"

"میں نہست کے کرے میں بٹھاو... مسالہ پیں کر ہی مل سکوں گا!"

"آپ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" سلیمان بھنا کر بولا۔ "میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا
کہ جتنا آپ خرچ کے لئے دیتے ہیں اس سے کام نہیں چلے گا۔"

"میں نے سنائے کہ مہماں اپنی قسمت کا ساتھ لاتے ہیں۔"

"آپ ہی کی جیب سے نکلوتے ہیں۔ آپ نے غلط سنائے۔"

"اچھا... اچھا... بکواس بند... میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

سلیمان کو دو ہیں چھوڑ کر ڈرانگ رومن میں آیا۔ لڑکی یوریشین معلوم ہوئی تھی تدرست اور
خوش شکل تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال رہی ہو گی.... عمران کو دیکھ کر اٹھ گئی تھی۔

"بیٹھئے... بیٹھئے...!" عمران نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے علی عمران
کہتے ہیں!"

"میں رینافر ہوں۔" اس نے مصافی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

دونوں بیٹھ گئے۔ لیکن عمران کے اندازے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے ہی لمحے میں اٹھ

کر بھاگ نلکے گا۔

”میں سردار گڑھ سے آئی ہوں۔“ رینا نے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے دست مسٹر ڈینی و لسن کا پیغام لائی ہوں۔“

”ڈنی و لسن.... لیکن میں تو کسی ڈنی و لسن کو نہیں جانتا۔“

”تب پھر آپ مسٹر علی عمران نہ ہوں گے۔“ رینا نے خشک لبجے میں کہا۔

”میں قسم کھاسکتا ہوں کہ تبھی میرا نام ہے۔“

”اور آپ ڈنی و لسن کو نہیں جانتے؟“

”ہو سکتا ہے..... جانتا ہی ہوں.... آہاٹھیک.... وہ تو نہیں جس نے پچھلے سال اپنے کھیت میں تین تین سیر کے آؤا گئے تھے۔“

”بھی نہیں.... ان کا سر کس ہے۔!“

”اُف فوہ.... مجھے افسوس ہے.... ہاں وہ بھی ڈنی و لسن ہی ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہے نا.... بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔“

”وہ اس وقت سردار گڑھ میں پولیس کی حراست میں ہیں۔“

”کیوں؟“ عمران نے احقارانہ انداز میں حیرت ظاہر کی۔

”زبانی بتانا میرے بس سے باہر ہے۔ سب کچھ لکھ لائی ہوں۔ مسٹر و لسن کا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی انہیں اس مشکل سے نجات نہیں دل سکتا۔“

عمران اسے ٹھوٹے والی نظروں سے دیکھتا رہا اور اس نے اپنے پینڈیگ سے تہہ کئے ہوئے کچھ کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

عمران نے جوزف کو آواز دے کر کافی کے لئے کہا اور ان کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ رینا غاموش بیٹھی اسے بنور دیکھے جا رہی تھی۔

کاغذات دیکھنے کے بعد عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اول درجے کے احمد معلوم ہوتے ہیں۔!“

”گک.... کیا مطلب؟“ رینا چونک پڑی اور اس کی آواز سن کر عمران بھی اسی طرح چونکا تھا جیسے اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا ہو۔

”گک.... کچھ نہیں.... مطلب یہ کہ آخر ہو لوگ آپ کو بھی کیوں نہ اٹھا لے گئے؟“

”مجھے وہ دیکھے ہی نہیں کے تھے۔ میں چھپ گئی تھی۔“ رینا جلدی سے بولی۔

”کیا وہ دونوں آپ سے زیادہ خوب صورت ہیں۔“

”کیا یہ بے تکا سوال نہیں ہے مسٹر!“ وہ بُر امان کر بولی۔

”مجھے حق حاصل ہے کہ آپ کو ان سے زیادہ خوب صورت سمجھوں.... نہ کون اس سے بازر کھ سکتا ہے۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتی۔“

”کیا نہیں سمجھ سکتیں؟“

”میں کہتی ہوں غیر متعلق باتیں چھیننے سے کیا فائدہ؟“

”اچھا تو یہی بتا دو کہ وہ ڈینی جیسے خرانٹ کو کیوں نہ پکڑ لے گئے۔ تمہارے تحریری بیان کے مطابق ڈان فاگان بھی ایک جگہ سڑک پر بے ہوش پڑاں گیا تھا....! آہا.... اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ....!“

”وہ خود کو اجتنبی کرتا تھا۔!“

”کرتا تھا.... کیا مطلب....؟“

”اب کچھ نہیں کہہ سکتا.... سب کچھ بھول گیا ہے حتیٰ کہ اپنا نام بھی نہیں بتا سکتا۔!“

”خیر.... خیر.... ہو سکتا ہے یادداشت کو بیٹھا ہو۔!“

”پولیس سر جن بھی کہتا ہے۔!“

”لیکن ڈنی زیر حراست کیوں ہے؟“

”پولیس اس کے بیان پر یقین کرنے کو تیار نہیں کیوں کہ اس سے پہلے وہاں کوئی ایسا بندر نہیں دیکھا گیا تھا۔!“

”تم اس کے بیان کی تقدیق کر سکتی تھیں۔ سر کس کا ایک اور آدمی بھی یعنی شاہد تھا....!“

”مسٹر و لسن نے پولیس کا روایہ دیکھ کر ہم دونوں کو اس معاملے سے قطعی الگ کر دیا تھا کہ اس سے ہمارا ذکر ہی نہیں کیا۔!“

”تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ وہ لوگ ڈان فاگان کو بھی پکڑ لے گئے تھے۔“

”مچھے دھاری دار بند نہیں دکھاؤ گی۔ ویسے قیام کہاں ہے تمہارا؟“
 ”سید ہی تین آئی ہوں لیکن اب ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔ آپ بالکل
 حق معلوم ہوتے ہیں!“
 ”معلوم نہیں ہو تا بلکہ پیدا کشی حق ہوں.... کافی پیز...!“
 وہ دھم سے بیٹھ گئی.... اور عمران کو کھاجانے والی نظروں سے گھوڑتی رہی۔
 پھر عمران ہی نے کپ تیار کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میرے چچا کے بہنو کا
 دادا سردار گڑھ کا مجرم ہی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ذمی رہا کر دیا جائے!“
 ”یہ بھی غلط ہے!“
 ”کیوں؟“
 ”سردار گڑھ کا ذمہ سر کث مجرمیت غیر شادی شدہ ہے!“
 ”تب تو اسے بھی کوئی دھماڑی دار بند رہی لے جائے گا!“
 ”میں اپنا وقت بر باد کر رہی ہوں!“
 ”ساتھ ہی میری کافی بھی بر باد ہو رہی ہے آخر یعنی کیوں نہیں!“
 ”کاش وہ مجھے بھی پکڑ لے گے ہوتے!“
 ”کڑا!“ عمران چک کر بولا۔ ”اب ہوئی تباش۔ کافی پیو وہ بند مریا پچاڑا بھائی ہے فکر نہ کرو!“
 ”سردار علی عمران مجھے غصہ آتا ہے تو پاگل ہو جاتی ہوں!“
 ”کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے!“

رینا یے کسی سے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔
 پچھہ دیر بعد جب وہ کپ خالی کر کے میز پر رکھ چکی۔ عمران نے پوچھا۔ ”کیا تم سردار
 گڑھ ہی واپس جاؤ گی!“
 ”ہاں.... میں واپس جاؤں گی!“
 ”اچھا تو سردار ڈینی ولن سے کہہ دیا کہ میں کسی ذمی ولن کو نہیں جانتا!“
 ”ہوں.... اچھا....!“ وہ احتی ہوئی یوں۔ ”میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم کوئی فراہ کر رہے
 ہو.... سردار ٹھہرے متعلق غلط فہمی میں جلا ہیں!“

”میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا!“
 ”اور پھر وہ روائی کے مقام سے کتنے فاصلے پر ملا تھا!“
 ”میرا خیال ہے کہ ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر!“
 ”کتنی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔“
 ”سات یا آٹھ گھنٹے بعد۔ لیکن اس کے جسم پر کہیں کوئی معمولی سی خراش بھی نہیں تھی!“
 ”تب تو اچھا ہی ہوا کہ یادداشت کو میجاہوئہ خود پولیس ہی اسے یادداشت کو بیٹھنے پر مجبور
 کر دیتی۔ تم دیکھ لیا تو ہمیں بھی پاگل ہو جائے گا!“
 ”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جتاب؟“ رینا پھر نہ امان گئی۔
 اتنے میں سلیمان کافی کی رہے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور عمران نے اپنے ہونٹ
 بھنپنے سے بھیج لئے۔ رینا سے ناگواری سے دیکھے جا رہی تھی۔
 ”کافی نہا۔“ عمران نے سلیمان سے کہا۔
 ”میں اپنے ہاتھ سے بنا کر پیٹی ہوں!“ رینا بولی۔
 ”جاوے....!“ عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا اور سلیمان سر کھجاتا ہوا واپس چلا گیا۔
 ”سردار لوں کے بیان سے تو معلوم ہوا تھا کہ آپ ان کے لئے جان لک دے دیں گے۔“
 رینا نے کپ میں شکر ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”بے وقوف بوڑھا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔
 رینا جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا ہیدیک سنجاتی ہوئی یوں۔ ”شاکد میں
 غلط جگہ آگئی ہوں۔“
 ”بالکل....! تمہارے لئے بھی صحیح جگہ جمل ہی تھی!“
 ”آپ کو قطعی حق نہیں پہنچا کر....!“
 ”یہ جاؤ.... ورنہ میری کافی ضائع ہو جائے گی۔ ایسا کہاں کا لارڈ ماؤنٹ بیشن ہوں۔“
 ”پتا نہیں سردار لوں نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا!“
 ”شاکد وہ چاہتا ہے کہ میں بھی دھاری دار بند رکھ لوں۔ تم تو دیکھ ہی چکی ہو!“
 ”سردار... اب آپ اپنی زبان کو لگایم دیکھ جائیں واپس چل رہی ہوں۔“

اس بار عمران نے اسے نہیں روکا۔ وہ تیری سے باہر نکل گئی تھی۔



تمن دن بعد پولیس ہسپتال کے ڈاکٹر نے تجویز پیش کی کہ ڈان فاگان کو ڈینی وسن کے سامنے لے جایا جائے۔

ڈینی حوالات میں تھا اور رینا سے تاریخی تھی کہ اس کا نام نہاد دوست کس طرح پیش آیا تھا۔

”بب.... بس....“ ڈینی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”کام بن گیا مجھ جیسا کہن سال اور تجربہ کار آدمی بھی اُسے آج تک نہیں سمجھ سکا تو تم کیا سمجھو گی۔ اچھی لڑکی وہ اس زمین کی مخلوق تو معلوم ہی نہیں ہوتا!“

”صورت ہی سے اول درجے کا حق معلوم ہوتا ہے۔“

”تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہ قائم کرو۔“ ڈینی نے مسکرا کر کہا۔

ٹھیک اسی وقت ڈان فاگان وہاں لایا گیا جو پہنچنی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ جا رہا تھا۔ ڈینی اور رینا پر اس نے بے تعلقاتی نظر ڈالی تھی اور پھر پولیس سر جن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”میا تم اس یوڑھے آدمی کو نہیں پہچانتے۔“ سر جن نے اس سے پوچھا اور اس نے بڑی مایوسی سے اپنے سر کو منقی جنمیں دی۔

”ٹولیل آدمی ن۔“ ڈینی آہستہ سے بڑا بڑا۔ اور رینا بھی پر تغفار انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ دفعتاً ڈان فاگان کسی ایسی زبان میں بولنے لگا جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکی۔ پولیس سر جن نے ڈینی کی طرف دیکھا۔

”اول درجے کا فراہم ہے۔!“ ڈینی بڑا بڑا۔

”تم غلط کرتے ہو..... یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔!“ پولیس سر جن ناگواری سے بولا۔

علانے تک ڈانی ایس پی بھی موجود تھا۔ اس نے ڈینی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”بن سب باتوں کی جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔ بتاؤ وہ دونوں لڑکیاں کہاں گئیں اور زے

اس حال کو کیسے پہنچا۔!“

”اگر میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں تو مجھ سے زیادہ احتمل روئے زمین پر شاند کوئی دوسرا نہ ملے۔“ ڈینی نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ ڈانی ایس پی کی بھنویں تن گئیں۔

”اے تمہارے پاس کون لایا تھا؟“

”کچھ لوگ بڑے دیدہ دلیر ہوتے ہیں۔ تم اسے بیویوں کی حالت میں لائے تھے اور اس سے لاعلم تھے کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی یہ بیویوں ہی رہے گا۔ ورنہ تم اسے ٹوکریں کھانے کے لئے کہیں اور جھوڑ آتے۔!“

”غیر اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔“ ڈینی نے کہا۔ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ایک مجرما اور پروقار آدمی ڈانی ایس پی کے قریب آکھڑا ہوا۔

ڈانی ایس پی اسے دیکھنے ہی چوک پڑا تھا۔

اس نے ڈانی ایس پی سے کہا۔ ”مسڑ ڈینی وسن کی صفات پر رہائی کا پروانہ لایا ہوں۔“

”کس نے صفات دی ہے؟“ ڈانی ایس پی کا انداز گھنکلو جارحانہ تھا۔

”میں نے....!“ اجنبی نے خشک لبجھ میں کہا اور کچھ کاغذات ڈانی۔ ایس پی کی طرف بڑھا دیئے۔

اس طرح آن کی آن میں ڈینی کو حیرت انگیز طور پر رہائی نصیب ہو گئی۔ وہ آنکھیں چھڑا چھڑا کر اسی فرشتہ رحمت کو دیکھنے جا رہا تھا۔ لاکھ ذہن پر زور دیتا رہا لیکن یاد نہ آس کا کہ پہلے اسے کہاں دیکھا تھا۔

پولیس اسٹیشن کے باہر نئے مائل کی لمبی سی ڈونج ڈار لٹ کھڑی تھی۔ باور دی شوفرنے ان کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ معمرا جنی رینا اور ڈینی کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

”کیا میں اپنے حسن کا نام معلوم کر سکتا ہوں۔؟“ ڈینی نے اسے مخاطب کر کے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے کوٹ کی اندر ونی جیب سے اپنے کارڈ نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔

”میں عینک کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔“ ڈینی نے کارڈ لے کر رینا کو دیتے ہوئے کہا۔ رینا نے

کے پہلے نہ بھیڑ ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھنک گیا۔
”ہو سکتا ہے میں اس کی یادداشت واپس لاسکوں۔“ رینا بڑے دلاؤ بینداز میں مسکرا کر بولی۔
”میں نہیں سمجھا!“

”میں اس وقت موجود تھی جب اس نے نیلی اور کٹی کونڈر کے سلسلے میں سفر پر آمدہ کیا تھا۔“
”آپ نے پہلے اس قسم کا کوئی بیان کیوں نہیں دیا؟“

”خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اب جب کہ مسٹر ڈینی وسن مجرم گردانے جا رہے ہیں۔ میں کس طرح خاموش رہ سکتی ہوں۔“

”اگر یہ بات ہے تو شاید آپ اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکیں۔۔۔ آئیے میرے ساتھ۔!“
وہ اسے اس کمرے میں لا یا جہاں ڈاں فاگان مختبر بان انداز میں ٹھیل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر رکا اور رینا کو گھوڑا نے لگا۔

اس کے بعد کچھ غیر مانوس سے الفاظ اس کی زبان سے نکلتے۔

”کیا کہہ رہا ہے؟“ رینا نے سر جن سے پوچھا۔

”جیسی کے علاوہ اور کچھ نہیں بول سکتا!“

”یہ قطعی غلط ہے انگریزی بھی روائی سے بولتا تھا ورنہ انہیں بندر کے بارے میں کیے بتاتے ہم سب اپنی سے تابید ہیں۔“

سر جن کسی سوچ میں پڑ گیا اور رینا نے ڈاں فاگان کو مخاطب کر کے انگریزی میں کہا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے نہیں پیچانتے۔ تم نے کئی دن، ہم تیوں کے ساتھ گزارے تھے۔“

ڈاں فاگان بالکل اسی طرح اسے دیکھتا رہا جیسے کچھ بھی نہ کچھ سکا ہو۔!
”تمہارا یہ فرما کتنے دنوں چلے گا؟“ رینا پھر بولی۔

”ٹھہر دو۔۔۔!“ سر جن ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”ایک تجویز ہے۔ ہم ایک بار پھر سنکیز کی چڑھائی پر چلیں۔ اور تم بھی ہمارے ساتھ رہو۔!“

”میں تیار ہوں۔!“ رینا نے کہا۔

پولیس سر جن نے فون پر ذہنیں پی سے رابط قائم کر کے اپنی تجویز اس کے سامنے بھی پیش کر رہتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ حق ہے کہ اس قسم کا کوئی بندروں والا موجود ہے اور عورت کی بوپا کر

بے آواز بلند پڑھا۔ ”مسٹر اے اچ ہائی بار ایٹ لاء۔۔۔ تھر میں کوئٹ روڈ سردار گڑھ۔!“
”لیکن بے۔۔۔ لیکن بے۔۔۔!“ ذینی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن نیز سر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے ایک ہمدرد نے جو اپنا نام ظاہر کرتا نہیں چاہتا میری خدمات حاصل کی ہیں۔!“

”اوہ۔۔۔ میں سمجھ گیا۔ ذینی نے مختار بانہ انداز میں کہا۔

”میرے ہمراں نے ان دونوں کو سر کس کی کیا وہ تین ایسا تھا اور گازی آگے بڑھ گئی۔

”تم نے دیکھا تھا؟“ ذینی نے رینا سے فیر یہ سچے میں کہا۔

”م۔۔۔ میں نہیں سمجھی۔!“

”مسٹر ہمراں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا؟“ رینا نے سچے میں کہا۔

”اے وہ منوس۔۔۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔!“ بے۔۔۔ لدنی شانہ نہیں آئی۔

”ویکھ لینا۔۔۔!“

”اگر وہی ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ سامنے کیوں نہیں آیا۔!“ لدنی رہا۔

”تم نہیں سمجھ سکتیں۔!“ رینا نے سچے میں کہا۔

”خیر۔۔۔ مجھے کیا پہنچتے۔!“ رینا نے سچے میں کہا۔

پھر ذینی اپنے ملاز میں میں گھر گیا تھا اور ریسا سید ہی اپنی چھوپلداری کی طرف چلی گئی تھی۔

پہلے وہ عمران کے متعلق سوچتی رہی۔ تھی پھر ذہن ڈاں فاگان کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ کیا ذینی کا خیال تھا کیا کچھ نجی ڈاں فاگان نے فرما کیا تھا کیا اب بھیں اداکاری کر رہا ہے لیکن کب

مک۔۔۔ اور پھر اداکاری بھی یادداشت ضائع ہو جانے کی۔۔۔ کب تک معمول پڑنے آئے گا۔

کیوں نہ اس سے علیحدگی میں ملاقات کی جائے۔۔۔ لیکن اُو تو پولیس ہستیاں میں ہے اور پولیس سر جن

اُسے ذینی کی ملاز میں کی مشیت سے جاتا ہے پھر اچانک نیلی اور کٹی یاد آئیں۔۔۔ شہزادے بھاریاں کہاں

ہوں گی۔۔۔ پتا نہیں ان پر کیا گزر رہی ہو گی۔ خدا غارت کرنے ڈاں فاگان اور منوس یمنڈر کو۔۔۔

ڈاں فاگان۔۔۔!

اس کی مٹھیاں سختی سے بھیجن گئیں۔ اس نے تھبی کیا کہ ڈاں فاگان سے ضرور ملے گی۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ پولیس ہستیاں جانپھی تھیں۔۔۔ اتفاق سے پولیس سر جن ہی

”اوہ...!“ رینا چوک پڑی پھر اس نے تخت سے اپنے ہونٹ بھیج لئے ان میں سے ایک جانی پچانی شخصیت تھی اور دوسرا بڑے بالوں والا ایک ہی نوجوان تھا۔
رینا کی حرمت بڑھتی رہی۔ ... عمران بیہاں کہاں؟
وہ دونوں پوری طرح سامنے آگئے۔ مسلح کا نشیلوں کے تیور ہتار ہے تھے جیسے وہ ان پر اچانک حملہ کر دینے کے حکم کے منتظر ہوں۔

دفعہ ڈاں فاگان پھر کچھ بڑیا اور رینا نے دیکھا کہ عمران نے نہیں کر بالکل ویسی ہی زبان میں اسے مخاطب کیا ہے پھر کیا تھا ڈاں فاگان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دونوں کے درمیان زبانی بھنگ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو چھاڑ کھائیں گے ہی نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔
پھر مسلح کا نشیلوں کی دخل اندازی نے انہیں ایک دوسرے سے فاصلے پر پہنچا دیا تھا۔

”ہاں نہیں تو...!“ عمران سر جھٹک کر بولا۔ ”سامنے نے خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔“

”لک.... کیا آپ اپنی جانتے ہیں۔“ پولیس سر جن نے آگے بڑھ کر پوچھا۔
”کیوں نہیں...!“

”اس نے کیا کہا تھا؟“

”بڑی گندی ہی گالی دی تھی پھر میں نے بھی وہ سنائیں کہ عقل بھکانے آگئی ہو گی؟“

ڈاں فاگان پھر بے تعلقانہ انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دیرے سے اس کی زبان ہی نہ کھلی ہو۔

”آپ کون ہیں؟“

”اُرے واہ.... کیا میں آپ کو آدمی کی بجائے کچھ اور نظر آرہا ہوں۔“

”یہ بات نہیں!“ سر جن نے نرم لمحے میں کہا۔ ”ہمیں توقع نہیں تھی کہ بیہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو گا۔ شاید نیچے آپ ہی لوگوں کی گاڑی کھڑی ہے۔!“

”ہم بھی بندر دیکھنے آئے تھے۔ اخباروں میں پڑھا تھا اس کے متعلق...!“

”کیا آپ سردار گڑھ ہی کے باشندے ہیں؟“

”بھی نہیں میران گزارنے آئے ہیں۔!“

سامنے آتا ہے تو اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ سر کس ہی کی ایک لڑکی ساتھ چلتے پر آمادہ ہو گئی ہے۔!

کچھ دیر بعد... دو چیزوں میں پانچ مسلح کا نشیل ایک سب انپکٹر پولیس سر جن، رینا اور ڈاں فاگان تکمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ڈاں فاگان، سر جن اور رینا ایک ہی جیپ میں تھے رابطے میں کئی بار ڈاں فاگان اپنی میں کچھ بڑیا تھا لیکن اس کے انداز سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ گرد و پیش کے ماحول سے قطعی بے خبر ہو۔
رینا نے اسی جگہ گاڑی رکوائی جہاں پہلے و توئے سے قبل ذینی کی اٹیشن ویگن روکی گئی تھی۔
پیچھے والی جیپ بھی رُک گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور گاڑی کھڑی نظر آئی جس میں ایک ہی بیٹھا کوئی موٹی سی کتاب پڑھ رہا تھا۔
وہ سب چیزوں سے اتر گئے۔

پی کتاب بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی جاندار تھیں پولیس انپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

دونوں چیزوں کے ڈرائیور ایک مسلح کا نشیل سمیت وہی رُک گئے اور بقیہ لوگوں نے چڑھائی کا رخ کیا۔

پولیس انپکٹر بار بار مڑ کر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہی کو گھورنے لگتا تھا جواب پھر اپنی موٹی سی کتاب میں ڈوب گیا تھا۔

ڈاں فاگان خاموشی سے راستہ طے کر رہا تھا اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہیں بھی تو اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک نہیں دکھائی دی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہلی بار اوہر آیا ہو۔

رینا سوچ رہی تھی کہ کہیں اس سے غلطی تو سرزد نہیں ہوئی۔ اگر آج پھر کوئی حادثہ پیش آیا تو ذینی کو کیا جواب دے گی۔

کچھ دیر بعد وہ اسی جگہ پہنچ گئے جہاں بندر دکھائی دیتا تھا۔ ڈاں فاگان کو ایک طرف بھاڑایا گیا۔

رنیا مسلح کا نشیلوں کے نزغے میں تھی۔ پولیس سر جن ڈاں فاگان کو بغور دیکھ رہا تھا۔
اچانک اسی وقت ٹھیک اوہر ہی سے دو آمویزوں کے سر اُبھرے جدھر بندر نمودار ہوا تھا۔

”اردو سمجھ لیتی ہے!“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔
”جی ہاں.... اور وہ خود ہی آئی ہے!“
دفعائی کی نے چیخ کر کہا۔ ”وہ رہا۔“
اور ٹھیک اسی وقت ایک دھماکہ ہوا۔ ... افرا تقری بچ گئی... گہر ادھوں انہیں اپنے زرغے
میں لے رہا تھا۔



عمران نے باسیں جانب والے نشیب میں چھلانگ لگائی تھی۔ بڑی تیزی سے لڑکتا ہوا یونچ
چلا گیا تھا پھر کر کسی ٹھوس چیز سے نکرائی اور آنکھوں میں تارے ناچ گئے کوئی برا پتھر راہ میں
خالک ہو گیا تھا ورنہ اضطراری چھلانگ اسے سینکڑوں فٹ گہری کھند میں لے جاتی۔ کمر میں ایسی ہی
چوت آئی تھی کہ کئی منٹ تک اس کے جسم میں ہلکی سی جبنت بھی نہ ہو سکی۔
آنکھیں بند کئے دم بخود پڑا رہا۔ کرتا بھی کیا۔ فی الحال ذہن سے سب کچھ محو ہو گیا تھا ایسا
محسوس ہو رہا تھا جیسے کہ کی چوت نے سارے جسم کو سُن کر دیا ہو۔

کیا ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی؟ ذہن میں جھمکا سا ہوا تھا اس خیال پر لیکن پھر فوراً خیال آیا ایسا
نہیں ہو سکتا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی تو وہ یہ سوچنے کے قابل نہ رہ جاتا کہ کہیں ریڑھ کی ہڈی تو نہیں
ٹوٹ گئی۔

پھر وقت اور گزرنا۔ اس کا ذہن آہستہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے اٹھنے کی
کوشش کی اور بینیرو عافیت اٹھ بھی بیٹھا البتہ کر کی تکلیف بدستور قائم تھی۔
یہ ایسی جگہ تھی کہ یہاں سے سر پر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے
رہا تھا۔

جہاں سے لڑکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس ڈھلان پر قدم جما کر اوپر جانا قریب تریب
نا ممکن ہی معلوم ہوتا تھا پھر بخی نظر ڈالی تو روح قاتا ہو گئی اور وہ اس پتھر سے چٹ گیا جس سے نکرا
کر چوٹ کھائی تھی۔ وقت گزر تارہ عمران کی نظریں چھائی کی طرف لگی رہیں پھر اسے اوپر کچھ
لوگ دکھائی دیئے۔

رینا اردو بول اور سمجھ سکتی تھی لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ عمران سے متعلق ڈینی کا قول کری
نشیں ہوتا نظر آ رہا تھا۔

”میرا نام سعید صدیقی ہے۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر ہوں!“

”میرا نام علی عمران ہے!“

دونوں نے مصافحہ کیا اور ڈاکٹر بولا۔ ”ہمیں کسی ایسے نئی آدمی کی تلاش تھی جو اپنی جانتا ہو۔“

”یہ آخر ہے کیا بلہ؟“ عمران نے ڈاکن فاگان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”آپ نے اخبارات میں اگر وہ کہانی پڑھی ہے تو ڈاکن فاگان کے بارے میں بھی جانے ہوں گے....!“

”آہا.... تو یہ حضرت ہیں بھلامیں نے ان کا کیا بگاڑا تھا کہ مجھے گالیاں دینے لگے۔“

”یادداشت کھو بیٹھا ہے کبھی کبھی صرف اپنی میں بڑیا نے لگتا ہے!“

”آپ لوگوں کو بھی گالیاں دیتا ہو گا صورت ہی سے ناجار معلوم ہوتا ہے۔“

”یہی توبات ہے۔ دراصل اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کاریکار ڈر کھانا پڑے گا۔“

سب انپکڑ نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”پدرہ منٹ تو ہو گے!“

عمران اس کی طرف متوجہ ہو گیا وہ بھی عمران ہی کو دیکھ رہا تھا۔

”کیوں جتاب! کیا آپ کو ادھر آتے ہوئے خوف نہیں محسوس ہوتا تھا!“ اس نے عمران
سے پوچھا۔

”میرے ساتھ ظفر الملک ہیں!“ عمران نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی
ظفر النساء نہیں کر خوف محسوس ہوتا!“

”کیا بات ہوئی؟“

”آپ لوگ ان بیچاری خاتون کو یہاں کیوں لائے ہیں؟“ عمران نے رینا کی طرف دیکھ کر کہا
”آپ کو مجھ سے کوئی سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا!“

”بالکل پہنچتا ہے! میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اس اپنی کو فضول سمجھ کر سڑک پر پھیلک
تھے لیکن بے چاری لڑ کیاں!“

”آپ اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں!“

عمران کے قریب پہنچا اور اس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا۔ ”آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ کا تعلق انہی چنگیوں سے نہیں ہے؟“

”اب تو ہو ہی گیا ہے تعلق!“

”کیا مطلب؟“

”جب تک میرا ساتھی نہ مل جائے مطلب خود میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔“

”وہ شائد ہوش میں آ رہی ہے۔“ سر جن نے کہا اور تمیزی سے دراز میں داخل ہو گیا۔

”ادھرنہ دیکھئے... میری بات کا جواب دیجئے۔“ سب انکشہر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

”آپ کی بات نے لا جواب کر دیا ہے مجھے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ جنگلی کس طرف سے آئے تھے۔“

”آپ نے نہیں دیکھا تھا؟“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی جتاب! ابھی آپ ہی نے مجھے اُس کھڈ سے نکلا ہے۔ دھماکہ ہوتے ہی تو میں اپنے خواں کھو بیٹھا تھا۔“

”یہر حال آپ لوگ شہبے سے بالآخر قرار نہیں دیے جاسکتے۔“

”بکھی نہیں دیئے گئے۔ میری تو شکل ہی دیکھ کر لوگ شہبے میں پڑ جاتے ہیں۔“

سر جن رینا کو سہارا دیئے ہوئے دراز سے برآمد ہوا۔ وہ بوکھلانے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر عمران پر نظر پھربری۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ بلے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔

عمران دوسری طرف مژ کر ایک کا نشیل سے بولا۔ ”بھائی! اور اپنے جا کر اس ڈاڑھی والے کو بلااؤ۔“

”میری اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے مل بھی نہیں سکتا۔“ سب انکشہر غریا۔

”اچھا! تو وہ لوگ آپ کی اجازت ہی سے میرے ساتھی کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اب سمجھا۔ لڑکی کو پھانے کے لئے میرے ساتھی کو قربانی کا بکرا بنا دیا!“

”فضول باتوں میں کیا کھا ہے!“ سر جن رینا کو ایک طرف پھانا ہوا بولا۔ ”ہم وقت ضائع کر رہے ہیں کیوں نہ انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔“

وہ ہاتھ ہلا کر چینخ لگا۔ ”ادھر... ادھر... میں اور نہیں چینخ سکتا۔ یہ دیکھو... ملدی رو...!“

”تم وہاں کیسے چینچ؟“ کسی نے اوپر سے پوچھا۔

”یاد کمال کرتے ہو۔ ارے کچھ کرو... ورنہ بالکل نیچے چینچ جاؤں گا۔“

”اچھا... اچھا... پتھر کو مضبوطی سے پکڑنے رکھو۔ ہم کچھ کرتے ہیں۔“

پندرہ یا بیس منٹ بعد ایک رسہ پھینکا گیا اور پھر جب وہ اس رسے کے سہارے اور پہنچا تو سردی کے باوجود بھی پسینے میں شرابور ہوا تھا۔

کچھ دیر ہاتھ پیر ڈالے پڑا رہا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی اور گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد ان سے پوچھا۔ ”میرا ساتھی کہاں ہے؟“

”سب موجود ہیں... اس کے علاوہ...!“

”وہ مل... لڑکی۔“

”وہ بھی نیچ گئی۔“ پولیس سر جن بولا۔ ”لیکن ابھی ہوش میں نہیں آئی۔“

”کہاں ہے؟“

”وہ ادھر... اس تکی سی دراز میں پڑی ہے۔“

”عمران آگے بڑھا... دراز دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی لیکن طوالت کا اندازہ کر لینا دشوار ہی تھا کیونکہ آگے گہری تاریکی تھی۔

”وہ پولیس والوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”لڑکی چالاک معلوم ہوتی ہے!“

اس کے بعد اس نے اپنا سر پینا شروع کر دیا۔

”ارے... ارے... کیا ہوا جتاب؟“ پولیس سر جن آگے بڑھ کر بولا۔

”ہائے.... میرا ساتھی....“ عمران کراہا۔ ”وہ جنگلی اسے لڑکی سمجھ کر لے گئے۔ سمجھاتا تھا دیکھ بھائی اگر تو نے سر کے بال بڑھائے ہیں تو ڈاڑھی بھی رکھ لے... لیکن کون سختا ہے...“

ہائے.... آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ خدا کے لئے اپنے کسی سپاہی کو نیچے بھیج کر ڈاڑھی والے کو بولو اور بیجھ۔“

”اچھا... اچھا... آپ خود کو سنجھائے تو۔“ سر جن بولا۔ اتنے میں سب انکشہر چھپت کر

”یہ ہوئی ناقاعدے کی بات!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب بتائیے وہ کہہ رہے آئے تھے؟“
بات دراصل یہ تھی کہ کسی کا شیل نے بندر کو دیکھ کر نعرہ لگای تھا... پھر دھماکہ ہوا تھا اور
ان پر بے ہوش طاری ہو گئی تھی۔ کوئی دیکھ ہی نہیں سکا تھا کہ جنگلی کب اور کہہ رہے آئے تھے۔
سر جن عمران کو اس کے بارے میں بتائی رہا تھا کہ جیسن بھی آپنچا۔

عمران نے اُسے دیکھ کر اس طرح منہ بنا دیا جیسے زد ہی تو دے گا۔ پھر گلوگیر آواز میں
بول۔ ”اے میرے دوست کے یار و فادر... وہ نامرد جنگلی اُسے لڑکی سمجھ کر اٹھا لے گئے۔“
”کسے؟“

”ظفر کو...!“

”اور آپ لوگ؟“ جیسن نے تیز لمحہ میں پوچھا۔

”لیکن تم خود بخود کیسے چلے آئے؟“

”میں نے شاید دھماکا سنائھا۔“

”افراسیاب نے گولام راتھا... تم نے ٹھیک سنائھا۔“

”ٹھیک سے بتائیے جتاب... ہر ہائی نس کہاں ہیں؟“

”یقین کر بھائی... ان محترمہ کے دھوکے میں ظفر کو اٹھا لے گئے۔“ عمران نے رینا کی
طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں!“ وہ نشک کر کھڑی ہو گئی۔

”پھر کیا کہوں؟ آپ تو اس دراز میں جالیتی تھیں۔ میرا ساتھی بیچھے سے انہیں لڑکی ہی لگا
ہو گا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وہ لوگ کہہ رہے آئے تھے۔ آپ نے ضرور دیکھا ہو گا کیونکہ آپ
کو دراز میں داخل ہو جانے کا ہوش تھا۔“

”اوھر سے...!“ رینا نے وہی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

جیسن اس طرف بوجاہی تھا کہ سب اسکنڈر دھاز۔ ”ٹھہرو! تم دونوں حرast میں ہو۔

تمہیں ہمارے ساتھ سردار گڑھ چلانا ہو گا۔“

”کیا مطلب؟“ جیسن عمران کی طرف مڑا۔

”یہ حضرات ہمیں ان جنگلیوں کے سرپرست سمجھ رہے ہیں۔“

”یہ کیا بکواس ہے؟“ جیسن سب اسکنڈر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”میں! ہر ہائی نس نواب زادہ
ظفر الملک کا سیکرٹری ہوں۔“

”اور کیا...“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن سیکرٹری صاحب... ذرا آپ بھی اپنی یہ پھول
دار جیکٹ اتنا رہ جائے... بیچھے سے ڈاڑھی نہیں دکھائی دیتی!“

”یور جیسٹی... آپ دیر کیوں کر رہے ہیں؟“ جیسن بھنا کر بولا۔
”میں غلط نہیں کہ رہا...“ عمران رینا کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ان کی جیکٹ اور پتلون
ویکھو...!“

”میں کہہ رہا ہوں جتاب...!“

”ٹھیک ہے... ہمیں دیکھنا چاہئے۔“ سر جن نے اسکنڈر سے کہا۔

سب اسکنڈر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کاشیلوں کو اشارہ کر تاہو اسی طرف بڑھا۔
اس طرف کی ڈھلان ناقابلِ عبور نہیں تھی۔

”لگ... کیا آپ بھی...؟“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”میں یہاں اکیلی تو نہیں ٹھہر سکتی۔“ رینا نے کہا۔

وہ اس کے برابر ہی چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ظاہرنہ ہونے دینا کہ مجھے بیچاتی ہو۔!“ عمران آہستہ سے بولا۔

”کب ظاہرنہ ہونے دیا ہے۔ میں تمہیں غلط سمجھی تھی۔ مجھے معاف کر دو!“

”سب ٹھیک ہے۔“

جیسن بڑے جوش میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک جگہ رک کر اس نے زمیں سے
کوئی چیز اٹھائی۔ اور پھر وہ سب اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

”یہ سرخ رنگ کا ایک ریشمی رومال تھا۔“

”ہر ہائی نس کار رومال۔“ جیسن عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔

”رکھ لو یاد گار کے طور پر۔“ عمران نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ بائیں جانب جھپٹا تھا۔ اس نے بھی کچھ اٹھایا۔ یہ فاؤ نشین پن تھا۔

”راستہ بدلتا دینا چاہئے۔“ اس نے سر جن سے کہا۔

عمران بچ مجھ درے کے سامنے آتھی پاٹھی مار کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت درے سے دوڑتے ہوئے بھاری قد موس کی آواز سنائی دی اور کوئی اچھل کر عمران پر آپڑا۔ یہ جیمسن تھا اور گرتے ہی بیہوش ہو گیا تھا۔

پھر ایک عقاب کسی طرف سے نمودار ہوا اس نے بیہوش جیمسن پر ہی چھٹا مار اور اس کی جیکٹ کو ادھیریں تاہو اخال فست میں بلند ہو تاچلا گیا۔ رینا ہشتریائی انداز میں چینے گی تھی۔

”شاندار ہر ہی کہیں کوئی ماڈہ انڈوں پر بیٹھی ہوتی ہے۔“ سب انپکٹر عقاب کی پرواز پر نظر جاتے ہوئے بولा۔

”اور اب میں اسے لے کر بیٹھو۔“ عمران جیمسن کی طرف مکاہلا کر کلفایا۔

”شکر کیجیے کہ ان حضرت کی واپسی ہو گئی۔“ سب انپکٹر نے کہا۔

”ارے وہ پھر پلت رہا ہے۔“ رینا چینی۔

عمران نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عقاب دوسرے چھٹے کے لئے پلت چکا تھا۔

”فائز کرو۔“ اس نے چین کر کہا اور جیمسن پر چھا گیا۔ اس بار عقاب عمران کی پشت پر پنج بارتا ہوا دوسرا طرف نکل گیا تھا۔

رینا سب انپکٹر سے الجھ پڑی۔ ”آپ فائز کیوں نہیں کرتے؟“

”راونڈ کا حساب دینا پڑتا ہے۔ جوار الصلح چڑی ماری کے لئے نہیں۔“

”پھر وہ کیسے قابو میں آئے گا۔ ارے... ارے... پھر پلتا۔“

اس مرتبہ عمران نے بڑی تیزی سے اپنا کوٹ اتارا تھا۔ اور پھر انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی عقاب نے چھٹا مارنے کے لئے خوط کھایا۔ عمران کے کوٹ سے الجھ کر رہ گیا۔

کوٹ سمتیت اسے دوسرا طرف جھنک کر عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت ڈان فاگان دھاڑتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔

”دیکھو.... دیکھو....!“ عمران چینا۔ ”اب یہ مردود برہا راست مجھے.... گالیاں دے رہا ہے.... اسے سن جاؤ....!“

سب انپکٹر کے اشارے پر دو کا نشیل ڈان فاگان سے چھٹ گئے تھے وہ رک تو گیا لیکن اس کی زبان بدستور چل رہی تھی۔

”کیا مطلب؟“

”شاید وہ پوری طرح بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نشان دہی کرتا گیا ہے۔“ عمران نے کہا اور باسیں

جانب چل پڑا۔

سب سے پہلے سر جن نے اس کی تقلید کی تھی.... یہ راستہ دشوار گذار ثابت ہوا۔

ایک ٹنگ سے درے کے قریب ظفر الملک کا مفلر پڑا۔ وہ پھر رک گئے۔ ڈان فاگان بھی ان کے ساتھ تھا۔ دفتہ اس نے کچھ کہا اور عمران مڑک رک سکرنے لگا۔

”کیا کہہ رہا ہے؟“ پولیس سر جن نے کہا۔

”مفلر کی والدہ محترمہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ ناجبار نے۔“

”ارے تو کیا گستاخی میں بھی؟“

”جی ہا۔“ عمران مخدوشی سانس لے کر بولा۔ ”دنیا کی ہر زبان مادری ہی زبان کہلاتی ہے۔“

”آپ لوگ بے تکلی با تکل کر رہے ہیں۔ کیا یہ با توں کا وقت ہے۔“ جیمسن جملہ کر بولा۔ اور اسی ٹنگ سے درے میں گھٹا پلا گیا۔

”ٹھہر و.... ٹھہر و....!“ پولیس انپکٹر چینا تھا۔ لیکن کون سنا تھا۔ جیمسن ان کی نظر وہ سے او جھل ہو چکا تھا۔

پھر عمران نے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن انپکٹر اس کا بازو پکڑتا ہوا بولा۔ ”اپنے ساتھی کی رسید آجائے دیکھے پھر آپ بھی زحمت فرمائیے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”ہو سکتا ہے وہ اتنی دیر میں کسی غار میں گر کر اپنی بہیاں سرمه کر چکا ہو۔“

”تو پھر؟“

”میں اپنی موجودگی میں کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”اوہ یہ سب کچھ ہوتا ہی رہے گا؟“

”میں مجبور ہوں.... جب تک کوئی ایسا آدمی ساتھ نہ ہو جو ان اطراف سے بخوبی واپس ہو۔“

”جتنی دیر میں آپ کوئی ایسا آدمی تلاش کریں گے۔ وہ جنگلی میرے ساتھیوں کو بھون کر کہ جائیں گے۔ اچھی بات ہے آپ جا کر کوئی ایسا آدمی تلاش کر لائیے میں بیہوش بیٹھا ہوں۔“

اسی دوران میں عمران بھی اٹھ کر اپنا کوٹ جہاڑنے لگا۔ عقاب کی گردان وہ پہلے توڑ چکا تھا۔ رینا جیسن کے قریب جا بیٹھی تھی اور اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔ پھر ڈاکٹر بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟“ سب انکپٹر نے عمران سے پوچھا۔

”کالیاں.... صرف کالیاں جسے یہ عقاب اس کا کوئی تاثری رشتہ دار رہا ہو.... اور سنو.... وہاب بوڑھی عورتوں کی طرح قرب قیامت کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے جناب.... لیکن آپ کیا چیز نہیں۔“

”ناچیز....!“ عمران کہتا ہوا پھر جیسن کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کا دہنا بازو ٹھوٹنے لگا کیونکہ آستینیں خون سے پیچی ہوئی تھیں۔

بدقت تمام جیکٹ اتاری جاسکی۔ اس کا بازو زخمی تھا اور آستین میں دوسرا خ نظر آئے۔

”گولی.... یہ زخم گولی کا ہے۔“ سر جن نے پر تحریر لجھے میں کہا۔

”ہڈی تو محظوظ ہے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”یہی غیمت ہے۔“ سر جن سر بلاؤ کر بولا۔

”ای لئے میں روک رہا تھا۔“ سب انکپٹر نے ناخوش گوار لجھے میں کہا۔ ”بیانیں کیا چکر ہے۔“

ٹھیک اسی وقت عمران نے جیسی ٹرانس میٹر پر اشارہ محسوس کیا۔ اس وقت یہاں سے ہٹ

بھی نہیں سکتا تھا۔ سب انکپٹر سر پر سوار تھا۔۔۔ لہذا ٹرانس میٹر نکالا ہی پڑا۔

کہیں سے کوئی بھرائی ہوئی آواز میں پکار رہا تھا۔ ”ہیلو.... ہیلو.... عمران صاحب....!“

”ہیلو.... عمران.... ہواز دیت۔“

”ظفر الملک....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہائیں.... تم کہاں ہو؟“

”مرٹر کے کنارے پڑا ہوں.... لیکن کہاں.... یہ نہیں بتا سکتا۔“

”جس راستے سے ہم آئے تھے۔ اسی پر تو نہیں۔“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“

”اور کون ہے تمہارے پاس....!“

”کوئی بھی نہیں۔۔۔ دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیتا۔“

”تم وہاں پہنچ کس طرح؟“

”پکھھ پتا نہیں۔۔۔ دھماکے کے بعد سے کچھ بھی یاد نہیں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ جہاں ہو دیں تھیروں۔۔۔ میرا خیال ہے تمہارا حشر بھی ڈاں فاگاں ہی کا سما ہوا ہے۔ ہم سردار گڑھ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔“

”بہت بہتر۔“

عمران ٹرانس میٹر کا سوچ آف کر کے اُسے جیب میں ڈالنے ہی والا تھا کہ سب انکپٹر نے ہاتھ پکڑ لیا۔

”بہت قیمتی ہے۔ ہر گزندہ دوں گا۔“ عمران بولا۔

”میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے پاس پرمٹ ہے اور آپ کس سے گفتگو کر رہے تھے؟“

”میں اپنے اس ساتھی سے گفتگو کر رہا تھا جو رائفلوں کے درمیان بھی ان وحشیوں سے محفوظ نہ رہ سکتا تھا۔ وہ اس وقت کسی سڑک کے کنارے پڑا ہوا ہے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں پرمٹ۔“

”آپ جھک مار رہے ہیں۔“ رینا آگے بڑھ کر بولی۔ نہ جانے کیوں اُسے غصہ آگیا تھا۔

”کیا مطلب؟“

”آپ نے اب تک کیا کیا ہے۔؟“

”یہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کب کیا کرنا چاہئے؟“

بات بڑھ جاتی لیکن سر جن آٹے آیا۔۔۔ وہ زخمی جیسن کے لئے فوری طور پر طبی امداد

فرائ姆 کرنا چاہتا تھا۔

اُسے وہاں سے اٹھا کر سڑک تک لے جانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

گاڑیاں سردار گڑھ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ عمران اپنی جیپ ڈرائیور کر رہا تھا پچھلی سیٹ پر

جیسن کی نہ کسی طرح نہ دیا گیا تھا۔ اور اب سب انکپٹر عمران کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

”آپ میرے ہیڈ کوارٹر چلیں گے۔“ اس نے عمران سے کہا۔

”پہلے ہسپتال.... آپ بھول رہے ہیں۔ ویسے آپ کب بھرتی ہوئے تھے جناب؟“

”بھرتی نہیں ہوا تھا۔ ٹریننگ کالج سے آیا ہوں۔“

”اوہ اچھا... بھلا باتیے تو... موگ کی کچھڑی کا کیا فارمولہ ہے۔“

”آپ کا داماغ تو نہیں چل گیا؟“

”میرا ایک انپکٹر دوست موگ کی کچھڑی پر اختہاری ہے۔“

”خیر دیکھوں گا۔“ سب انپکٹر سر ہلا کر بولا۔

اچانک گازیاں رک گئیں.... ظفرالملک مل گیا تھا۔ اس کے کچڑے تار تار تھے.... اور وہ بمشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔

وہ سب گازیوں سے اتر پڑے۔ ظفرالملک کو سہارا دے کر ایک گازی میں بٹھایا گیا۔ رینا عمران کے قریب کھڑی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹھیک اسی جگہ ڈان فاگان بھی بڑا ملا تھا۔ اور ہاں ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ میں بھی اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھی!“

”فکر نہ کرو.... سب دیکھ لیا جائے گا۔“

سب انپکٹر نے انہیں گفتگو کرتے دیکھ کر ان کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

”یاد تم کیوں میرے بیچھے پڑ گئے ہو۔ میں اب تمہیں اپنی گازی میں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ یہ بیٹھیں گی میرے ساتھ... پولیس والوں میں اتنی دیر تک بیٹھنے سے میری گرامر کمزور ہو گئی ہے۔“
رینا پہلے ہی اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ سب انپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”نہیں.... اسی گازی میں جائے۔“
”میں تو نہیں جائیں۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟“ سب انپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

”سنودوست! عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔“ عورتوں سے اس لمحے میں گفتگو نہیں کیا کرتے۔ تمہارا میں پی بڑا حسن پرست آدمی ہے۔ اگر شکایت کردی گئی تو اسے بڑا دکھ ہو گا۔ سردار گڑھ بیچ کر میں تمہیں اس سے ضرور ملاوں گا۔ بس جاؤ.... اپنی کسی گازی میں بیٹھ جاؤ۔ میرا ساتھی تمہاری ہی گازی میں ہے۔ میں اسے چھوڑ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا۔“
”اچھی بات ہے سردار گڑھ بیچ کر دیکھا جائے گا۔“ سب انپکٹر نے غصیلے لمحے میں کہا اور اگلی گازیوں کی طرف بڑھ گیا۔

گازیاں بھر چل پڑی تھیں۔ رینا مزکر جیسون کو پر تشویش نظروں سے دیکھتی ہوئی ہوئی۔ ”پا نہیں بچارے پر اس درے میں کیا گذری... مگر ہم نے شاید فائز کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔“

”قطعی نہیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں آپ سے شرمند ہوں مسٹر عمران۔“

”کوئی بات نہیں.... میرے سلسلے میں عورتوں کو عموماً شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی ہے۔“

”مسٹر لس بڑے پیار سے آپ کے تھے نہتے ہیں!“

”بوزھا سک گیا ہے۔ اللہ اس پر حرم کرے!“

”ان کے سلسلے میں ڈی ایس پی کو منہ کی کھانی پڑی۔ وہ چاہتا تھا کہ صفائت نہ ہو سکے۔“

عمران بچھے نہ بولا.... گازیاں سردار گڑھ کی طرف بڑھتی رہیں۔



شام ہو گئی.... لیکن رینا کا سراغ نہ مل سکا۔ ڈینی بے حد پریشان تھا.... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پولیس والوں کے چکر میں پڑ گئی ہو گی۔ ورنہ پولیس ایشیون سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر انہیں اپھلے لگا۔... سرس کا شو بھی شروع ہو چکا تھا۔ اس نے میجر کو طلب کر کے کہا۔ ”میری دشواریوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کروں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”میں تو پہلے ہی سے لڑکیوں کا مخالف ہوں... باس۔“

”تم گدھے ہو.... آخر وہ کہاں غائب ہو گئی؟“

”رپورٹ درج کر ادؤں گم شدگی کی۔“

”اس بار چھانی ہی ہو جائے گی۔“

ڈینی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رینا بوجھ کھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور قبل اس کے کہ ڈینی باز پر س کرتا پانچ کار نام بیان کر چلی۔

ڈینی غصیلے انداز میں ستارہ اور پھر اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”اس بار وہ تمہیں پکڑ گئی تھے تو بہتر ہوتا۔“

”ہمیں!“ ڈینی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تم ڈان فاگان... ت... تم یہاں کیسے؟“
لیکن وہ بھٹی بھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا ہا۔۔۔ کچھ بولا نہیں۔

”کیا تمہاری یادداشت واپس آگئی ہے؟“ ڈینی نے تلخ لبجے میں سوال کیا لیکن پھر کوئی جواب
نہ ملا۔

”جب تم اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھے ہو.... تو تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“
دفعہ ڈان فاگان کی پشت سے آواز آئی۔ ”یہ خود نہیں آیا۔ لایا گیا ہے۔“ اور پھر عمران سامنے
آگیا۔

”اوہ... گریٹ میں!...!“ ڈینی اس سے بغل گیر ہونے کے لئے چھپتا۔

”ٹھیک ہے.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ عمران اس کی پیٹھ تھکتا ہوا بولا۔ ”میں اسے یہاں
اس لئے لایا ہوں کہ اس کی یادداشت واپس لاوں۔ اسے جتنی پلاسکتے ہو پاؤ۔“

پھر اس نے ڈان فاگان کی طرف مڑ کر اپنی میں کچھ کہا تھا اور وہ بڑی سعادت مندی سے
ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

اس کے بعد عمران آہستہ آہستہ ڈینی سے کچھ کہتا رہا تھا۔ ڈینی ان دونوں کو خیمے میں چھوڑ کر
باہر چلا گیا۔

عمران وہ گلاں اٹھا کر جو ڈینی نے اپنے لئے تیار کیا تھا۔ ڈان فاگان کی طرف بڑھاتا ہوا کچھ
بولا۔ کسی ندیدے کی طرح ڈان فاگان نے گلاں پر قبضہ کیا تھا اور اسے ختم کے بغیر کسی اور طرف
نظر نہیں اٹھائی تھی۔

دوسرے گلاں کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ عمران تیسرے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈینی دروازے
میں دکھائی دیے۔ عمران کی طرف دیکھ کر اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی تھی اور مسکراتا ہوا پلٹ گیا
تھا۔ تیسرے گلاں کے بعد اس نے ڈان فاگان کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے سے
باہر آگیا۔

سامنے ہی پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے ان کے لئے دروازہ کھولा۔
ڈان فاگان اور عمران پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے جیپ چل پڑی۔ اب جو ٹھنڈی ہوا لگی تو ڈان
فاگان کی زبان بھی چل پڑی۔ پتا نہیں کس قسم کی بکواس تھی جس کے جواب میں عمران بھی چکنے
کر خیسے میں داخل ہوا۔

”میں کیوں...؟“

”میں شہے سے بالاتر ہو جاتا۔“

”اتی خود غرضی...؟“

”آخر تم مجھ سے پوچھے بغیر گئی کیوں تھیں؟“ ڈینی دھڑا۔

”آپ کبھی اجازت نہ دیتے... اور مسٹر لسن! اسے آپ کا دوست علی عمران تو واقعی ایک
سبھج میں نہ آنے والا آدمی معلوم ہوتا ہے... ایس پی اسے دیکھ کو بولکھلا گیا تھا اور پھر جو اس سے
سب اسکر کو ڈاٹ پلائی ہے تو بس مزہ آگی تھا۔“

”کہاں میں ماسٹر عمران؟“ ڈینی نے کسی قدر نرم ہوتے ہوئے پوچھا۔

”پولیس ہسپتال چلے گئے۔ ان کے دونوں ساتھی وہیں تو ہیں۔ شو میں اپنا کام ختم کرنے کے
بعد میں بھی وہیں جاؤں گی۔“

”کیوں؟“

”انہوں نے بلایا ہے۔“

”اچھا... اچھا... اب جا کر شو کے لئے تیاری کرو۔“

”رینا چلی گئی... اور ڈینی مسکرا کر اپنے فیجر سے بولا۔“ ماسٹر عمران کی عجیب شخصیت ہے۔
”میں جانتا ہوں!“ فیجر نے بُر اسامنہ بن کر کہا۔

”کیوں! تمہارا بھر خراب کیوں ہے؟“

”مجھے وہ لڑکی یاد ہے.... جو برسوں اس کے لئے روئی رہی تھی!“

”اوہ... ہاں!“ ڈینی کا بھجہ بھی معموم ہو گیا۔ ”لیکن اس میں ماسٹر عمران کا کوئی قصور نہیں
تھا.... وہ خواہ مخواہ ان کے لئے پاگل ہو گئی تھی... یقین کرو وہ عورتوں کو منہ نہیں لگاتے۔“

”ایسے لوگوں کو کیا کہا جائے... یا تو وہ آدمی ہی نہیں ہوتے... یا اول درجے
مکار... وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں ان کے پیچھے دوڑتی پھریں۔“

”نفیات نہ پڑھاؤ مجھے... دفع ہو جاؤ...“

”فیجر چلا گیا... اور ڈینی نے بوتل اٹھائی۔ گلاں لبریز ہی کر رہا تھا کہ کوئی بغیر اجازت پر
کر خیسے میں داخل ہوا۔“

کچھ دیرگاری مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی۔ پھر ایسیں پی کے بنگلے پر جا رکی۔ ڈان فاگان کو ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔ اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ عمران اسے وہیں بٹھا کر خود باہر نکلا اور دروازے کو باہر سے مغلل کر دیا۔ راہداری میں ایسیں پی موجود تھا۔

”کہیے... کیا رہی...؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے یا نہیں؟“ عمران نے سوال کیا۔

”ہاں... وہ ڈرائیکٹر روم میں موجود ہیں!“

”یہیں بلا لیجے! میں چاہتا ہوں کہ ان کی موجودگی ہی میں اس کی یادداشت واپس آئے!“

ایسیں پی چلا گیا۔

وائپسی پر پولیس سر جن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ ڈینی ان میں شامل تھا۔ عمران کے اشارے پر وہ برابر والے کمرے میں چلا گیا اور بقیہ اس کمرے کے دروازے پر کھڑے رہے جس میں ڈان فاگان کو عمران نے چھوڑا تھا۔

اچانک اندر سے گھوٹکھروں کی جھنکار سنائی دی جیسے کوئی رقص کر رہا ہو۔ پھر انہوں نے ڈان فاگان کی جیخ سنی۔ وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر کچھ کہہ رہا تھا پھر یہک بیک ایچنی سے انگریزی پر اتر آیا۔

”دروازہ کھولو... بچاؤ... مجھے بچاؤ...!“

”ویکھا...!“ عمران پولیس سر جن کو آنکھ مار کر بولا۔ ”اس طریق علاج کو گھپالا جیکل ٹریٹ منٹ کہتے ہیں۔“

ڈان فاگان بدستور دروازہ پیٹ پیٹ کر چینے جا رہا تھا۔ ... مجھے بچاؤ... ورنہ یہ مار ڈاں گا... ارنے درندو... خدا کے لئے دروازہ کھولو...!“

عمران نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور ڈان فاگان اچھل کر ان لوگوں پر آپڑا۔ سنجھال لیا گیا ورنہ منہ کے بل ہی گرا ہوتا۔

کمرے میں ایک ریچھ پچھلی ناگوں پر کھڑا ٹھک کرتا چے جا رہا تھا۔

ڈرے ڈرے سے قہقہے نضامیں گوئے...!“

ڈان فاگان بری طرح ہانپر رہا تھا۔ عمران نے پولیس سر جن سے کہا۔

”اب آپ لے جائیے اسے اور بیان لیجے لیکن خیال رہے کہ کہیں دوبارہ بے ہوش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو لاطینی بولتا ہوا ہوش میں آئے گا۔ اور لاطینی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔“

ریچھ جہاں تھا وہیں ناچھا رہا۔ آگے نہیں بڑھا تھا۔ عمران نے ڈینی کو آواز دے کر کہا

”اب میری طرف سے ریچھ کو انعام دے دو۔“

پھر انہوں نے دیکھا کہ ڈینی نے اسی کمرے کے ایک دروازے سے برآمد ہو کر ریچھ کے انگلے پنجوں میں بیڑ کی ایک بوتل تھا تھا۔

”اے... تو یہ بیکر پیتا ہے...!“ کسی نے حیرت سے کہا۔

”ریچھوں کا ڈاکٹر ہے۔“ عمران بولا۔

سر جن ڈان فاگان کا بازو پکڑے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ ... شاید عمران کی بے تکلفی اسے گراں گذری تھی۔ دوسرے لوگ ریچھ کو بیڑ پیتے دیکھتے رہے۔ بوتل خالی ہو گئی۔

عمران نے ڈینی سے کہا۔ ”اب اسے یہاں سے بے لے جاؤ... ورنہ یہ مشاعرہ برپا کر دے گا۔“

اس کے بعد ایسیں پی عمران کو ڈرائیکٹر روم میں لایا۔ سر جن ڈان فاگان سمیت وہاں سے جا چکا تھا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کی خود فراموشی قطعی ڈھونگ تھی!“ ایسیں پی بولا۔

عمران خاموشی سے چیزوں گلکٹنارہا۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا لیکن چھرے پر حماقتوں کے بادل بدستور چھائے ہوئے تھے۔



ڈان فاگان نے اعتراف کر لیا تھا کہ اس نے مصلحتیاً داشت کھو بیٹھنے کی اداکاری شروع کر دی تھی۔ حالات کے مطابق پولیس اس پر ضرور شہر کرتی۔ اور وہ بڑی دشواری میں پڑ جاتا بھلا کس طرح ثابت کر سکتا کہ وہ لاکیوں کے اغوا کی سازش میں شریک نہیں تھا۔ جیسکن ہوش میں آنے کے باوجود بھی نہ بتا سکتا کہ اس کے بازو میں گولی کیسے گئی تھی۔ یا کس

بکھے کیا مزہ آتا ہے... عوام پولیس کو کامد ہے پر اٹھائے پھریں گے۔ آپ خود سوچئے۔
آپ پولیس سر جن کی بجائے ڈری بس جن کہلائیں گے... ہائے ہائے...!

سر جن نہ رہا تھا عمران کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "یقین بکھے اگر آپ سے ملاقات نہ
ہوتی تو میں اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کی کم ضرور محسوس کرتا۔!"

"کرتے نا...؟ اب ڈان فاگان کو میرے حوالے کر دیجئے... سب دیکھ لوں گا۔"

"کیس میں ملوٹ ہے... اس لئے شاکنہ صانت کے بغیر ایسا نہ ہو سکے۔"

"خیر اس کا بھی انظام ہو جائے گا۔"

رینارو د بکھے سکتی تھی۔ اس لئے وہ بھی اس دوران میں بہتی ہی رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئے۔

"آپ کا قیام کہاں ہے؟" رینا نے ہپتال سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں اسپتال بیکنگ کے اور میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔" عمران گلوگیر آواز میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"یہاں پہنچتے ہی کام شروع کر دیا تھا۔ قیام کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ رہئے...!"

"یعنی ذینی اور اس کے ریچپوں کے ساتھ... خدا پناہ میں رکھے۔"

"مسڑ لوں آپ کی اتنی تعریفیں کرتے ہیں؟"

عمران کچھ نہ بولا۔ جیپ کی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اس نے رینا سے بیٹھنے کو کہا تھا اور خود اسی رنگ کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

جیپ حرکت میں آئی اور تاریکی کا سینہ چیرتی آگے بڑھتی رہی۔

"کیا خیال ہے اگر ہم اس وقت اس جگہ چیل جہاں ڈان فاگان اور میر اساتھی پائے گے تھے۔"

"م... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!"

"شاید تم ذرری ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ مسڑ لوں کو معلوم ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس لئے اس طرف سے بھی کوئی تشویش نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے.... بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج پولیس پارٹی

نے فائز کیا تھا...؟

"درہ آگے جا کر بالکل تاریک ہو گیا تھا۔" اس نے عمران کو بتایا۔ "ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھائی دیتا تھا۔ میں پلٹ آنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ بازو کو کوئی چیز چھید گئی۔ پھر پتا نہیں کس طرح میں وہاں تک پہنچا تھا۔"

رات کے دس بجے تھے... رینا بھی اسی کمرے میں موجود تھی۔ ظفر الملک کو خواب آور دوادی گئی تھی لیکن جیسں جاگ رہا تھا۔ بازو میں شدید تکلیف کے باوجود اس نے خواب آور دوا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

"تم دوسری عورتوں کی طرح ڈرپوک نہیں معلوم ہو تو میں۔" عمران نے رینا سے کہا۔

"میرا بھی تھی خیال ہے۔! وہ اکڑ کر مسکرائی۔"

"اس مہم پر چلوگی میرے ساتھ؟"

"اس کا انحصار مسڑ لوں پر ہے۔"

"اُسے میں دیکھ لوں گا۔"

"بلں پھر مجھے بھی انکار نہیں۔!"

"مجھے آپ سے اختلاف ہے یور مجھی۔" جیسں بولا۔ وہ عمران کو اسی طرح مخاطب کرتا تھا۔

"اس مسئلے پر پھر بات کریں گے۔" عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اتنے میں پولیس سر جن آگیا۔ اس نے عمران سے کہا۔ "اگر انہیں آرام ہی کرنے دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"ضرور... ضرور...!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

سر جن انہیں اپنے کمرے میں لا یا تھا۔ بیٹھتے ہی ڈان فاگان کا ذکر چھڑ گیا۔

"پولیس کا مطلب ہے ہوتا...،" عمران سر ہلاکر بولا۔ "غیر ملکی بھی کچھ دن یہاں رہ کر ہماری

پولیس کے طریق کار سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس بچارے نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ

یادداشت کھو بیٹھ۔ کیوں نہ پولیس کا نام بدل دیا جائے۔ جیسے وکتوریہ روڈ کا نام بدل کر شارما

نور جہاں کر دیا گیا ہے... پولیس کا نام "دل رہا" رکھ دیا جائے... یونی فارم بدل دیا جائے...،

چوڑی دار پاچھام۔ اچکن اور اردو پلی ٹوپی....، جتنا بڑا افسر ہوا تھا زور دار سرمه لگائے... پھر

اہم ہو۔!

”کیا بات ہوئی....؟“

”مجھے یقین ہے کہ تمہاری مدد کے بغیر یہ مہم سرنبیں ہو سکے گی۔“

”یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”آجائے گی... آجائے گی...! ابھی سے فکر میں کیوں پر گئیں!“



دوسرے دن ظفرالملک نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ جسمن کے بازو کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور اسے بے حد افسوس تھا اس طرح لیٹ جانے پر۔

اس دربے کے سامنے مسلسل پولیس نے پڑاؤ ڈال دیا تھا جس میں جسمن زخمی ہوا تھا لیکن اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش دوبارہ نہیں کی گئی تھی۔

اُدھر عمران نے اپنی مہم کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جس میں کم از کم تین آدمی رہ سکیں۔ گاڑی پر بار کر دیا گیا تھا۔ خورد فوش کا سامان بھی ساتھ تھا۔

ڈینی خاموشی سے سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔ آخر عمران کا بازو پکڑ کر دوسروں نے الگ لے گیا۔

”کیا بات ہے؟“ عمران نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”کیا تم دو آدمی اس لڑکی کی حفاظت کر سکو گے؟“

”اُرے لڑکی کی حفاظت کے لئے ایک ہی کافی ہوتا ہے تم اس کی فکر نہ کرو۔“

”پھر بھی میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس مہم میں لڑکی کیوں ضروری ہے۔“

”کاش وہ لوگ تمہیں بھی اٹھا لے گئے ہوتے۔“ عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ماستر عمران! اب میں بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ بات جلدی سمجھ میں نہیں آتی۔“

”اچھا تو سنو.... وہ بذر صرف عورت کی یو پر آتا ہے۔ اور وہی ان وحشیوں کا لیدر ہے۔

جدھر لے جاتا ہے۔ جاتے ہیں۔“

”اُرے تو تم اس بے چاری کو چارہ بناو گے۔“

بھی اُدھر ہی جانے والی ہے تو ہر گز نہ جاتا۔“

”وہ عقاب میرے ذہن میں بری طرح ٹکڑا رہا ہے۔ اس گولی سے بھی زیادہ جو مسٹر جیمسن کے بازو میں لگی تھی۔“

”ذہن بھی ہو.... کسی نے بھی اس کے بعد سے عقاب کا ذکر نہیں کیا۔“

”ہاں میں زیادہ تر اسی کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔“

گاڑی اب تکنیز کی چڑھائی کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ان اطراف میں سورج غروب ہو جانے کے بعد ٹریک کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔

عمران نے ٹھیک اسی جگہ گاڑی روکی جہاں ظفرالملک پڑا ملا تھا۔ گاڑی سڑک سے ہٹا کر کمزوری کی گئی تھی۔ ہیڈ لاٹھ میں بند کر دیئے کے بعد پھر چاروں طرف اندر ہر ای اندھیرا تھا۔

”اتر آؤ.... فکر نہ کرو.... تم مجھے بھی اپنی ہی طرح لڑکی پاؤ گی۔“

”اب آپ مجھے یہ تو فہمے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ ریناہس پڑی۔

عمران نارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب اونچی اونچی اور ناقابلی عبور چانیں تھیں۔

”یہاں آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”وہ راستہ جدھر سے وہ میرے ساتھی کو سڑک پر ڈال گئے تھے۔“

رینا نے ابتدا میں بڑی تیزی دکھائی تھی لیکن اب رہ رہ کر چاروں طرف چھیلے ہو۔ اندر ہرے میں آنکھیں پھاڑنے لگی تھی۔ عمران نارچ کی روشنی میں بائیں جانب والی چنانوں جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر رینا کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں آبیٹھا۔ اور گاڑی سردار گڑھ طرف موڑ دی گئی۔

”کیا آپ نے وہ راستہ تلاش کر لیا۔“ رینا نے پوچھا۔

”وہ میں دیکھیں گے۔“

”کمال کر دیا۔... آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے بازار میں کچھ خریدنے گئے تھے نہیں تو کل دیکھا جائے گا۔“

عمران نے خواہ مخواہ فقہہ لگایا اور بولا۔ ”اس وقت میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم“

میں دہانہ تک چھپ کر رہا گیا تھا۔
”آپ بھی ڈاڑھی لگائیں گے۔“ عمران نے ظفر کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“

”جناب عالیٰ میں نہیں چاہتا کہ آپ پھر اٹھا لئے جائیں۔“ عمران رینا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ تو بندروں کو بھی سردار ہی معلوم ہوں گی۔“

رینا خس پڑی۔.... ظفر جھینپ گیا تھا۔ عمران چند لمحے کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر ظفر سے بولا۔ ”تم اپنی پسند سے میک اپ کر سکتے ہو! میں اس طرف اور جا کر کسی ایسی جگہ کا انتساب کرتا ہوں جہاں خیمہ نصب کیا جاسکے۔“

وہ بائیں جانب والی بڑھائی کی طرف بڑھا تھا اور ظفر اپنے میک اپ کی تیاری کرنے لگا تھا۔

”کیا آپ لوگ سرکاری سراغ رسائیں۔؟“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔

”اُرے نہیں.... یہ ہماری بابی ہے۔“

”لیکن ایسی پی تو عمران صاحب سے بہت زیادہ مرعوب معلوم ہوتا ہے۔؟“

”وہ ان کے پرانے دستوں میں سے ہے۔؟“

”چکھ سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”میا کچھ میں نہیں آتا۔“

”مسڑوں ان سے اپنے قریبی تعلقات کا ذکر کرتے نہیں جھکتے۔ لیکن قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ بھی انہیں اچھی طرح نہیں جانتے۔“

”میرا خیال ہے کہ ان کے والدین بھی شاید انہیں اچھی طرح نہ جانتے ہوں۔“

”معاف کرنا کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن بات ہی ایسی ہے۔“

”نہیں کہو.... ہم لوگ تکلفات کے عادی نہیں۔“

”صورت سے بالکل احمد معلوم ہوتے ہیں۔!“

”اول درجے کے احمد ہیں۔ نہ ہوتے تو اس بوڑھے کھوٹ کے لئے جھک مارتے پھرتے۔“

سر آجائتا اگر کسی خوب صورت لڑکی کے لئے دھکے کھاتے پھر رہے ہوتے۔ لیکن کرو اگر تم ساتھ نہ ہو تیں تو میں ہپتال ہی میں پڑا رہتا۔“

”اچھا تو کوئی ایسی تلاش کر دو جو بے چاری نہ ہو۔ وہ اپنی خوشی سے جا رہی ہے میں نے مجبور تو نہیں کیا۔“

”اچھی بات ہے۔“

”تم چنانچا ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ مہانت کی شرط کے مطابق تم کیس کے اختتام تک سردار گڑھ سے ہو گے بھی نہیں۔!“

”میرا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں تم پر اعتماد نہیں کرتا۔“ ڈینی نے ناخوش گوار بیجے میں کہا۔

”بس تم بیٹھو آرام سے!“ عمران اس کاشانہ تھپک کر بولا۔

پھر ظفر الملک اور رینا سمیت وہ تنکیز کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ بار برداری کی یہ گاڑی سردار گڑھ کے ایسیں پی نے مہیا کی تھی۔

تینوں الگی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

”ذان فاگان کا کیا ہوا۔....؟“ ظفر نے عمران سے پوچھا۔

”وہ پولیس پارٹی کے ساتھ ہے۔“

”اسکیم کیا ہے؟“

”اچھی خود ہی دیکھ لو گے۔“

اچانک ایک جگہ اس نے گاڑی سڑک کے نیچے اتاری اور اسے ڈھلان میں لیتا چلا گیا۔

گاڑی روک کر نیچے اترنا تھا اور ان سے بھی اترنے کو کہتا ہو اور رینا سے بولا۔ ”اب میں تمہیر مرد بناوں گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”صرف ڈاڑھی لگانی پڑے گی۔!“

”کیوں مذاق اڑا رہے ہیں میرزا۔“

”یقین کرو.... تم ابھی دیکھو گی.... ہم تین خشکاری ہیں۔ بڑے بالوں والی لوڑیوں کے پیشہ ور خشکاری۔“

پھر رینا تمہیرہ گئی تھی کیونکہ عمران نے اس کی لا علی میں بالکل اسی کی ناپ کا مردانہ لباس تک فراہم کر لیا تھا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر بے تباشہ ہنس پڑی۔ گجان ڈاڑھی اور موچھوں

”ڈاڑھی میں نیکی لگتی ہوں۔“
 ”ڈاڑھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا... میرے گھروالے قدامت پسند ہیں۔ اس لئے لڑکیاں
 میرے ساتھ ڈاڑھی ہی میں رہتی ہیں۔ اس کا عادی ہوں۔“

”آہا تو وہ لڑکی ہی ہے جو تمہارے لئے درے میں گھس گئی تھی۔“
 ”وہ تو لڑکیوں کا درخت ہے!“

”تم سب بہت زندہ دل ہو... کیا جچ نواب زادے ہو...؟“

”میرے بارے میں میرا یکریٹری ہی تمہیں کچھ بتا سکے گا... میں زیادہ تر لامی کی زندگی
 بر کرنے کا عادی ہوں۔“

”تمہارا یکریٹری عمران صاحب کو یور مجٹی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔“

”انہیں تو میں بھی بادشاہ ہی سمجھتا ہوں... اب دیکھو! تم جیسی خوب صورت لڑکی کو حوش
 بناؤ کر چلے گے۔“

ایک گھنٹے بعد خیمہ بھی نصب کر دیا گیا۔ تین نگر ہے تھے۔ سورج مغرب میں چھٹنے لگا تھا۔
 عمران ایک بار پھر انہیں وہیں چھوڑ کر مشرق کی سمت چل پڑا۔ وہ دراصل اس چٹان تک
 پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے عین سامنے ظفر اور ڈان فاگان سڑک کے کنارے پڑے پائے
 گئے تھے۔



پولیس پارٹی نے اس درے کے سامنے ڈیڑاں رکھا تھا۔ اس پارٹی کی سربراہی وہی انپکٹر
 کر رہا تھا جو پچھلے دن اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔

ڈان فاگان ان کے ساتھ تھا اور وہ کئی بار انپکٹر سے کہہ چکا تھا کہ کسی لڑکی کے بغیر یہ مہم
 کامیاب نہیں ہو سکتی!

”لڑکیاں درخت میں تو پہلتی نہیں کہ ایک آدھ توڑ لائی جاتی۔“ انپکٹر آخر کار جھلا کر بولا۔
 ”وہ سر کس والی لڑکی... میرا خیال ہے کہ وہ پھر تیار ہو جاتی... بے حد چالاک ہے
 دوسرا بار بھی اس نے اپنی جان بچالی تھی۔“

”دوسری بار سے تمہاری کیا مراد!“ انپکٹر نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔
 اس پر ڈان فاگان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ”میں اپنی یادداشت نہ کھو بیٹھا ہوتا تو بتاتا کہ تیری
 لڑکی اپنی چالاکی کی وجہ سے بیٹھی تھی۔“
 ”تو کیا وہ بھی اس دن ساتھ تھی۔؟“
 ”یعنیا تھی۔“
 ”تم نے اپنے تحریری بیان میں اس کا ذکر کیا کیونکہ کیوں نہیں کیا؟“
 ”خوب صورت لڑکیوں پر بمحض رحم آتا ہے۔ پتا نہیں کیوں؟ ڈینی نے اپنے بیان میں اس کا
 ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔“
 ”خیر... خیر.... دیکھوں گا...!“
 ”تم میرا بیان تبدیل نہیں کر سکو گے انپکٹر!“
 انپکٹر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ درے سے دو آدمی برآمد ہوئے یہ دونوں پیشہ ور شکاری تھے اور
 سردار گڑھ کے پھی پھی سے واقف تھے۔ پولیس پارٹی انہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔
 ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ ”معمولی سادہ ہے جتاب... طوالات بمشکل تمام دو
 ڈھائی سو گز ہو گی... دوسرا طرف بھی دور دور تک سناتا ہے۔ درے سے نکلنے تو تھوڑے ہی
 فاصلے پر شفاف اور میٹھے پانی کا چشمہ نظر آئے گا۔ درہ ناقابل عبور نہیں ہے۔ البتہ تاریک ضرور
 ہے کیونکہ غالباً پچاس گز کے بعد اس نے غار کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔“
 ”دیکھنا چاہئے...!“ انپکٹر بولا۔

پھر وہ سب ایک قطار بنا کر درے میں داخل ہوئے شکاری آگے تھے۔ شاید پچاس ساٹھ گز
 چلنے کے بعد تاریچ روشن کرنی پڑی تھی۔ شکاری انہیں راستہ دکھاتے چل رہے تھے۔
 پھر وہ کھلے میں نکل آئے سامنے ہی ایک چٹان سے پانی کی دھار نکل کر نیچے آئی تھی اور اس
 جگہ تالاب سا بن گیا تھا۔ پھر تالاب کا پانی کئی چٹانوں کے بخنوں سے ہوتا ہوا نامعلوم اطراف
 میں نکل گیا تھا۔

”بڑی پر فضا جگہ ہے!“ ڈان فاگان بڑا لیا۔
 ٹھیک اسی وقت ایک چیخ سنائی دی اور آواز کی سمت ان کی نظریں اٹھ گئیں۔ چیختے والی چٹان

”اوہ نہ.....“ ریتے لارپوائی سے شانوں کو جنم دی۔
 ”واقعی بہت دلیر معلوم ہوتی ہو۔!“
 ”تمی نہیں..... ہو گئی ہوں تمہارا دوست عجیب ہے۔!
 ”میرے دوست نے کیا کیا ہے؟“
 ”یہی تو میری بھی میں بھی نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سے ملنے سے پہلے میں اتنی دلیر نہیں تھی۔“
 ”تم لاڑکوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔!
 ”یہ جملہ بھی بہت روایتی ہے دنیا کی کسی زبان کا لٹریچر اخفاو۔ یہ خیال ضرور ملے گا۔ حالانکہ ہم بچاریاں خود اپنی ذات میں کوئی چیزیگی نہیں پاتیں۔ اس کے برخلاف مرد... خدا کی پناہ۔“
 ”اول درجے کا گور کھ دھندا ہوتا ہے۔“ پشت سے آواز آئی اور رینا چھل کر کھڑی ہو گئی۔ عمران قریب ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔
 ”واڑھی لگا کر عورتوں کی طرف داری کرتے شرم نہیں آتی۔“ اس نے کہا۔
 ”آپ کا یہ نواب زادہ دوست بھی عورت کی چیزیگی کا قابل ہے۔“ رینا فس کر بولی۔
 ”کیا رہا؟“ ظفر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
 ”اس راستے کا سراغ مل گیا ہے جس سے گزر کر انہوں نے تمہیں سڑک تک پہنچایا ہو گا۔ لیکن وہ خود کہاں سے آتے ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا۔“
 ”خیر... کافی پیچھے... یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔“ رینا نے اشودو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
 ”عورت واقعی نعمت ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”چاہے ڈاڑھی دار ہی کیوں نہ ہو۔!“
 ”اب میرا مذاق اڑائیں گے آپ لوگ۔“
 ”ہر گز نہیں.... دل بڑھا رہے ہیں۔“
 ”اب رات کو کیا ہو کے گا....؟“ ظفر نے سوال کیا۔
 ”یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔“
 کافی پی کر عمران نے گیس ماسک اور آسیجن کی تھیلیاں نکالیں اور رینا کو ان کے استعمال کا طریقہ سمجھانے لگا۔

کے اوپر ایک آدمی دکھائی دیا جس پر ایک عقاب رہ رک جھٹ رہا تھا۔ باکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عقاب اسے چنان کے سرے کی طرف دھکیل رہا۔ اچانک وہ چیخ چنان سے پھسل کر نیچے پانی میں آ رہا۔ عقاب نے اوپر سے چھٹامارا۔ اب وہ آدمی غوطے لگا کر خود کو عقاب کے حملوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شکاریوں میں سے ایک نے اپنی رانفل چھتیائی اور اس آدمی کے پانی پر ابھرنے سے پہلے ہی عقاب پر فائز کر دیا۔ عقاوہ پکڑا تاہو اچھتے والی چنان پر جا گرا لیکن وہ آدمی پانی کی سطح پر پھرنا آئہ۔ ”گک.... کیا وہ ڈوب گیا،“ ڈان فاگان ہکلایا۔ ”معلوم تو یہی ہوتا ہے۔!“ سب انپکٹر نے پر تشویش لجھے میں کہا۔ کبھی وہ تالاب کی سطح پر نظر جادیتے تھے اور کبھی چھٹے والی چنان کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔ ”کل بھی شاید یہی ہو اتھا۔“ انپکٹر بڑو بولی۔ ”کسی نے عقاب کو گولی مارنے کی کوشش کی تھی جو ڈاڑھی والے کے لگ گئی تھی۔!“ ”تو پھر چلیں اس چنان پر؟“ ایک شکاری نے پوچھا۔ ”اب چنان پر کیا رکھا ہے۔ عقاب کے اندوں کے علاوہ نر تو کل ہی مار دیا گیا تھا۔ مادہ آج ختم ہو گئی۔“ انپکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لاش کس طرح نکالی جائے پتا نہیں کتنی گہرائی ہے۔“ ”گہرائی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ شکاری بولا۔ ”بہتر یہی ہو گا کہ اسی جگہ نہ پھر کر انتظار کریں۔ لاش اور ضرور آئے گی۔!“

◎

ظفر الملک نے گھڑی دیکھی پانچ بننے والے تھے۔ عمران کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ رینا نے آئیں اشودو پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا تھا۔ اور خیسے کے در کے قریب بیٹھی غروب ہوتے ہوئے سورج کا نظارہ کر رہی تھی۔ ”یہ ایڈوچر بھی زندگی بھریا رہے گا۔“ اس نے ظفر کو مخاطب کیا۔ ”اگر زندگی بیس نہ ختم ہو گئی تو۔“

”تو کیارات کو؟“ ظفر پھر بول پڑا۔

”لو مریوں کا شکار رات ہی کو ہوتا ہے۔“ عمران اسے گھور کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ظفر الملک کو خیطے کے باہر لا کر بولا۔ ”یہ میرا قطعی اور نجی معاملہ ہے اس لئے تم دونوں کو ساتھ لایا ہوں ورنہ تم سے زیادہ تجربے کا لوگ بھی موجود تھے۔“

”آپ مجھے غلط نہ سمجھئے! میں صرف اسکم معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ون اور رات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہنے تو اندھے کو نہیں میں چھلانگ لگادوں۔“

”میں نے کہا شاندہ مجھے یوں قوف سمجھ کر حرم کھا رہے ہو۔“

ظفر الملک نے کسی روشنے ہوئے بچے کی طرح منہ چھالا لیا تھا۔

”اے... اب ٹھیک لگ رہے ہو پا نہیں آج کل کیا کر رہے ہو کہ لمور ترا چہہ نکل آ ہے... اب میں تم پر اپنامیک اپ بھی نہیں کر سکتا۔“

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دبلا کیوں ہوں۔“

”ریگی ٹمبلا... تمہارے اس ریچے نے سارے شہر کو دیوانہ بنایا کر رکھ دیا ہے۔ جس کلب ہوٹل میں قدم رکھو ریگی ٹمبلا ہو رہا ہے۔ ایسا وہیات رقص ہے کہ مہینے بھر میں ہاتھی کو ہر بن بنا رکھ دے۔“

پھر وہ ریگی ٹمبلا سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے خیطے میں داخل ہوئے تھے۔

”براشنڈار رقص ہے۔“ رینا بول پڑی۔

”اسی کے قبیلے کی معلوم ہوتی ہو۔“ عمران نے غصیل لمحے میں کہا اور دور میں اٹھا کر پھر نیما سے نکل گیا۔

”کس کے قبیلے کی معلوم ہوتی ہوں؟“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔

”میرے سیکرٹری جیسن کے قبیلے کی کیونکہ ریگی ٹمبلا جو عمران صاحب کو سخت ناپسند ہے جیسن ہی کی ایجاد ہے۔“

”نہیں...!“ رینا کے لمحے میں حرث تھی۔ ”لیکن میں نے تو اس کے بارے میں پڑھا۔“

”گو گو بیس کے لیکنیز کا رقص ہے۔“

”وہ ایسی ہی ہوا نیاں چھوڑتا رہتا ہے اور اتنے باو قار انداز میں چھوڑتا ہے کہ بعض صحافی ادا

”پڑھائیں تک لکھ دیتے ہیں۔“

”تم سب ہی عجیب ہو۔!“

رات کے کھانے کے بعد شکار کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ رینا کے لئے عمران نے اعشار یہ دو ہو کی را اقلیم ہمیا کی تھی۔ جس کا استعمال وہ پہلے ہی سے جانتی تھی۔ گیس ماںک اور آسکین ہمیلیوں سے لیں ہو کر وہ باہر نکلے۔

آج مطلع ابر آکوں نہیں تھا چاروں طرف شفاف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

”دیکھو! جیسے ہی میں ریڈی کھوں تم دونوں کیس ماسک پڑھایں۔“ عمران نے ان دونوں سے کہا۔

”مزہ آگیا... بچپن میں ریڈی کھلایا کرتے تھے۔“ رینا بس پڑی۔

”اور تمہارے لئے خصوصیت سے ہدایت ہے کہ اب تم ختنی سے اپنے ہونٹ بند رکھنا۔!“ عمران نے رینا سے کہا۔ ”ڈاڑھی لگا کر ایسے نریلے قبیلے لگاؤ گی تو پہلے ہی مرحلے میں میری مغفرت ہو جائے گی۔“

”ہاں... یہ بات تو ہے۔!“ رینا بولی۔

کچھ دور چلنے کے بعد عمران ایک تین فٹ گھرے خٹک نالے میں آت گیا۔ ظفر الملک نے رینا کو سہارا دے کر اتارا۔

تالا بدر تریکھ ڈھلوان ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ان کے قدموں کی چاپ سنائیں میں گوئی خرہی تھی۔

آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد عمران ایک جگہ رُک گیا اور مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جو ہر سے دہلوگ تمہیں سڑک پر پھیک گئے تھے۔“

اس کی تاریخ روشن ہوئی تھی اور روشنی کا درازہ داہمی جانب رینگ گیا تھا یہ کس ناز کا دہانہ تھا۔ عمران نے فوراً تاریخ بھاگ دی۔ انہوں نے بھی کسی قسم کی آواز سنی تھی۔

”بیٹھ جاؤ! عمران آہستہ سے بولا اور وہ اسی نالے میں بیٹھ گئے۔ غار کا دہانہ اب انہیں نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

و�틈اً تھوڑے ہی فاصلے سے کسی نے چیز کہا۔ ”کون ہے؟ سامنے آؤ ورنہ زندہ نہیں بچو گے۔“

پر سوار ایک ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا اور دوسرے سے کنپیوں پر زور آزمائی کر رہا تھا۔
چوتھا آدمی جلد ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران اسے چھوڑ کر ان تینوں کی طرف چھپنا جو ظفر الملک پر پلے پڑ رہے تھے۔
”اوہو.... تو آپ لوگ ہیں۔“ عمران نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ
اس سے لپٹ پڑا۔

یہ تینوں سیاہ فام جگلی ثابت ہوئے ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔
بڑی دشواری سے ان تینوں پر قابو پایا جاسکا۔ ظفر کو تو انہوں نے چھوڑ کر کھدیا تھا۔ عمران
نے ان کی ایسی ہی جگہوں پر ضربات لگائی تھیں کہ فوزی طور پر بے ہوش ہو جائیں۔
”رینا کہاں ہے؟“ عمران نے ظفر کا شانہ ہلا کر پوچھا۔ جو دونوں ہاتھوں سے سر تھاے بیٹھا
ہوا تھا۔

”جہاں تھی۔!“ ظفر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

وہ بچ پنج تالے ہی میں اوندھی پڑی نظر آئی۔ عمران نے اسے اٹھایا اور گیس ماسک اس کے
چہرے سے ہٹا کر کہا۔ ”اپنے تھیلے سے ڈور کی پچھی نکالو۔“
”مگر.... کیا ہوا....؟“

”پرواہ نہ کرو.... ڈور نکالو.... اور پھر اسی طرح آرام سے لیٹ جاؤ۔ لیکن سونہ جانا۔!“
رسم کی ڈوری کا لچھا اس سے لے کر وہ پھر اسی طرف پلٹ آیا۔ ظفر کی مدد سے چاروں کے
ہاتھ بیرون باندھے۔ رینا بھی قریب آکھڑی ہوئی تھی لیکن بالکل خاموش تھی۔
”اب تم دونوں یہیں ٹھہر دو۔“ عمران نے کہا اور اس غار کی طرف بڑھ گیا جو انہیں پہلے دکھا
چکا تھا۔

”بب.... بندر.... کہاں ہے؟“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔
”ادھر کہیں پڑا ہو گا۔“ ظفر نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”م..... مر گیا....!“

”میں نہیں جانتا....!“

رینا خود ہی اس طرف بڑھ گئی تھی۔

”تم کون ہو پوچھنے والے؟“ عمران نے اس سے بھی زیادہ بھاری بھرم آواز میں سوال کیا تھا۔
”ریخیر....!“

”میں شکاری ہوں.... پر مٹھے ہے میرے پاس۔“
ٹھیک اسی وقت ایک آواز آئی اور یہ کسی بندر ہی کے بچپانے کی آواز تھی۔
”ریڈی....!“ عمران نے آہستہ سے کھا اور دوسرے ہی لمحے میں گیس ماسک ان کے چہروں
پر لگ گئے۔

اب وہ کئی قدموں کی آہیں سن رہے تھے پھر ایک ہلاکا سادھاک ان سے تھوڑے ہی فاصلے
پر ہوا۔ اس کے بعد بندر کی آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ دھماکے کے بعد سنانا چھا گیا تھا۔
تینوں جہاں تھے دو ہیں بیٹھ رہے۔ گہرا دھواں ان کے سرروں سے گزر رہا تھا۔
”لیٹ جاؤ.... تم دونوں لیٹ جاؤ....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

دو تین منٹ گزر جانے کے بعد انہوں نے پھر قدموں کی آہستہ سی اور کوئی گول مٹول سی
چیز اچھل کرنالے میں آپڑی۔

”مُرچ....“ سائلنسر لگے ہوئے روپا لور سے عمران نے اس پر فائر کیا۔ وہ چیز ایک بار پھر
اچھلی اور تالے کے باہر جا گئی اور اب وہ دم توڑتا ہوا بندر نبڑی طرح شور چمارہ کر رہا تھا۔

اس کے بعد عمران نے گوچیلی آواز میں کہا تھا۔ ”تم چاروں اپنے ہاتھ اور پر اٹھاو۔ پوری طرح
میری نظر وہیں میں ہو۔ ذرا ہلے اور مارے گئے۔“

پھر اس نے ظفر سے اٹھ جانے کو کہا۔
ظفر نے بھی رائقل سیدھی کر لی تھی لیکن اس نے دیکھا کہ ان چاروں میں سے صرف ایک
نے ہاتھ اور پر اٹھائے تھے۔

”تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔“ ظفر رائقل کو جنبش دے کر بولا۔
لیکن ان تینوں نے توجہ تک نہ دی۔ عمران بھی ظفر کے قریب ہی کھڑا تھا۔
اچانک وہ تینوں جنہوں نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے ان پر ٹوٹ پڑے عمران اچھل کر
ایک طرف ہٹ گیا۔ چوتھا آدمی ہاتھ گر کر دوسری طرف بھاگا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ
لگائی۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا تھا لیکن دونوں دوسرے ہی لمحے میں زمین پر نظر آیا۔ عمران اس کے سینے

”دن... نہیں۔!“
 ”تم سمجھے تھے پھر کوئی عورت ہاتھ لگنے والی ہے۔!
 ”تم غلط نہیں کہہ رہے۔!“ اس نے پر سکون لجھے میں کہا
 ”افسوں! کہ وہ بندر میرے ہاتھوں مارا گیا۔!
 ”یقیناً افسوس کی بات ہے! کیونکہ دوسرا مہینہ کیا جائے گا۔“
 ”اب بتاؤ... چکر کیا ہے۔?
 ”عورتوں کا حصول....!
 ”کیوں؟“
 ”ضرورت....!
 ”کھل کر بات کرو.... ورنہ کھال اتنا روں گا۔“ عمران کا لہجہ بدلتا گیا۔
 ”بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ مردوں کے لئے عورتیں ضروری ہیں۔!
 ”اڑے تو نکاح خواں کہاں مر گئے ہیں کہ تم بندروں سے کام چلا رہے ہو۔!
 ”سب اپنی اپنی جگہ بندر ہی ہیں۔!
 ”دیکھو پیارے.... میں ڈاروں کا طالب علم نہیں ہوں۔!
 ”سچی بات کہہ رہا ہوں.... فلسفہ نہیں پڑھا رہا۔“
 ”اب تک کتنی عورتیں اٹھا چکے ہو....?
 ”انھارہ....!
 ”وہ سب کہاں ہیں۔?
 ”جہاں ان کی ضرورت ہے۔!
 ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے باہمیں پہلو پر ٹھوکر رسید کی۔ اس نے سر گھما کر اس کی طرف
 لکھا تھا اور پھر اس طرح عمران کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔
 ”اگر تم نے ان عورتوں کی نیشان دہی بکی تو....!
 ”میں نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہیں۔“ قیدی جلدی سے بول پڑا۔ ”جانتا بھی تو تم مجھ سے
 مانکے بازے میں کچھ نہ معلوم کر سکتے۔“

کچھ دیر بعد واپس آگر بولی۔ ”وہی ہے لیکن میں نے تو فارک کی آواز نہیں سنی تھی۔!
 ”پچھلے سال عمران صاحب نے ایک آدمی کو آنکھ ماری تھی اور وہ ہسپتال پہنچتے پہنچتے مر گیا تھا۔!
 عمران نے واپسی میں دیر نہیں لگائی تھی۔
 ”اب تم اٹھو....!“ اس نے ظفر سے کہا۔ ”ان چاروں کو اٹھا کر اسی غار میں پہنچانا ہے۔!
 عمران ہی کی ہدایت پر یہاں نے نارچ سنجھا۔ غاز تاریک تھا لیکن وہاں کچھ ایسا سامان نظر آ جس کی بناء پر کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی کسی کا مسکن رہ چکا ہے۔!
 وہ چاروں غار میں پہنچا دیے گئے۔ انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔
 وہاں پائے جانے والے سامان میں کچھ موم تیاں بھی تھیں جنہیں روشن کرو دیا گیا۔
 ”یہ اپنے بندر سیست اس وقت تینیں مقیم تھے۔“ عمران نے ان چاروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”کیا آپ کو پہلے سے علم تھا....؟“ ظفر نے پوچھا۔
 ”ہرگز نہیں.... دن میں جب میں نے یہ غار دریافت کیا تھا اس وقت یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اذھر آؤ.... یہ دیکھو.... یہ رہے گیس کے دستی بم جوان کے شکاروں کی بے ہوشی کا بہر بنتے رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس گیس ماسک نہ ہوتے تو....!
 عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا کیونکہ اس آدمی نے جنس کی تھی جو سیاہ فام جگیگو کی طرح نیم بڑھنے نہیں تھا۔ خاکی قمیش اور خاکی پتلون میں ملبوس تھا۔
 دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری طرح ہوش میں آگیا لیکن ہاتھ پیر بندھے ہونے کی وجہ سے انھوں سکا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔
 ”شکاریوں سے چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ دیکھا تم نے؟“ عمران نے چڑھانے کے سے انداز میں ا مخاطب کیا۔

”ست.... تم کون....؟“
 ”اے بھوت جن سے عورتوں کی سی بو آتی ہے۔!
 ”لک.... کیا مطلب؟“
 ”اس نامعقول بندر نے اس وقت تم لوگوں کے آرام میں غلبل ڈالا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں

”کس کے لئے کام کر رہے ہو؟“
”آدمیت کے مستقبل کے لئے!“
 عمران اس تہذیبی انداز میں مسکرا کر سایہ فام جنگلیوں کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”ان سے بھی کوئی توقع نہ رکھو کیونکہ وہ گونگے اور ہیرے ہیں۔“ قیدی بولا۔
 ”تو پھر میرا کام کس طرح چلے گا۔“
 ”مردہ بندر سمیت ہم چاروں کو پولیس کے حوالے کر دو۔“
 ”اس سے کیا ہو گا؟“
 ”ہمیں ہمارے جرم کی سزا مل جائے گی۔“

”مجھے صرف عورتوں کی واپسی سے دل چھوٹی ہے! خصوصیت سے وہ دو سفید فام عورت تک
 اپنی حال ہی میں تسلیم کی چڑھائی سے غائب ہوئی تھیں۔“
 ”اچھا... وہ ناچنے گانے والیاں جو جیوانوں میں اپنا مستقبل تباہ کر رہی تھیں۔“
 ”وہ آدمیوں میں رہتی تھیں۔ ریچبوں کے کٹھرے میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔“
 ”ریچبوں بہتر ہیں تم جیسے آدمیوں سے۔“
 ”ظفر...!“ دفعٹا عمران مژ کر بولا۔ ”تم غار کے دہانے پر ٹھہر و... یہ ہمیں باقی
 الہانے کی کوشش کر رہا ہے۔“
 قیدی نے قہقهہ لگایا۔ ٹھیک اسی وقت ایک دھماکہ ہوا۔ اور ان تینوں کو اپنے گیس میں
 استعمال کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

موم تینوں کی ٹھیکانی لویں گھرے دھو میں میں دفن ہو گئیں۔
 عمران غار کے اس حصے کی طرف بھاگا تھا جس کی نکاس سر زک کی طرف تھی لیکن
 دھو نیکی کی یلیغار سے نہ پیچ سکا۔ پیر لڑکھڑائے اور اس کاڑا ہن تارکیوں کی دلدل میں ڈوبتا چلا گا
 پھر اس دلدل سے نکلنے کے بعد نہ وہ دیکھ سکتا تھا اور نہ سُن سکتا تھا۔ بہت دیر بعد یہ بات
 میں آسکی تھی کہ کسی بے حد تاریک اور ویران جگہ پر پڑا ہوا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کو بہ آ
 جبکش دے سکتا تھا۔ وہ بوکھلا کر انٹھ بیٹھا اور اپنا پورا جسم ٹوٹنے لگا ریو اور کارتوسون کی ٹیڑی
 علاوہ اور سب کچھ موجود تھا۔ جیب سے پسل نارچ نکالی روشنی کی لکیر قریب ہی پڑے؛

”دوسرا سے آدمی پر پڑی تھی۔“
 یہ ظفر الملک تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سافیں لے رہا تھا۔... روشنی
 کی لکیر تیزی سے چاروں طرف گردش کرنے لگی۔ ریانا کہیں پڑے نہیں تھا اور وہ غار بھی نہیں
 معلوم ہوتا تھا جس میں وہ اپنے قیدیوں سمیت داخل ہوا تھا۔
 پھر وہ ظفر کی طرف پلٹ آیا اور ہوش میں لانے کی تیزیں کرنے لگا۔ اس کا ریو اور بھی
 کارتوسون کی بھیں سمیت غائب تھا۔ انقلیں بھی ندارد.... چہرے پر مصنوعی ڈاکھی بھی باقی
 نہیں رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ظفر کو ہوش آگیا۔
 ”گہر انامت...!“ عمران جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔ ”یہ قبر نہیں ہے۔“
 ”ہم لک... کہاں ہیں؟“
 ”جہاں بھی ہیں مزے میں ہیں.... پرواہ نہ کرو...!“
 ”رینا کہاں ہے؟“
 ”وہ اسے ڈاکھی سمیت لے گئے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک بندر کے لئے پوری عورت ضائع
 دردیں افسوس مندی نہیں ہے۔“
 ”ان حالات میں بھی آپ اپنے فلسفے سے باز نہیں آتے۔“ ظفر کر لے۔
 ”ان حالات کے باوجود بھی مجھے تمہاری فکر کھانے جا رہی ہے۔“
 ”میں نہیں سمجھتا۔“
 ”آخر اتنی تیزی سے دبلے کیوں ہو رہے ہو۔?“
 ”عمران صاحب... خدارا... آخر ہم ہیں کہاں۔?“
 ”کس غار میں! لیکن اس میں نہیں جیسا اس محسن انسانیت بندر پر مکالمے ہوئے تھے۔“
 ”کیا آپ کے پاس نارچ ہے؟“
 ”ہے.... اور تمہاری نارچ تمہاری جیب میں موجود ہے۔“
 ”چلے... غار کا دہانہ جلاش کریں۔“
 ”ذرا تم کھڑے ہو کر دیکھو.... چل پھر بھی سکتے ہو یا نہیں۔“
 ظفر کچھ نہ بولا۔... تھوڑی دیر بعد اس کی نارچ روشن نظر آئی تھی اور وہ عمران کے

مشورے پر عمل کر رہا تھا۔

”میں بالکل مُحیک ہوں۔“ اس نے کہا۔

”گڑ...!“ عمران بولا اور غار کے دہانے کی علاش شروع ہو گئی۔

اس میں دیر نہیں لگی تھی... دہانہ مل گیا... اور غار کے باہر بہت دور چھٹلی ہوئی چاندی کا روچ پرور نظارہ بھی جنت نگاہ بنا۔ لیکن غار سے باہر قدم نکالنے کی حرست دل ہی میں رہ گئی۔

جتنی دور تک پُل نارچ کی روشنی گئی تھی۔ غار کا دہانہ ایک سیدھی کھڑی ہوئی دیوار ہی کا حصہ معلوم ہوا تھا۔

”تم نے دیکھا؟“ عمران نارچ بجھا کر بولا۔

”بھی ہاں...!“ ظفر کی آواز کا نپ رہی تھی۔

”چلو... واپس چلو... جہاں پڑے تھے وہیں رات گزاریں۔ صحیح دیکھا جائے گا۔“

”مم... گروہ بیچاری۔“

”صرف مرد بے چارہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کو بیچاری کہنا بیچارگی کو بھی شر مندہ کرتا ہے۔“

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔“

”میا تم کسی کے دل کی ملکہ بن سکتے ہو۔!“

”عمران صاحب...!“

”تواب زادے صاحب... اپنی کھال میں رہئے... مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”میں جاگ کر گرفتاری کر دوں گا۔“

”میری گرفتاری؟“ عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”گھاس تو نہیں کھا گئے۔ اگر ہم کسی لاٹ

ہوتے تو یہاں کیوں نظر آتے۔“

”یہ بھی مُحیک ہے۔!“

”اب کوئی خطرہ نہیں چین سے سو جاؤ۔“

ظفر بڑی دیر تک پڑا جا گتا رہا تھا پھر پتا نہیں اسے کب نیند آگئی تھی۔

دوبارہ آنکھ کھلی ہبھی اندر ہیرا ہی نظر آیا۔ نارچ روشن کی... عمران کہیں نہ دکھائی دیا۔

تحوڑی دیر تک لیٹا رہا پھر انھے بیٹھا۔ نارچ ہی کی روشنی میں غار کے دہانے تک پہنچا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دھوپ بہت دور چمک رہی تھی۔ عمران غار کے دہانے کے قریب کھڑا نظر آیا۔

”هم یخچے نہیں جاسکتے۔“ عمران بولا۔ ”لیکن اگر کو شش کریں تو اور ضرور پہنچ سکتے ہیں۔“

ظفر نے آدھا ہڑھ دہانے سے باہر نکال کر اوپر دیکھا تو اس کی روخ فنا ہو گئی وہ سورج رہا تھا کہ یہ کوش بھی بہر حال یخچے ہی لے جائے گی۔ کم از کم وہ اپنے پیر ان جھگوں پر نہیں جما سکتا جن کی طرف عمران نے اشارہ کیا تھا۔

”میا خیال ہے؟“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”مرنا ہی ہے تو پھر اندیشے کیے۔ چلے...!“

ٹھیک اسی وقت انہیں اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ تیزی سے مڑے تھے۔ آنے والے رک گئے۔ آٹھ آدمی تھے۔ چار کے ہاتھوں میں نایا گئیں نظر آئیں۔

ایک نے کسی قدر آگے بڑھ کر کہا۔ ”تم لوگ شاید اوپر جانے کی سوچ رہے تھے۔“

”قدرتی بات ہے!“ عمران نے پر سکون لجھے میں کہا۔

”فوراً گولی ناردی جاتی۔ تم اپنے ملک کی سرحد پار کر چکے ہو۔ اوپر دوسرے ملک کے سرحدی محافظ موجود ہیں۔“

”آپ حضرات اپنا تعارف بھی کراؤ تھے۔“

”ہم آدمی ہیں۔“

”ماشاء اللہ... اپنے حضرت آدم سے ہمارا اسلام کئے گا۔“ عمران نے احتقاد انداز میں کہا۔

”اب تم دونوں اپنایا لباس اتار کر ہمارا لایا ہوا پہنوا!“ اس آدمی نے عمران کے جملے پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

آن کا لایا ہوا لباس عمران اور ظفر کو پہننا پڑا۔ اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے تھا شہ قبیلے لگا رہے تھے۔ لباس ایسا تھا کہ اس ان کے دہانے ناکیں اور آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں اور وہ خود سیاہ رنگ کے قریب آدم بذر معلوم ہو رہے تھے پیچھے دیں تک لٹک رہی تھیں.... سفید دھاریوں والے سیاہ بذر.... وہ ہنس ہی رہے تھے کہ پھر ایک دھماکہ ہوا اور وہ پہنچتے پہنچتے بیوہش ہو گئے۔

ہے فارغ ہو کر وہ پھر صورت حال پر غور کرنے بیٹھے گئیں۔ رینا انہیں ڈان فاگان اور اس کی یادداشت کے بارے میں بتا رہی تھی۔ دفتار خیمے کے باہر سے کسی کے کھکھار نے کی آواز آئی۔
”آجاؤ....“ نیلی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک آدمی نے خیمے کا پروہا اٹھایا اور دوسرا بڑی سی ٹڑے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ ٹڑے میز پر کھڑک کر دے اس طرح کھڑا ہو گیا تھا جیسے کسی مزید فرمائش کا منتظر ہو۔
”ٹھیک ہے جاؤ۔“ نیلی نے کہا اور وہ دونوں چلے گئے۔

”یہ حال ہے۔ ان کی زبان سے ابھی تک کوئی فقط نہیں تکلا۔“ نیلی نے اٹھتے ہوئے کہا
”اوکو... یہ ناشتہ ہے۔“

”ہو سکتا ہے.... گوئے ہوں۔“ رینا بولی۔
”اوہ نہ ہو گا کچھ.... جب تک ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ ہمیں فکر مند نہ ہوتا چاہئے۔“

ناشترے سے فارغ ہو کر وہ خیمے سے باہر نکلی تھیں۔
یہ ایک سر سبز وادی تھی جھونپڑوں اور خیموں پر مشتمل بستی دور تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔
لوگ خیموں اور جھونپڑوں کے باہر کام کاچ میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔
”آخر مقصد کیا ہے؟“ رینا کچھ دیر بعد بڑھ رہی تھی۔

”محض اس چیز نے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ورنہ یہاں ابھی تک کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔“ کئی نے پر تفکر لجھ میں کہا۔

”چھوٹو... بستی میں چلیں۔“ رینا بولی۔
”دہاں کیا دیکھنا چاہتی ہو؟“

”کچھ بھی نہیں.... بس یو نہیں۔“
”ضفول ہے۔ کوئی نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں۔“

”پھر بھی.... میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“
وہ شہرتی ہوئی بستی میں داخل ہوئیں خود ان کا خیہ بستی سے کسی تدریف اصلے پر تھا! اور تمیں، مرد، بچے سب کسی نہ کام میں مشغول نظر آئے۔ بعض خیموں میں بچے تعلیم

رینا کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک خیمے میں پالا۔ چہرے سے ڈاڑھی غائب ہو چکی تھی اور جسم پر زنانہ لباس تھا۔ بوکھلا کر اٹھ ٹیٹھی۔ خوف سے چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ باہمی جانب دو بستر اور نظر آئے جن پر کٹی اور نیلی بے خبر سورہی تھیں۔
اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ چند لمحے بے حس و حرکت ٹیٹھی رہی پھر اٹھ کر ان دونوں کو یکے بعد دیگرے جھنجھوڑنے لگی۔

وہ بھی بیدار ہو گئی اور پہنچ پہنچ آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔
”تم کہاں تھیں؟“ کچھ دیر بعد کٹی کا پتی ہوئی آواز میں بولی۔
”تم دونوں کی ملاش میں نکلے تھے ہم لوگ۔“ رینا شہذتی سانس لے کر بولی۔ ”پا نہیں میرے دونوں ساتھیوں پر کیا گزری۔“

پھر اس نے مختصر انہیں یہ بتایا تھا کہ کس طرح وہ بند را مار ڈالا گیا۔
کتنی بولی۔ ”ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے۔ ہم اس طرح کیوں لائے گئے ہیں۔“
”کیا تم دونوں قیدی ہو؟“ رینا نے پوچھا۔
”ہرگز نہیں! ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ ہم یہی نہیں جانتے کہ کہاں ہیں؟“

”تمہارے علاوہ اور کتنے لوگ ہیں یہاں؟“
”بے شمار... جھونپڑوں اور خیموں میں رہتے ہیں!“
”تمہارا جن لوگوں سے تعلق ہے.... وہ کیسے ہیں؟“
”ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے!“

”کھانے پینے کو کون دیتا ہے....؟“ رینا نے جھنجھلا کر پوچھا۔
”ایک آدمی کھانا لاتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے باہر نکلتے ہیں۔ بستی میں گھوٹے پھرتے ہیں کوئی ہماری طرف توجہ نہیں دیتا۔“
پھر انہیوں نے رینا کو بتایا تھا کہ اپنی ضروریات اس خیمے میں پوری کر سکتی ہیں۔ ٹوانیلٹ وغیرہ

اپر ویر بھی نہیں رہنے دیے تھے اور پھر بندوں رہنے میں فائدہ ہی ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ خدار سیدہ بچے ہماری طرف موگ پھلیاں بھی چھینگیں۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی نواب رادے؟!

و فتحاد و آدمی وہاں پہنچ گئے اور بچوں کو نہ ابھلا کرنے لگے۔

”تمہیں شرم نہیں آتی ہے زبانوں کو متاثر ہوئے.... چلو بھاگ جاؤ۔ بھاگو.... جلدی ورنہ سزا ملے گی۔“

سزا کا نام سنتے ہی پچھے بھاگ کھڑے ہوئے پھر انہوں نے عمران اور ظفر الملک کو چکارا شروع کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بے بی سے دیکھا اور نہ پڑے۔

”خوش ہو رہے ہیں۔“ چکارنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

”چلو.... انہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ ورنہ پچھے پھر پریشان کریں گے۔“ دوسرے بولا۔ اور عمران پھر نہیں پڑا۔ شاید زندگی میں پہلی بار دل سے ہشاتھ۔

وہ انہیں چکارتے ہوئے ایک طرف بڑھے اور عمران نے ظفر الملک کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب دونوں ان کے پیچھے جلی رہے تھے۔

”سدھائے ہوئے لگتے ہیں!۔ ایک بولا۔

”انتے شریف بندر آج تک میری نظر سے نہیں گز رہے۔“ دوسرے نے کہا۔

”لب ہم دونوں اگر بزری میں گفتگو کریں گے تاکہ بالکل ہی بندر سمجھ لیں۔“ عمران نے آہستہ سے ظفر الملک سے کہا۔

وہ دونوں بستی میں داخل ہوئے۔ سر سبز پہاڑوں کے درمیان دور تک خیسے اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

بستی سے الگ تھلک ایک خیسے کے قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ ”ممزز خواتین ذرا باہر آئیے۔“

تمن یوریشین لڑکیاں باہر نکلی تھیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں بندروں کو دیکھنے لگی تھیں۔ پھر عمران نے ان کے چہروں پر خوف زدگی کے آثار دیکھے۔

”یہ نہایت شریف اور سلیم الطبع بندر ہیں۔“ ایک نے ان سے کہا۔ ”ہم چاہتے ہیں کہ فی

اصل کر رہے تھے۔ وہ ایک دستکار کے قریب زک گنیں جو آخر دو تکیے کی لگوڑی میں شاشی کر رہا تھا۔ ل نے سراخا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

وہ آؤ ہے گھٹتے تک بستی میں گھوٹی پھری تھیں۔ پھر اپنے خیسے کی طرف واپسی کے لئے ریسیں ہی تھیں کہ رینا کو وہی سب انسپکٹر دکھائی دیا۔ جس کے ساتھ وہ ڈان فاگان سمیت تینکنیز کی بڑھائی پر گئی تھی۔

”تھ..... تم..... بھی.....!“ وہ قریب پہنچ کر ہکلایا۔

”تم کیسے آئے؟“ رینا نے پوچھا۔

”لبی کہانی ہے۔ میرے ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں۔!“

اپاک قریبی خیسے کی اوٹ سے ایک لمبا تر ٹنگا آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں چڑے کا چاپک تھا۔

”شراپ“ اس کا چاپک سب انسپکٹر کی پشت پر پڑا۔ اور وہ اچیل کر دوڑ جا کھڑا ہوا پھر کچھ کہنے والاتھا کہ وہ آدمی تلخ لجھے میں بولا۔ ”غیر عورتوں سے ہمکلام ہونا یہاں مجرم ہے۔ سمجھے۔“

وہ دم بخود کھڑے رہ گئے۔ سب انسپکٹر کے چہرے پر حیرت، غصہ اور نفرت کے ملے جلے آنار نظر آرہے تھے پھر یہ تینوں اپنے خیسے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔



وہ کسی قسم کا شور سن کر بیدار ہوئے۔ آنکھ کھلتے ہی اپنی حالت کا احساس ہوا اور کیوں نہ ہونا جبکہ بے شمار بچوں میں گھرے ہوئے تھے.... پچھے جو بنس رہے تھے تالیاں بجارتے تھے۔

”انتے بڑے بڑے بندر... بہا...!“

”یہ کیا صیبت نازل ہوئی؟“ ظفر کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

”خبر دار.... ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے.... پچھے ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔“ عمران بے حد خوش ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”میں تو اتارتا ہوں اس منحوس لباس کو۔“

”اس کے بعد یہی پچھے تم پر پھراؤ کریں گے کیونکہ ان نامعقولوں نے ہمارے جسم پر ہمارے

”ہم صرف بندر ہیں۔ کیا آپ بندروں کے انپکٹر ہیں جناب....!“ عمران نے بدلی ہی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”بکاں مت کرو۔“ انپکٹر غرایا۔ ”میک بتاؤ تم کون ہو؟ درستہ کمال اتاردوں گا۔“
”ضرور کمال اتاردو ہماری اور خواتین سے گالیاں کھاؤ۔“

”یہ کون بد تیز ہیں؟“ انپکٹر نے پھاڑ کھانے والے انداز میں رینا سے پوچھا۔
”میں نہیں جانتی.... وہ آدمی انہیں بھی ہمارے حوالے کر گئے ہیں!“
”تو کوئی بھی ہوں۔ میں انہیں میک کر دوں گا۔“

”انپکٹر صاحب! یہ آپ کا تھاںہ نہیں ہے۔“ عمران پڑھانے والے انداز میں بولا۔ ”مرغابنوں دوں گا۔“

”یہ.... یہ....!“ انپکٹر رینا کی طرف مڑ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہیں کے معلوم ہوتے ہیں۔“

رینا پچھا نہ بولی۔ اتنے میں ایک آدمی ٹھیلے پر ترکاریاں رکھے ہوئے خیسے کے قریب پہنچا اور لڑکوں سے بولا۔ ”اپنے بندروں کے لئے جو کچھ لیتا چاہیں۔ لے لیں۔“

عمران نے ٹھیلے والے سے کہا۔ ”اے بھائی! ہم دونوں بہت ہی کلپرڈ قسم کے بندر ہیں کچی ترکاریاں نہیں کھاتے۔“

”اور ہمارے پاس ابالنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔“ رینا بولی۔

”اچھا.... اچھا۔“ ٹھیلے والا سر ہلا کر بولا۔ ”ابی ہوئی آجائیں گی لیکن براہ کرم آپ ان تینوں کو اندر لے جائیے درستہ بچے پر پیشان کریں گے۔“

وہ ٹھیلادھکیتا ہوا پھر بستی کی طرف چلا گیا۔

”چلو اندر....“ رینا نے مردہ کی آواز میں ان سے کہا۔

خیسے کے اندر پہنچ کر انپکٹر نے رینا سے پوچھا۔ ”یہ دونوں وہی لاکیاں ہیں ناجو پہلے اٹھائی گئی تھیں؟“

”ہاں وہی ہیں۔!“

”تم کیسے آئیں....؟“

مال آپ انہیں اپنی نگرانی میں رکھئے۔ بستی کے شریر بچے انہیں پریشان کر رہے ہیں۔“

”مل.... لیکن....“ رینا ہکلائی۔

”یقین بکھے.... بے حد شریف ہیں۔“ اس بنے بندروں کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ان معزز خواتین کو جھک کرسلام کرو۔“

ظفرالملک اکڑا کھڑا رہا۔ لیکن عمران بڑے ادب سے جھک کر کوئی نش بجا لایا تھا۔
”ویکھا آپ نے.... بالکل بے ضرر ہیں!“

”نہیں.... نہیں.... نیلی اور کٹی بے ساختہ بولیں۔“

”آپ جانتی ہیں کہ انکار کی صورت میں آپ کو سزا بھگتی پڑے گی۔“ دوسرا نے سرد لجھ میں کھا اور پھر وہ دونوں عمران اور ظفرالملک کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

”آپ لوگ پریشان نہ ہوں!“ عمران آواز بدل کر بولا۔ ”ہم یہیں باہر بیٹھے رہیں گے بس۔ آپ ہمیں اس بستی کے افلاطون بچوں سے بچائے رکھے گا۔“

”کیا تم اس بستی کے نہیں ہو؟“ رینا نے پوچھا۔
”جی نہیں۔ کہیں اور سے پکڑ کر لائے گئے ہیں اور ہم لوگ حضن دیکھنے کے بندر نہیں ہیں۔ ہمیں بھوک بھی لگتی ہے۔“

”ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ ہم خود کہیں اور سے پکڑ کر لائے گئے ہیں۔“ رینا نے معموم لجھ میں کہا۔

”آپ تینوں ایک دوسری کو جانتی ہیں؟“ عمران نے پوچھا اور رینا پوچھ کر اسے گھورنے لگ پھر بولی۔ ”ہاں.... ہاں.... کیوں نہیں.... سردار گڑھ میں ہم تینوں ساتھ تھیں۔“

اچانک ایک تیسرا بندر دکھائی دیا جو انہیں کی طرف دوڑا آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر ہانپتا ہو بولا۔ ”مس رینا.... میں انپکٹر ہوں۔“

”اوہ.... مل.... لیکن....!“

”وہ مجھ پر تشدد کر رہے ہیں۔ یہ نامعقول لباس پہنا کر کہا ہے کہ اس کو اتنا نے کی کو شر زندگی سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہو گی۔ اور پھر آپ لوگوں کے پاس بھیج دیا۔“ وہ خاموش ہ کر ظفر اور عمران کو گھورنے لگا۔

تمہوڑی دیر بعد ان کے لئے بہت بڑے طشت میں اُبلى ہوئی ترکاریاں لائی گئیں۔
”تو کیا یہ مردود ہمیں کچھ بندروں ہی کی طرح ٹریٹ کریں گے؟“ اُپکٹر بڑا یاد۔
”ہمیں تو بہتر کھانا مل رہا ہے۔“ کئی چیک کر بولی۔

”آدمی اپنی ماڈہ کی بہت عزت کرتے ہیں۔“ عمران نے معموم لمحے میں کہا۔
پھر تینوں بندروں نے پیٹ بھر کر اُبلى ہوئی ترکاریاں کھائی تھیں اور ایک طرف بیٹھ کر
انکھیں لگے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ ترکاریوں میں کوئی خواب آور چیز بھی شامل تھی۔“ عمران نے بھراں
ہوئی آواز میں کہا اور لڑکیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اگر ہم سو جائیں تو ہماری شکلیں دیکھنے کی
کوشش نہ کرنا۔“

”کیوں۔“ رینا نے اسے گھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”بس کہہ دیا۔ اختیاط رکھنا۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں بڑی سخت سزا دیں گے۔“

”وو... دیکھا تم نے...؟“ اُپکٹر بولا۔ ”میں نہ کہتا تھا کہ یہ دونوں انہیں کے آدمی ہیں۔“

”ہم بندر ہیں۔ اُپکٹر پلیز...“ عمران نے رُک رُک کر کہا۔
وہ گھری خیز سوئے تھے اور پھر سب سے پہلے عمران کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا تھا اور ظفر
کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے تھے اور ایک دوسرے پر
لے پڑے خڑائے لیتے رہے تھے۔

اُپکٹر بھی جاگ پڑا اور بوکھلائے ہوئے لمحے میں بولا۔ ”ارے ہم زمین ہی پر سو گئے تھے۔“

”اور نہیں تو کیا آسمان پر سونے کا ارادہ تھا۔“ عمران نے مخفیگانہ انداز میں پوچھا۔

”تم مجھ سے بات نہ کرو....“ اُپکٹر غریا۔

میں عرض کر رہا تھا اُپکٹر صاحب کہ پلٹک معزز خواتین کے لئے ہیں۔ ہم بندر رات کو بھی
زمین ہی پر سوئیں گے۔

”میں کہتا ہوں.... مجھ سے بات نہ کرو۔“

”بہت اچھا....!“ عمران نے بندر ہی کی چکار میں کہا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

ظفر شروع سے اب تک خاموش ہی رہا تھا عمران کو بدی ہوئی آواز میں گفتگو کرتے سن کر ہی

”پہلے تم بتاؤ!“

ہم اس درے سے گزرے جس میں اس پھی کے گولی لگی تھی۔ دوسری طرف ایک چشر
تھا۔ چشرے والی چنان کے اوپر ہمیں ایک آدمی نظر آیا جس پر عقاب جھیٹے مار رہا تھا۔ دیکھنے ہی دیکھنے
وہ تالاب میں اُگر اور غرق ہو گیا۔ پھر ہم نے اس کی لاش نکال لینے کی مہم شروع ہی کی تھی کہ
ایک بار پھر گیس کے بیم کے دھا کے نے ہمیں ناکارہ کر دیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو اس بستی میں
پلیا۔ پہاڑیں میرے ماتھوں اور ڈان فاگاں پر کیا گزری۔“

”وہ بھی ساتھ تھا؟“ رینا نے پوچھا۔

”ہاں... اور یہ اسی نامعقول آدمی کی تجویز تھی جس نے پہ نہیں کس طرح ہمارے ایسے پی
صاحب کو مر عوب کر لیا تھا۔“

”عمران؟“

”ہاں.... مت نام لو اس کا۔ اسی کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہوں۔ اب تم بتاؤ۔“

رینا نے اپنی کہانی شروع کی جس کے اختتام پر اُپکٹر بولا۔ ”دیکھا تم نے کتنا پاگل آدمی
ہے.... ہونہے.... تمہیں مر دینا کس ساتھ لئے پھر رہا تھا۔“

”کچھ بھی ہو.... بندر کا خاتمہ تو اس نے کر ہی دیا۔ جوان لوگوں کو عورتوں کے بیچے لگا
پھر تھا۔“

”اس سے کیا ہوتا ہے!“

رینا کچھ نہ بولی اُپکٹر عمران اور ظفر کو دیکھنے لگا۔

”عمران سر ہلا کر بولا۔“ ہمارے ساتھ کوئی کہانی نہیں ہے۔ ہم دونوں پیدائشی بندر ہیں والا

صاحب افریقہ سے لائے گئے تھے اور والدہ صاحبہ نیوزی لینڈ سے تعلق رکھتی تھیں۔“

”تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔“ اُپکٹر کو غصہ آگیا۔

عمران نے ظفر سے کہا۔ ”تم کچھ خیال نہ کرنا۔ یہ بندروں کے اُپکٹر ہیں۔ انہیں حق حاصل
ہے کہ معمولی بندروں سے اسی طرح بیٹھ آئیں۔“

”خدا کے لئے تم ہی اپنی زبان بند رکھو۔“ رینا نے ان دونوں سے استدعا کی۔

”آپ کہتی ہیں تو اب نہ بولیں گے۔“

اس نے خود بولنے کا رادہ ملتوی کر دیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی آواز قابو میں شرکھ پاتا۔ لڑکیوں کے لئے شام کی چائے آئی تھی اور بندروں کے لئے ابلے ہوئے پنے لائے گئے تھے۔ عمران نے لڑکیوں سے کہا۔ ”اگر تم اپنے حصے کی چائے کی خیرات نکال سکو تو ہمارا بھی بھرا ہو جائے گا۔... درجنہ ہو سکتا ہے کہ رات تک سر پھٹ کر دنکھڑے ہو جائے۔“

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔“ ترینا نے کہا۔ چائے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دو آدمی جو اتحادی لباس میں تھے۔ لڑکیوں سے اجازت طلب کر کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ایک نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”معزز خواتین اور مہماں بندروں۔۔۔ اب آپ کو ہماری ایک خصوصی تقریب میں شرکت کرنی ہے۔“

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔“ کئی خوش ہو کر بولی۔ ”تو پھر چلے۔“

”ہم کیا تقریب میں بھی بندروں کی رہیں گے۔“ عمران نے پوچھا۔ ”اس میں کوئی شبہ نہیں۔!“

”اس تقریب میں پنج تونہ ہوں گے۔“

”یقیناً ہوں گے۔ لیکن بہترین ڈسکن کا مظاہرہ کریں گے۔“

”ہم آدمی ہیں بندروں نہیں۔ صبح بچوں نے پریشان کیا تھا۔“

”دراصل انہوں نے اتنے بڑے بڑے بندروں پہلی بار دیکھے تھے۔ محض خوشی اور حرمت اظہار کر رہے تھے۔ کسی نے پھر تو نہیں مارا تھا۔“

”نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ خدا ان کی عمریں دراز کرے۔۔۔ بے حد شاستہ پنج تھے۔“

”شکر یہ۔۔۔ اچھا باب اٹھو۔“

وہ خیمے سے باہر نکلے۔ چاروں طرف سنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ بنتی چھوڑ کر بھیں اور چلے گئے ہوں۔

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی۔ لڑکیاں تھکن کی شکایت کر رہی تھیں۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے میدان میں پیچے جہاں تک رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی شاید پورا

بنتی کے لوگ وہیں اکٹھا ہو گئے تھے۔ عورت مرد، بوڑھے، بچے۔۔۔ لیکن ایسا ساتھا تھا جیسے وہ کوئی اتنی تقریب ہو۔ ان بندروں کو دیکھ کر بھی بچوں نے شور نہ چلایا۔ ”خدا کی پناہ۔۔۔!“ انپکڑ بڑا یا پھر رینا سے بولا۔ ”وہ اور ہر دیکھو۔۔۔ اس اوپنی چٹان پر۔۔۔ کیا وہ ڈان فاگان نہیں ہے۔“

”آ۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہے تو۔۔۔ لیکن۔“

ڈان فاگان اس چٹان پر تھا کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سنا تا اسی کے لئے ہو۔۔۔ اسی کی وجہ سے مجمع کو سانپ سو نگہ گیا ہو۔ عمران وغیرہ کی راہنمائی کرنے والے بھیز میں راستہ بناتے ہوئے انہیں اسی چٹان کی طرف لئے جادہ ہے تھے۔ چٹان کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے اور ان سے اوپر جانے کو کہا۔ وہ پچکائے تھے لیکن عمران نے پہلی کی۔ ظفر اس کے پیچے تھا۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی۔ سب انپکڑ نے اوپر پہنچتے ہی ڈان فاگان سے پوچھا۔ ”ان لوگوں نے تمہیں بندروں نہیں بنایا؟“ عمران تیز سیٹی کی سی آواز میں بندروں کی طرح چھیلایا۔ ڈان فاگان تیزی سے اس کی طرف مڑا تھا۔

”میں تمہیں پہچانتا ہوں۔۔۔“ ڈان فاگان نے قہر آکوں لجھے میں اس سے کہا۔

”عمران پھر چھیلایا۔“

”خاموش رہو۔۔۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہی ان حركتوں کے ذمہ دار ہو!“ انپکڑ تلخ لجھے میں اس سے مخاطب ہوا۔

”تم ٹھیک سمجھے۔!“ ڈان فاگان نے لاپرواہی سے کہا۔

”میرے ماتحت اور دونوں شکاری کہاں ہیں۔؟“

”وہ لوگ غیر ضروری تھے اس لئے اپنے گھروں تک پہنچ گئے ہوں گے۔“

ظفر کچھ بولنا ہی چاہتا تھا لیکن عمران نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”میں کیوں ضروری ہوں۔۔۔ اور وہ ضرورت کیا ہے۔۔۔؟“ انپکڑ بھی بولا۔

”بس اب خاموش رہو۔“ ڈان فاگان ہاتھ اٹھا کر سخت لجھ میں بولا اور پھر جیج کر پنج

پھر ایک شیپ ریکارڈز سے رقص کے لئے مو سیقی شروع ہوئی تھی اور تمیں نے ناچا شروع کر دیا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یہ تقریب اختتام کو پہنچی تھی اور جمع بستی کی طرف پل پڑا تھا۔

”تم تمیں میرے ساتھ چلو گے۔“ ڈان فاگان نے عمران کو مخاطب کرنے کے کہا۔ ”اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ پوری بستی کا خاتمہ کر دینے کے باوجود بھی تم لوگ ان پہاڑوں کے اس پار نہیں پہنچ سکو گے۔“

”ہمیں واپسی کی جلدی نہیں ہے۔“ عمران بے حد فرم لجھ میں بولا۔ ”لیکن اس بیرونہ لباس سے تو ہمیں چھکاراولادا۔“

”فی الحال یہ بھی ناممکن ہے میرے دوست! ہم اپنے طریق کار کو بدلتے بتدریج تمہیں بذر سے آدمی بنائیں گے۔“

”اچھا... دُم ہی، اکھاڑا دو۔“

”پچوں کی طرح صد نہ کرو.... تمہارے لئے بھی بہتر ہے۔“

”خر...!“ عمران نے شہذتی سانس لی۔

”میری یادداشت واپس لانے کے لئے تم نے جو حرکت کی تھی۔ اُسے معاف کر چکا ہوں۔“
”کیا مطلب.....؟“ انپکٹر چوک کر بولا۔

”کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... فکر نہ کرو....“ عمران نے اس کاشانہ تھکتے ہوئے کہا۔
لڑکیاں وہاں سے لے جائی جا چکی تھیں۔ ڈان فاگان کے ساتھ وہ تمیں بستی میں آئے۔ ان کے لئے بستی کے وسط میں ایک خیسے کا انتظام کیا گیا تھا۔

”اب میں جا رہا ہوں۔“ ڈان فاگان نے کہا۔ ”کل تم یہاں بہت کچھ دیکھو گے۔“ وہ چلا گیا۔
وہ تمیں خاموشی سے اپنے اپنے بسترتوں پر جاییٹھے۔

رات کے کھانے میں بھی انبلی ہوئی ترکاریاں ہی ہیں۔ انپکٹر بھنا کر بولا۔ ”کچھ بذر بنا کر رکھ دیا ہے۔“

ڈان فاگان کے ریمارک کے بعد سے عمران نے بدلي ہوئی آواز میں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اب انپکٹر کا رو دیہ بھی بدلتا گیا تھا۔ اس نے عمران سے الگھنے کی

کھڑے ہوئے لوگوں سے کہنے لگا تھا۔ ”سامنیوں...! تمہارے لئے ایک خوش خبری ہے یہ تمیں لوگوں کیاں تمہارے لئے تفریح میا کریں گی۔ اب یہ تمہارے درمیان ہی رہیں گی۔“

تمیں کے شور میں وہ خاموش ہو گیں۔ عمران اور اس کے ساتھی اسے حیرت سے دیکھ جا رہے تھے کیونکہ اپنی نے مجھ سے اردو میں خطاب کیا تھا۔

”ہم اس پر تیار نہیں ہیں۔“ دفتریا جھلا کر بولی۔

”لیکن تم ان تین بذرروں کو بہت بڑی طاقت بخشی ہو؟“ ڈان فاگان نے حقارت سے کہا۔

”ایک منٹ!“ عمران نے بدلي ہوئی آواز میں دخل اندازی کی۔ ”آخر تم لوگ کون ہو...“

اور کیا چاہتے ہو؟“

”ہم دنیا کے بہت ہی ترقی یافتہ لوگ ہیں اور دنیا میں امن چاہتے ہیں۔“

”عورتوں کا جری اغواتری ہے یا امن پسندی۔!“

”وقتی ضرورت.... یہ ہماری لڑکیوں کو قص کی تربیت دیں گی۔ اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی انہیں ہاتھ بھی نہیں لکا سکے گا۔“

”اچھی بات ہے.... تو پھر ہم تمیں اور یہاں جا رہے ہیں۔“

”کو شش کر کے دیکھو....“ ڈان فاگان نے استہزا ایسے انداز میں کہا۔ اگر ہم سے فوجے تو اس

ملک کے سرحدی محافظتیں گویوں کا ننانہ بنادیں گے۔“

”اچھا تو پھر ہمارا مصرف بھی بتاؤ!“

”تمہارے ذہنوں سے صدیوں کا زنگ اور میل کچیں صاف کر کے تمہیں ایک ترقی یادی آدمی بنادیں گے۔ فی الحال ہماری ذہنی سطح کے اعتبار سے تم صرف بذر ہو۔ چھین جھپٹ کر کھانے والے!“

”اوہ.... تو.... تم یہاں اس علاقے میں اپنے قدم کس طرح جما سکے یہاں کی حکومت جمیں کس طرح برداشت کر رہی ہے؟“

”ہم یہاں ایک نئے طریق کار کا تجربہ کر رہے ہیں۔ تم دیکھیں گے۔“ ڈان فاگان بولا۔

”تمہیں رقص کرنا چاہئے۔“ دفتریا عمران نے رینا کی طرف مڑ کر کہا۔ ”یہ سب اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں.... ہاں.... ہاں.... کوئی بات نہیں.... چلو۔“

کوشش نہیں کی تھی۔

”سنودوست!“ اس نے انپکٹر کے شانے پر باتھ رکھ کر کہا۔ ”اس لڑکی رینا کو نہ معلوم ہونے پائے کہ میں عمران ہوں۔“ دُزندہ ہی مجھے بندر سے آدمی بنا کر رکھ دے گی۔ آہا۔... فر ایک بات تو بتانا۔“

”پوچھئے...“

”کیا وہ آدمی بھی ہماری ہی طرح بندر تھا۔ جسے عقاب نے چنان سے تالاب میں گرایا تھا۔“
”نن... نہیں.... وہ خاکی لباس میں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس طرف کے سرحد مخالفتوں میں سے تھا۔“

”ادھ...!“ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔

دوسری صحیح ناشتے میں بھی انہیں ابھی ہوتی ترکاریاں ہی طی تھیں۔

”چائے کے بغیر تو میری زندگی عالم ہے۔“ ظفر الملک بڑی بڑی۔

”ان کا کرم ہے کہ ترکاریاں ابھی ہوتی ملتی ہیں۔ بندروں کے لئے چائے کہاں بناتے پھرای گے۔ دیسے مجھے یہ بریں واشگٹ کا اتنا کوئی کورس معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ انپکٹر چوک پڑا۔

”اڑے اسی طرح ترکاریاں نصیب ہوتی رہیں تو ہم ہاں میں ہاں ملانے کے فن میں ما ہو جائیں گے۔ خدا کی پناہ شاہینوں کو ابھی ہوتی ترکاریاں کھلارہ ہے ہیں۔“

نو بے کے قریب ایک آدمی خیسے میں داخل ہوا۔ جو نای گن سے مسلح تھا۔ اس نے انہیں خیسے سے باہر نکلنے کا اشارة کیا۔

خیسے کے باہر ڈان فاگاں دوسرے مسلح آدمی کے ساتھ کھڑا تھا۔

”میرے پیچے آؤ....“ اس نے ان تینوں سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔
مسلح آدمی اس کے پیچے چل رہا تھا۔ پھر یہ تینوں تھے اور ان کے پیچے دوسرا مسلح آدمی تھا
لڑکیوں کے خیسے کے قریب پہنچے تو وہ بھی باہر ہی کھڑی نظر آئیں۔ ان کے پاس بھی آ
آدمی نای گن لئے موجود تھا۔ اسے عمران نے پہچان لیا۔ یہ وہی تھا جسے اس نے سیاہ فام و خشی
کے ساتھ گرفتار کیا تھا۔ وہ ان تینوں کو کینہ توڑ نظر وہ سے دیکھے جا رہا تھا۔

تینوں لاکیاں بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔ اب تین مسلح آدمی ان کی گرفتاری کر رہے تھے۔
”سیاہم ان لاکیوں سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“ عمران نے بدلتی ہوئی آواز میں ڈان فاگاں سے پوچھا۔
”جاڑت ہے!“

”رات کیسی گزری؟“ عمران نے رینا کو مخاطب کیا۔
”تم لوگ اپنی کہو۔!“

وہ تینوں بیزار بیزاری لگ رہی تھیں۔ اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ عمران بھی
ناموش ہو گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اوپنجی اوپنجی
نوکیلی چٹائیں تھیں۔

”میں تم لوگوں کو ایک تماشہ دکھاؤں گا۔“ ڈان فاگاں ان کی طرف مرڑ کر بولا۔
”تم تماشوں کو تماشہ دکھاؤ گے۔“ عمران نہ پڑا۔

”مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ تم بے حد خطرناک آدمی ہو۔ میں الاقوای شہرت کے مالک۔“
”ازائی ہو گی کسی دشمن نے۔ میں تو ان تینوں لاکیوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے
تمہاری بستی سے کوئی سروکار نہیں۔“

”میں تمہیں بھی وکھانا چاہتا ہوں کہ تم ایسا نہ کر سکو گے۔ پہلی رات ایک بندر بستی سے
فرار ہو گیا ہے۔... وہ بیہاں سے نکل جانے کے راستے نے واقع تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت
وہ کہاں چھپا ہو گا۔“

”اچھا... تو پھر!“

”اس کے فرار کا منظر تم بھی دیکھ لو۔“

ومران کچھ نہ بولا۔... چاروں طرف گہرائیا تھا۔

سب انپکٹر اس کے قریب کھک آیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر ایک نای گن بھی
ہوتی تو کسی نہ کسی طرح پشت لیا جاتا۔... تین تین ہیں۔“

”تم لوگ ادھر بیٹھ جاؤ۔“ ڈان فاگاں بولا۔ ”ہو سکتا ہے ابھی دیر لگے۔... لیکن تم وہ لچک پ
منظر خرد روکیو گے۔ مجھے لیتیں ہے۔!“

تالی ہوئی جگہ پر بیٹھ جانے کے بعد عمران نے ڈان فاگاں کو مخاطب کیا۔ ”اس میں کیا

کسی قسم کی حرکت سر زدن ہوتے ہی نai گنیں گولیاں انگنا شروع کر دیں گی۔
”یہ خاموشی گراں گز رہی ہے۔“ ظفر الملک بولا۔

”اچھا تو پھر تم ہی کچھ کاڈ۔“ عمران نے کہا۔

انپکٹر نے غصیل نظروں سے ظفر کی طرف دیکھا تھا۔ شاید وہ خاموشی ہی چاہتا تھا۔

”تمہیں کس سے اطلاع ملی تھی کہ میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔“ عمران نے ڈان فاگان سے پوچھا۔

”اپنے ایک ایجنت سے جو مستقل طور پر بردار گڑھ میں رہتا ہے۔ جیسے ہی تم میری یادداشت والیں لائے تھے۔ اس نے تمہاری چھان میں شروع کر دی تھی۔“

”میں گاؤں؟“ دفعتاً ریا زور سے بولی۔ ”واقعی اس خاموشی میں بڑی گھنٹن محسوس ہو رہی ہے۔“

”اے سی نور ڈان فاگان!“ عمران جھلا کر بولا۔ ”میں کہتا ہوں ان احمدتوں کو یہاں سے ہٹا دوں تاکہ ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر ایک مسلح آدمی سے کہا کہ وہ انہیں پیچھے والی چھان کے عقب میں لے جائے اور کڑی نگرانی میں رکھے۔

”ہاں... اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈان فاگان نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

اب وہاں دو مسلح آدمیوں اور ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

عمران اس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔ ”اگر تمہارے ایجنت نے میرے متعلق مکمل معلومات فراہم کی ہیں تو تمہیں میری دکھ بھری زندگی سے پوری طرح آگاہی ہو گئی ہو گی!“

”ہاں تمہارا پیشہ ایمان داری پر مبنی نہیں ہے۔ پولیس اور مجرموں کو بیک میل کر کے زندگی ببر کرتے ہو۔“

”بس میرا تصور یہ ہے کہ صورت سے اسارت نہیں گلتا۔ اسی لئے ابھی تک کوئی ڈھنگ کی ملازمت نہ مل سکی۔ تم مجھے اپنی بستی کا احوال بتاؤ۔ شاید میری بیرین و اشਣگ کی ضرورت پیش نہ آئے۔“

”تم ایک نیم و حصی معاشرے نے متعلق رکھتے ہو!“ ڈان فاگان بولا۔ ”تمہارا معاشرہ نیز وہ اور بھکاریوں کا معاشرہ ہے تم ان درندوں کے نقال ہو جو خلائی دوڑ کو آدمی کی ترقی سمجھتے ہیں۔“

صلحت تھی کہ پہلی بار تم سڑک کے کنارے بیووش پائے گئے تھے۔؟“

”تیری لڑکی ہاتھ نہیں آسکی تھی۔ اس کا حصول بھی ضروری تھا۔ اچھا... میں تمہ پوری کہانی سناتا ہوں۔ وہ بیچارے یہ نہیں جانتے تھے کہ میں اردو بھی بول اور سمجھ سکتا ہوں۔“

”میں بیچارہ بھی نہیں جانتا تھا۔“ عمران مخفی سانس لے کر بولا۔ ”اور اب پوری کہانی میں تمہیں سناسکوں گا... تمہیں علم تھا کہ لڑکی میرے ساتھ ہو گی تمہاری موجودگی ہی میں ایسا کوئی نہیں اپنی اسکیم بتائی تھی اور بد قیمتی سے اردو میں بتائی تھی۔“

”تم کتنی زبانیں بول اور سمجھ سکتے ہو۔“

”انگریزی اور اپنی!“

”میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تمہیں فرجح اور جر من بھی آتی ہوں گی۔ یورپی زبانوں شاکرین کے لئے اپنی بہت بعد کی چیز ہے۔ خیر ہو گا۔“ وہ شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

”مجھے اس سے کیا سر و کار۔ ہاں مجھے تمہاری اسکیم کا علم تھا۔ میں نے اس پارٹی کو ٹھنڈا دینے کے بعد جس کے ساتھ خود تھا تمہاری تلاش شروع کر دی تھی۔ لیکن لڑکی تمہا

ساتھ نہیں تھی وہ تورات کو بندرنے...!“

”مجھے اس کے مارے جانے پر افسوس ہے۔ لیکن یہ ناگزیر تھا سے چھوٹ دیتا تو ڈاڑھ لوکی پکڑی جاتی۔“

”تو یہ تم ہو...!“ ریباچیح کر عمران کی طرف لپکی۔

”وہیں... شہر و...!“ ڈان فاگان ہاتھ اٹھا کر سخت لبجھ میں بولا۔

رینارک کر اسے خون خوار نظروں سے گھورنے لگی۔

”ہاں... ہاں... اور ہر ہی بیٹھو...“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ اور چند لمحے خاموش ڈان فاگان سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ تماشہ خوش گوارہ ہے ہو گا۔“

”تمہارا خیال درست ہے!“ ڈان فاگان کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ نظر آئی

”اس لئے اگر ان لڑکیوں کو یہاں سے ہٹا دو، تو بہتر ہو گا۔“

”انہیں بھی دیکھنا چاہئے۔“ خنک لبجھ میں جواب ملا۔

تینوں مسلح آدمی نai گنیں سنجاۓ ان کی طرف نگران تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا:

”بالکل.... بالکل!“

”آدمی کی سب سے بڑی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں دوسروں کو بھی حصہ دار بنائے یہاں ہم سب ایک دوسرے کے لئے کماتے ہیں۔ کوئی شخص اپنی محنت کے ثمرے پر صرف اپنا ہی حق نہیں جاتا۔ ہم اپنی ساری آمدی یک جا کر کے ہر ایک کواس کی ضرورت کے مطابق...!“
”میں بالکل سمجھ گیا.... تم درندے نہیں ہو لیکن جس کھیل کے لئے تم ہم لوگوں کو یہاں لائے ہو اس کا کیا جواز ہے...؟“

”تم کیا سمجھتے ہو....!“

”یہی کہ.... تمہارا قیدی جب فرار کے راستے پر نگے گا تو اچانک اس پر عقاب ٹوٹ پڑیں گے اور وہ بلندی سے نیچے آرے گا۔“

”واقعی ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”تم چاہو تو اسے بچا بھی سکتے ہو۔“

”میں نہیں بچانا چاہتا۔“ ڈان فاگان غصیلے لمحے میں بولا۔

”پس ثابت ہوا کہ تم بھی ہماری ہی طرح یہی وحشی ہو۔ سزا اور انتقام بھی جیوانی جیلوں کی بیدار ہیں۔ تم چاہتے تو اسے دوبارہ گرفتار کر کے اسے اپنی قید میں رکھ سکتے تھے لیکن تم محض اس لئے اس کی زندگی کا خاتمہ کر رہے ہو کہ ہم عبرت پڑ سکیں اور یہاں سے نکل بھاگنے کا قصور نکل نہ کر سکیں۔“

”تم ٹھیک سمجھے....!“ ڈان فاگان اپنی میں غرایا۔ ”تم اپنی سمجھ سکتے ہو.... اس لئے میں تم سے اسی زبان میں گفتگو کروں گا۔“

اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر دہزاد۔ ”میں بنے غیر نہیں ہوں۔ سب کچھ سمجھتا ہوں.... لیکن مجبور ہوں۔ تم مجھے باس سمجھتے ہو گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تیوں مسلک آدمی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ میری ذہانت اور میرا علم ان تین وحشی درندوں کا تائی فرمان ہے۔ ان کی نامی گنیں مجھے ان کے بناے ہوئے سانچوں میں ڈھالتی رہتی ہیں۔“

”ارے.... تم کتوں کی طرح کیوں بھونکنے لگے؟ میں کچھ نہیں سمجھا۔“ عمران نے اردو میں کہا۔

”شہابش....!“ ڈان فاگان نے بدستور غصہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ہی استعمال کی ”واقعی بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ان پر ہر گز نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم میری مادری زبان سمجھ سکتے ہو....!“

”یہ کیا بک رہا ہے....!“ عمران نے مسلک آدمیوں کی طرف مڑ کر کہا۔

”غصہ آگیا ہے شاکد....!“ ایک بولا۔

”تو کیا غصہ میں بھونکنے لگتا ہے....؟“

”نہیں.... اس کی مادری زبان اپنی ہے۔“

”لاحوال ولا قوتہ....!“

اچانک سامنے والی بلند بالا چٹان سے پے در پے چینیں سنائی دیں اور ایک آدمی لڑکتا ہوا نیچے آپڑا۔

اُہر کئی عقاب فضا میں پکارا ہے تھے۔ نیچے گرنے والا بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ اس کے جسم پر بھی ویسا ہی لباس نظر آیا جیسا عمران اور اس کے ساتھیوں کے جسموں پر منڈھا گیا تھا۔ پکھداری تک وہ تیوں بالکل ساکت صامت کھڑے رہے۔

پھر عمران گرنے والے کی طرف چھپا۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چٹان سے گرنے والا مر چکا تھا۔ عمران گھٹبھیں کے بلیں بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ گردن کی بذی ثوٹ گئی۔ دفتار اس نے دھڑائیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

”ارے.... ارے۔“ ڈان فاگان بڑھا دیا۔ پھر مسلک آدمیوں سے بولا۔ ”دیکھو.... اسے ہٹاؤ وہاں سے۔“

وہ دونوں آگے بڑھے۔ پہلے انہوں نے عمران سے ہٹ جانے کو کہا لیکن اس نے اپنی جگہ سے جبکش بھی نہیں کی تھی۔ آخر کار ان میں سے ایک نے باہمیں ہاتھ سے عمران کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ تو اچھل کر دوڑ جا پڑا تھا اور اس کی نامی گن عمران کے ہاتھ میں نظر آئی تھی پھر اس نامی گن کا دستہ دوسرے مسلک آدمی کے سر پر پڑا۔ پہلے آدمی نے عمران پر دوبارہ جست لگائی اور منہ کی کھائی۔ نامی گن کا دستہ اس کی کپٹی پر پڑا تھا۔ پھر جتنی دیر میں ڈان فاگان

قریب پہنچا وہ دونوں بے حس و حرکت ہو چکے تھے۔

"وہیں شہر و... " عمران اس کی طرف دیکھ کر غایا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"سمجاو۔" عمران نے رازدارانہ انداز میں اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اپنے عزراں کا چالا تھا اس کی کپٹی پر پڑا۔ اور وہ بھی چکر اکڑہ ہیں ہو گیا۔ پھر دوسرا نامی گن زمین سے اٹھاتے ہوئے اس نے اس چنان کی طرف دیکھا جس کے پیچے تیرا مسلح آدمی اس کے ساتھیوں کو لے گیا تھا۔

وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ دونوں نامی گنیں ایک جگہ چھپا دیں پھر اس چنان پر چڑھنے لگا جس کی دوسری طرف اس کے ساتھی موجود تھے۔

چنان ناقابل عبور نہیں تھی۔ اور پہنچ کر بڑی احتیاط سے اس نے دوسری طرف جھانکا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ مسلح آدمی کی پوزیشن اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد وہ پھر اس چنان کے نیچے اتر آیا۔ اب وہ اس طرف چل پڑا جدھر سے گزر کر وہ لوگ اس چنان کے پیچے پہنچے تھے۔

مسلح آدمی کی پشت پر پہنچ کر اس نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھا۔ نامی گن اس کی گرفت سے نکل کر دور جا پڑی۔ ظفر الملک نے نامی گن پر قبضہ کر لینے میں دریں نہیں لگائی تھی۔ عمران اپنے شکار کو دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اس رات تم ڈان فاگان کی وجہ سے نجگے تھے۔ آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"آن... آن... کا کیا ہوا...؟" شکار ہکلایا۔

"وہی جو تمہارا ہونے والا ہے۔"

عمران نے اس کی گردان میں قینچی ڈال دی تھی اور بتدر تک درباو بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر ایک جھلکے کے ساتھ اس کا سر زمین سے گمراہی۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنے بیویوں ساتھیوں کے قریب لیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

عمران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "جتنی جلد ممکن ہو ہمیں بندر سے آدمی بن جانا چاہئے ترکیب اس کی یہ ہے کہ ان تینوں کے کپڑے اتار کر ہم پہنیں اور انہیں بندر بنادیں۔"

پدرہ میں منٹ میں انہوں نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا تھا۔
ڈان فاگان کو پہلے ہوش آیا۔ تین نامی گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ دفتار اٹھ بیٹھا اور عمران سے اپنی میں بولا "اتفاقی تم باکمال آدمی ہو۔"

"جہاں ہو! وہیں بیٹھے رہو۔"

"لک... کیا تم نے ان تینوں کو مارا؟"

"نہیں.... یہ کہی عقاقوں ہی کے شکار ہوں گے۔ خس طرح وہ بیچاول۔" عمران نے نامعلوم آدمی کی لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میا یہ بھی میرے ہی ملک سے تعلق رکھتا تھا۔"

"نہیں...!"

"چلو... مجھے اس کا چہرہ دکھاؤ...!"

ڈان فاگان نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پر منڈھا ہوا خول ہٹایا۔ ناک نفخے سے وہ مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوا تھا۔

"اب تم اپنے کپڑے اتار کر اس لاش کا لباس اپنے جسم پر منڈھو گے۔" عمران نے تھکمانہ لجھ میں کہا۔

"تت... تم آخر سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"
ڈان فاگان نے بوکھلا کر کہا۔

"کیوں...؟"

"میں خود اس جاں سے نکلتا چاہتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ ایسی بستی چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔"

"میں نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ ان لوگوں کو ننانے کے لئے کہا تھا۔ یہاں انسانیت کے نام پر فراڑ ہو رہا ہے۔"

"خوب... وہ کس طرح؟"

"یہاں سے کہیں اور چلو... میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"یہیں بتا دینے میں کیا دشواری ہے۔؟"

عمران نے ڈان فاگان کے مشورے پر عمل تو کیا لیکن اس کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے بات پوری طرح اس کی سمجھ نہ آئی ہو۔

دوسری طرف ان تینوں کو بھی ہوش آگیا تھا۔ اور وہ ان دوناٹی گنوں کو گھورے جادہ ہے تھے جواب ظفر الملک اور سب انپکٹ کے ہاتھوں میں تھیں۔

پھر انہوں نے ڈان فاگان کو دیکھا جسے عمران دھکیلتا ہوا دھرا رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے ڈان فاگان کو بھی انہیں کے ساتھ بیٹھ جانے کا حکم دیا۔
ریا جھپٹ کر عمران کی طرف آئی تھی۔

”یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ جلدی سے نکل چلو۔“ اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔

”صبر کرو!...!“ اس نے ریا کو الگ ہٹاتے ہوئے چاروں قیدیوں کو مخاطب کیا۔

”تم چاروں صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہو کہ ہمیں ہماری سرحد تک پہنچا دو۔“

کوئی سمجھ نہ ہوا۔ عمران نے پھر وہی جملہ دہرایا۔

”تم ہمیں مار ڈالو۔“ ڈان فاگان کڑک کر بولا۔ ”لیکن ہم تمہیں راستہ نہیں بتائیں گے۔“

”خاموش رہو۔“ وہ آدمی جھنجھلا کر بولا جس کی نشان دہی ڈان فاگان نے کی تھی۔

”دوسری صورت میں ڈان فاگان کو بھی مردہ آدمی کا لباس پہنادیا جائے گا۔ اور ہم تم چاروں کو اپر لے جائیں گے۔“ عمران نے سرد لبجھ میں کہا۔

”عن... نہیں...!“ وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”یہی ہو گا۔! اس بیاس میں عقاب تمہارا بھی وہی حشر کریں گے۔“ عمران نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس پر اس نے کہا تھا کہ اگر ان کا لباس تبدیل کر دیا جائے تو وہ انہیں نکاٹی کے راستے تک پہنچا دیں گے۔

”لباس...! میں کہاں سے مہیا کر دوں گا۔“ عمران اسے گھوڑ کر بولا۔

”ڈان فاگان کے ہاتھ کھوں دو!...! اور اسے بستی تک لے جاؤ!...! وہ ہمارے لئے دوسرا لباس لائے گا۔“

”سنوبیارے اونیا تھے یہ توف کہتی ہے لیکن کیا تم بھی مجھے اتنا ہی حق سمجھتے ہو!“

”میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ ہوش میں آکر مجھے تم سے گفتگو کرتے دیکھ لیں۔“

”وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی خود کو بے بن محسوس کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔“

”میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو۔ ورنہ زندگی بھر یہاں سے نہ نکل سکو گے۔ پہلے میری پوری بات سن لو۔ اس کے بعد میں بھی تمہارا قیدی ہی بن کر چلوں گا۔“

”اچھی بات ہے۔ چلو ادھر ہی۔“ عمران نے کہا اور ظفر الملک سے بلند آواز میں کہا ”پوری طرح چوکس رہنا.... میں ابھی آتا ہوں۔“

وہ ڈان فاگان کو اسی چنان کے پیچے لے گیا جہاں کچھ دری پہلے اس کے ساتھی تھے۔

”صرف ایک آدمی.... نکاٹی کے راستے سے واقف ہے۔“ ڈان فاگان بولا۔ ”میں بھی نہیں جانتا.... ایک مخصوص جگہ پر میری آنکھوں پر پی باندھ دی جاتی ہے۔ جب میں ادھر سے ادھر پہنچ سکتا ہوں یا ادھر سے ادھر آسکتا ہوں۔“

”وہ کون ہے؟“

”وہی آدمی جس کے ساتھی سیاہ قام وحشی رہتے ہیں جسے تم نے اس رات ادھر گرفتار کر کے غار میں ڈال دیا تھا۔“

”اوہ.... اچھا.... اب ان عقابوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”ان کے بارے میں بھی وہی شخص بتا سکے گا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔“

”شاید میں بھی کسی حد تک جانتا ہوں۔“

”ہنس آدمی کو الگ کر لو اور ان دونوں کو یا تومار ڈالو یا بے بس کر کے ایسی جگہ ڈال دو کہ وہ بستی تک نہ پہنچ سکیں۔“

عمران کچھ سوچنے لگا۔

”ان کے ہوش میں آنے سے پہلے مجھے قیدی بنالو۔“

”آخر.... کیوں....؟ اب تم سب ہی قیدی ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔“

ڈان فاگان کوئی جواب دیئے بغیر اپنی نائی کی گرہ کھولنے لگا پھر نائی عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”میرے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ جلدی کرو۔ اگر اس آدمی کو شہر بھی ہو گیا کہ میں تم سے مل گیا ہوں تو وہ ہمیں نکاٹی کے راستے تک ہرگز نہ لے جائے گا۔“

”حیلے؟“ ڈان فاگان نہیں کر بولا۔ ”بکھر میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔ بس وہ ایک لمبی اور پتی کی بام پھٹلی ہے لیکن طاقت.... خدا کی پناہ.... اگر سمجھنی ڈالڑھی نہ ہوتی تو وہ چیزیں معلوم ہوتے۔“

”خدا کی پناہ.... یہ تو تم میرے چپا کا حیلہ تارہ ہے ہو۔“ عمران چلتے چلتے رک کر بولا۔
”کیا مطلب؟ کیا کہا تم نے۔“

”بکھر نہیں.... بکھر نہیں.... جلدی کرو....“

بستی میں پہنچ کر ڈان فاگان ایک خیسے میں داخل ہوا۔ وہاں سے اس نے بکھر پڑنے لئے تھے اور باہر نکل آیا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر عمران بولا۔ ”اب تم اپنا جغرافیہ بتاؤ۔ تم اس پر میں کیوں پڑے تھے اور اب کیوں اس سے نکلا چاہتے ہو؟...!“
”میں صرف مرشد کے چکر سے نکلا چاہتا ہوں۔ اسی توقع پر تمہاری مدد کر رہا ہوں کہ تم مجھے اپنے ملک سے نکل جانے میں مدد دو گے۔“

”یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟“

”میرے دوست! یہ سب مت پوچھو.... میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ تم میری مدد کرو!“
”اچھی بات ہے! لیکن کیا تم اس پر بروشنی ڈال سکو گے کہ وہ لوگ لباس کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہیں؟“

”عقاب اس لباس کے لئے خصوصیت سے سدھائے گئے تھے جو بکھر دیر پہلے تمہارے جسم پر تھا۔ اس لباس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے جس پر عقاب آتے ہیں۔“

”لیکن مجھے وہ عقاب ابھی تک نہیں ہوا جو میرے ساتھی پر جھپٹے مار رہا تھا۔“
”یہاں دو طرح کے عقابوں کے جھنڈ ہیں۔ ایک وہ جو ہر آدمی پر جھپٹتے ہیں۔ خواہ وہ کسی لباس میں ہو۔ وہ اس لئے ہیں کہ سرحدی ماناظلوں کو اس طرف نہ آئے دیں۔ تمہارا ساتھی اس دن کسی سرحدی محافظتی کی گولی سے زخمی ہوا تھا جو دراصل عقاب پر چلا گئی ہو گی۔“

”اور دوسرا قسم کے عقاب تمہارے قیدیوں کو فرار نہیں ہونے دیتے.... جنہیں برین واٹنگ کے دوران میں بند رہی بنائے رکھا جاتا ہے۔“

”کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔“

”اور یہ ڈان فاگان ہمیں بخش دے گا۔“ عمران نہیں کر بولا۔

”ڈان فاگان میرا بند ہے۔ جو بکھر میں کہوں گا۔ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔“

”اچھی بات ہے لیکن اتنا یاد رکھو اگر مقابلے کے خلاف بکھر ہوا تو یہ نایا گن اس وقت تک

تفہیہ لگاتی رہے گی جب تک میزین کا آخری کارتوس نہ ختم ہو جائے۔“

”بے فکر ہو کر جاؤ.... ہم جو بکھر کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔“

رینا نے ڈان فاگان کے ہاتھ کھولے تھے اور عمران اسے بستی کی طرف لے چلا تھا۔ اور پڑ

وقت اس نے ظفر سے کہا تھا۔ ”اگر یہ کوئی حماقت کریں تو انہیں بے دریغ چھلکی کر دیتا....!“

راتستے میں ڈان فاگان نے کہا۔ ”یہاں میری کوئی اہم حیثیت نہیں ہے۔ غوری ہمارا بس اسے

اور خود مرشد کا غلام ہے۔“

”ہمیں کوئی مرشد بھی ہے۔“

”وہی تو سب بکھر ہے اور اس کے رویے کی بناء پر میں نے یہ کہا تھا کہ یہاں انسانیت کے ہے پر فراہ ہو رہا ہے۔ تمہاری تینوں لاکیوں کو اس نے سرکس میں دیکھا تھا اور ہمیں حکم دیا تھا کہ

انہیں بستی میں پہنچا دو۔“

”کیا وہ بستی میں ہی رہتا ہے۔“

”نہیں... سردار گڑھ کا عظیم الشان محل اس کا مسکن ہے۔ بستی کی لاکیاں اعلیٰ تربیت کے بہا

سردار گڑھ پہنچائی جاتی ہیں اور وہ مرشد انہیں بھیڑ کریوں کی طرح اپے استعمال میں لاتا ہے۔“

”میا تم بکھی اس کے محل میں گئے ہو....؟“

”کیوں نہیں.... اتنی خوب صورت تیش گاہ شاید ہی دنیا کے کسی حصے میں ہو۔ عمارت ا

نام المرشد ہے.... خانِ اعظم روڈ پر.... لیکن وہ آج کل سردار گڑھ میں نہیں ہے کہیں باہر

ہوا ہے۔ لاکیوں کو بستی میں پہنچانے کا حکم دے کر کہیں چلا گیا تھا۔ ایک بار مجھے اس کی ایک ٹھ

میں شریک ہونے کا موافق ملا تھا۔ بو تکون پر بو تکون خالی کرنا چلا جاتا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ

ساشہ ہو جائے۔“

”اوہو.... ذرا اس کا حیلہ تو تباہ۔“ عمران نے چونک کر کہا۔

"یہی بات ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈان فاگان بولا۔ "میں غوری کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ تم سے شدید نفرت کرتا ہے کیونکہ تم نے اس کا بند رمار ڈالا تھا۔" مجھے ذرہے کر کہیں وہ غلط راہنمائی کر کے تم لوگوں کو موت کے منہ میں نہ پہنچادے۔"

"تم کم از کم یہ توجہ نہیں ہو گے کہ سرحدی محافظ کس طرف ہیں۔"

"ہاں... یہ میں جانتا ہوں...."

"بس اگر وہ ہمیں اس طرف لے جانا چاہے تو مجھے آگاہ کر دیا۔"

منزل مقصود پر پہنچ کر ڈان فاگان دوبارہ قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔

غوری آگے چل رہا تھا۔ چڑھائی کے راستوں پر لڑکوں کی حالت اتر ہو جاتی۔

رینا عمران کے ساتھ چل رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے اسے صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہو۔ اگر کوئی دوسرا لڑکی عمران سے گفتگو کرنا چاہتی تو فوراً خل اندازی کر بیٹھتی۔ ایک با عمران سے یہ بھی کہا تھا کہ نیلی اور کٹی اول درجے کی فلرٹ ہیں۔ وہ کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رکھتیں۔"

"اگر دونوں مل کر کو شش کریں تو کسی ایک کی ہو کر رہ سکتی ہیں۔" عمران بولا۔

"وہ کس طرح...؟"

"پکڑ لیں کسی ایک کو... بگدھر بھاگ کر جائیے گا بے چارہ۔"

"تم کبھی سمجھدہ بھی ہوتے ہو۔" وہ بگڑ گئی تھی۔

"صرف اسی وقت جب میرے ہاتھوں میں نامی گن ہو۔"

ایک جگہ غوری رُک کر ان کی طرف مڑا اور عزم ان سے بولا۔ "میں اپنے اپنے ساتھیوں کے تحفظ کے لئے تمہیں راستہ بتا رہا ہوں لیکن اس جگہ میں اپنے ساتھیوں کی آنکھوں پر باندھوں گا... وہ راستہ نہیں دیکھ سکتے... بھی ہمارا اصول ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں!" عمران نے کہہ کر ڈان فاگان کی طرف دیکھا جس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں غوری کے بیان کی تصدیق کر دی۔

ڈینی والی دیوانوں کی طرح عمران کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اس کے سر کس کی تینوں لڑکیاں اے داپس مل گئی تھیں۔

"میری بات سنو۔" عمران اس کا شانہ پکڑ کر سمجھوڑتا ہوا بولا۔ "اب ان تینوں کو ایک ذیہہ میں بند کر کے کسی بینک کے سیف ڈیپاٹ لا کر میں رکھوادو...!"

"کیوں... کیا مطلب...؟"

ایک ایسے آدمی کو یہ تینوں پسند آ گئیں میں جوان کی قبروں میں بھی گھس جائے گا۔" "بتت... تو پھر میں کیا کروں۔"

"مقدمہ میں ختم کر دوں گا... تم اپنے سر کس سیست بیان سے روپچکر ہو جاؤ۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا ماسٹر عمران...!"

"تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔"

"رینا کی زبان پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں۔"

"زولہ، ہو گیا ہو گا... جو شاندہ پڑا وہ... اچھا... ٹاٹا...!"

"میں تمہارے لئے لیا کروں...؟"

"ایک پکٹ چوپنگ مانگوادو...!"

ڈینی سے پچھا چھڑا کر وہ اپنے ہوٹل میں واپس آیا۔ ظفر اور جیسن اس کے مفترض تھے۔ جیسن واپسی سے رخصت کر دیا گیا تھا۔

"آپ کے لئے کسی کا خط ہے؟" ظفر الملک نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر عمران کی طرف ٹھانے ہوئے کہا۔

"کون لایا تھا...؟" عمران چونک کر بولا۔

"ایک لڑکی...!"

عمران نے لفافے کو والٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر اس کا نام تحریر تھا۔ پھر خط نکالا... کسی نے لکھا تھا۔

ہی سوچ بچار میں پڑ جائیں۔“

”اے نہیں....!“ عمران لاپرواں سے شانے جھک کر بولا۔ ”بس ذرا ان لڑکوں کی رف سے تشویش ہے۔ وہ انہیں سردار گڑھ سے باہر نہیں جانے دے گا۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔؟“

”ایسی ہی بات ہے۔ سنگ ان مجرموں میں سے ہے جو ساری دنیا کو خالہ جی کا گھر سمجھتے ہیں.... اب یہی دیکھو.... پتا نہیں کب سے سردار گڑھ میں مقیم ہے۔! خاصی شہرت بھی رکھتا ہے.... لیکن پولیس سورہ ہی ہے۔!“

”لہاں ہے؟“ ظفر نے پوچھا۔

”فی الحال خاموشی اختیار کرو.... چھتری چھڑا کا لطف تو کچھ اس کے ساتھ آتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہو تو تینوں لڑکوں کو میرے پاس پہنچاو۔ دو دن کی مهلت دی ہے۔“

”کمال ہے! آپ کو چیلنج کر رہا ہے۔“ جیمن بولا۔

”پرانی جان پہچان ہے۔ پچاہنا کر چھوڑ دیا ہے.... خیر چھوڑو.... چلو کسی کلب میں.... ریگی بالائزڈ پوس کریں۔“

”میں اپنا بازو دہل نہیں سکتا۔“ جیمن بولا۔

”میں بازو دہلتا رہوں گا.... فکر نہ کرو....!“

”ریگی ثابت....!“ ظفر جیمن کو گھورتا ہوا بولا۔ ”دوسرے بازو بھی توڑ دوں گا.... اس نام سے الرجح ہو گیا ہوں.... چلو.... چلو سرکس دیکھیں گے....!“

”جی.... ای....!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”وہ لڑکیاں اب وہاں نہیں ہیں.... بیکل تشریف رکھے۔“

جیمن نے ظفر کو دیکھ کر دانت نکال دیئے.... اور ظفر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا....!

”اوہ.... لگ.... کیسے....؟“

”فکر نہ کرو.... اس بار میں نہیں... یا.... وہ نہیں۔“

”تو.... وہ سستی....!“

”کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں.... وہ چاروں بھی اس سلسلے میں اپنی زبان رکھیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ شہر مجھے جہنم کا غمونہ بن جائے۔“

عمران نے بے خیالی میں ایک اور پیس منہ میں ڈال لیا۔

”یور میخی! پچھے تھکر معلوم ہوتے ہیں۔“ جیمن بولا۔ ”کیا وہ ایسا ہی ہے کہ آپ ا

”بھتجنے!“

تمہارا یہ حرangi پن ایک آنکھ نہیں بھایا۔ کیا ضروری ہے کہ ہر معاملے میں ناگز ازا پھرزو.... میرا خیال ہے کہ مجھ تھماری شامت آئی ہے.... میرے چاروں آدمیوں کو نہ طور پر رہائی ملنی چاہئے.... ورنہ پورے سردار گڑھ کو جہنم بناؤ کر کہ دوں گا۔..... مجھے علم ہے تم ”الرشد“ بھی ہو آئے ہو.... میں اب بھی اس عمارت میں مقیم ہوں.... تینوں لڑاکھی میری ہیں.... وہ سردار گڑھ سے باہر نہیں جا سکیں گی.... مناسب ہو گا کہ تم ہی انہیں ”الرشد“ پہنچاو۔ دو دن کی مهلت دیتا ہوں.... اگر پولیس نے ”الرشد“ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت کی، تو سردار گڑھ کے سینکڑوں باشندے.... رائقلیں لے کر ٹوٹ پڑیں گے۔ تو اچھی طرح جانتے ہو۔! میں یہاں بھی مرشد کہلاتا ہوں۔

تم سے بے حد پیار

تمہارا پچا

عمران نے مخفی سانس لی اور خط لفافے میں رکھ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے.... آپ بے حد سنجیدہ نظر آ رہے ہیں....!“ ظفر بولا۔

عمران نے جیب سے چیو نگم کا پیکٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر اسے آہستہ آہ رہا۔... پھر ظفر سے بولا۔ ”کھلیں اب شروع ہو گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”سنگ ہی....!“

”اوہ.... لگ.... کیسے....؟“

”فکر نہ کرو.... اس بار میں نہیں... یا.... وہ نہیں۔“

پیشہ

جب دشمن درپے آزار ہو تو کوئی خالی نہیں چھوڑتا۔ قدم
قدم پر سازشوں کے جال بچاتا ہے اور ہم اس لئے ان میں چھنتے
چلتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپس کے تنازعات ہی سے فرصت
نہیں ملتی۔ ہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے نیتوں پر شہبہ کرنا
ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ کسی کی زبان سے کوئی بات نکلی اور
سامنے والے نے اس میں تاریک پہلو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب
ذہنی انتشار کا یہ عالم ہو تو کوئی بھی ہماری عقولوں کا شکار کر سکتا ہے۔
ہم دشمن کے ایجنسیوں کو بھی اپنا ہمدرد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وجہ صاف
ظاہر ہے دشمن کے ایجنسٹ ہماری اس ذہنیت سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں
کہ ہمیں اپنے بھائی پر اعتماد نہیں رہا۔ یہی بے اعتباری دشمن کے
ایجنسٹ کا آلہ کار بنتی ہے۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھارے ہیں لیکن
عقل بدستور "میڈیکل یو" پر ہے۔

بہر حال اس کہانی میں یہی سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ
دشمن بعض اوقات غیر ملکی کرائے کے طویلوں سے بھی کام نکالنے کی
کوشش کرتا ہے اور وہ ہمارے دوست ملکوں سے ہمارے تعلقات

پھر وہی آواز

(دوسری حصہ)

الرشد بڑی شاندار عمارت تھی۔ محل و قوع ایسا تھا کہ سردار گذھ کے ہر حصے سے دکھائی دیتی تھی۔

اوپنے اوپنے درختوں کے درمیان اس کی بالائی منزل کی روشنیاں انہی رات میں ایسی لگتی تھیں جیسے آتش بازی چھوٹ رہی ہو۔

ایک سال پہلے یہ عمارت تاریک اور دیران رہا کرتی تھی۔ اس کا نام المرشد بھی نہیں تھا۔ عمارت دوسری عالم گیر جنگ کے دوران میں تعمیر ہوئی تھی اور اس کا نام ہنی مون پیلس رکھا گیا تھا۔ یہ دراصل ایک فوجی ٹھیکیڈار کی ملکیت تھی۔ بن کر تیار ہوئی تھی تو ایک ایسے فوجی افسر کو کرائے پر دے دی گئی جس کی نئی نئی شلوٹی ہوئی تھی۔ انگریزی کرتل تھا۔ اس کی خوش نوی طبع ہی کی خاطر اس کا نام ہنی مون پیلس رکھا گیا تھا۔

پھر یہ عمارت دو ماہ بعد ہی خالی ہو گئی تھی۔ کیونکہ ایک صبح کرتل اور اس کی بیوی مردہ پائے گئے تھے۔ کسی نے انہیں زبردے دیا تھا۔ اس کے بعد چھ ماہ تک خالی پڑی رہی تھی۔

دوسرے یہ زمان میں کسی بڑے سرمایہ دار نے اسے کرائے پر لیا۔ لیکن اس کا خاندان وہاں ایک بیٹھنے سے زیادہ قیام نہ کر سکا تھا۔ کیونکہ وہ اسے آسیب زدہ معلوم ہوئی تھی۔

بہر حال یکے بعد دیگرے کئی کرائے دار آئے تھے اور آسیب زدگی ہی کی بناء پر وہاں مقیم نہیں رہ سکے تھے۔

پھر اچانک ایک سال پہلے کسی "مرشد" کے بیویوں نے اسے خریدا اور ہنی مون پیلس کی بجائے اس کا نام "الرشد" رکھ دیا۔

خراب کرادینے کے لئے نت نئی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکیوں پر ہمیں کڑی نظر رکھنی چاہئے۔

اس کہانی میں عمران نے ایک براکار نامہ انجام دیا ہے۔ دیکھئے کہ وہ سنگ ہی سے کس طرح پہنچتا ہے۔

کیا یہ کہانی ویسی ہی نہیں ہے جیسی آپ چاہتے ہیں۔ اس میں آپ کو ایڈوپچر، سپنس اور ایکشن سب ہی ملے گا۔ سنگ بیجد مختلط رہا ہے۔ کھل کر عمران کے مقابلے پر نہیں آیا۔ اس کے گرد جس قسم کا جال پھیلا تراہا اس کا تقاضا بھی تھا کہ دور ہی سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھتا۔ پھر کیا؟ وہ اپنی تگ و دو میں کامیاب ہو سکا تھا۔ عمران بروقت چوکٹا ہے اور سنگ کا سارا کیادھ اچوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ آئندہ ناول میں بھی عمران ہی سے ملتے۔ لیکن اس کا نیا روپ آپ کو چونکا دے گا۔

فلم "دھاکہ" سے متعلق استفسارات کے جواب میں عرض ہے کہ یہ تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے اور میں ابھی تک ظفر اور جیمن کے رو لنے سے مطمئن ہوں شاند آپ بھی فلم دیکھ کر یہی کہہ اٹھیں کہ بے شک ان دونوں کے علاوہ اور کوئی ان کرداروں پر پورا نہ اتر سکتا۔

این صفحہ

۱۹۷۲ء
۱۹ اکتوبر

پھر تو اس مرشد کی دھوم مچ گئی تھی۔ اس نے نہ صرف اس عمارت کو آسیب سے نجات دلائی تھی بلکہ آسیب زدہ ہنوں کی بھی صفائی کرنے لگا تھا۔ جو اس عمارت میں قدم رکھتا مرشد تھی ہی ہو رہتا۔ ان میں عورت مرد سب ہی شامل تھے۔ سردار گذھ کے سر بر آور دہ لوگ بھی روز رفتہ مرشد کے معقدین میں شامل ہوتے چلے گئے تھے۔ ان میں مقامی انتظامیہ کے بعض اعلیٰ عہدوںے دار بھی تھے۔

مرشد کی خصوصیت یہ تھی کہ کبھی کوئی نذرانہ قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے بر عکس ناداروں پر اپنی جیب سے خرچ کرتا۔ ”المرشد“ کا ایک دروازہ ”باب المراد“ کہلاتا تھا۔ جس پر حاجر مندوں کی بھیڑ رہتی تھی۔

”المرشد“ کے باہر سردار گذھ کے لوگ مرشد کے بارے میں کچھ اس قسم کی باتیں کرتے۔ ”بہت پہنچا ہوا ہے۔“

”دنیا کے سارے بُناہب کے بارے میں جانتا ہے اور ان پر سیر حاصل بحث کر سکتا ہے۔“
”دنیا کی درجنوں زبانیں اہل زبان کی طرح بول سکتا ہے۔“

”غیب کی باتیں بتاتا ہے۔“

”بوتلوں پر بوتلیں خالی کرتا چلا جاتا ہے لیکن نشہ نہیں ہوتا۔“
”اڑے میاں تم کیا جانو کیا پیتا ہے یہ اہل اللہ ہیں.... ظاہر ایسی حرکتیں اس لئے کرتے ہیں کہ دنیا والے انہیں بُرا سمجھ کر ان سے دور رہیں تاکہ ان کے وظائف میں خلل نہ پڑ سکے۔“
”عورتوں سے چھیر خالی بھی تو کرتا ہے۔“

”سب میں ایک ہی جلوہ دیکھنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اچھا بتاؤ.... کبھی کسی عورت۔ اس کی چھیر خالی کا بُرا بھی مانا۔“

”ہاں.... یہ بات تو ہے.... وہ تو اس کے گرد پرونوں کی طرح پھرتی ہیں۔“
”ذرا آپ خود کسی عورت سے چھیر خالی کر کے دیکھتے۔“

”مجھے تو اس پر حیرت ہوتی ہے۔ اتنا دبلا پٹلا اور اتنا طاقت ور....!“
”وہ کیسے بھائی۔....؟“

”بھولا پہلوان سردار گذھ کی ناگ نہیں۔ ذرا اس سے پوچھو کہ مرشد سے صافی کے بعد۔“

دنوں تک اپنے ہاتھ کی ماش کرتا رہا تھا۔

”جو حاجت لے کر جاؤ پوری ہوتی ہے۔“

”خوب یاد آیا۔.... پہلے دنوں ایک قاتل کے لئے پولیس نے سردار گذھ کی ناکہ بندی کی کہ وہ بیہاں سے نکل کر نہ جانے پائے وہ جھپٹا چھپا تا مرشد کے پاس جا پہنچا اس کے بعد پہنچا اس کی میں اتنی ہمت ہے کہ وہ مرشد سے کچھ پوچھ سکے۔“

”تو اس کا مطلب یہ کہ وہ مجرموں کی پشت پناہی کر کے قانون میگنی کا مرکب رہا ہے۔“

”چشم ظاہر ہیں کے بُس کاروگ نہیں کہ حقیقت تک پہنچ سکے تم دیکھ لینا کہ وہ ایک دن ولی اللہ بن کر المرشد سے برآمد ہو گا۔“

ایسی قسم کی بہتری باتیں مرشد سے منسوب کی جاتی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ اپنے تھیاتیت مندوں کے حلقوں میں بیٹھ کر علانية شراب نوشی کرتا تھا۔ لیکن کسی کی کان پر جوں نہیں رہیں تھی کسی کا دل اس کی عقیدت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

نرین بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے تھی۔ سردار گذھ کے اس بیک سے اس کا تعلق تھا جہاں غیر ملکی کرنی کا کاروبار ہوتا تھا۔ ٹوور سٹ وہیں اپنے ڈالر اور پونڈ بدلواتے۔ ایک دن ہوا یہ کہ نرین کی تحویل سے پانچ سو ڈالر کے نوٹ غائب ہو گئے۔ بے حد پریشانی کی بات تھی۔ پانچ سو ڈالر کہاں سے حاصل کئے جاسکتے تھے۔ کی پوری کیسے بغیر اس پر عین کا مقدمہ قائم ہو سکتا تھا۔ ملازمت الگ جاتی۔ اس پر ایک بوڑھی ماں اور دو چھوٹے بھائیوں کا بار تھا۔ باپ کے سامنے سے بھیپن ہی میں حروم ہو گئی تھی۔ ماں نے کسی نہ کسی طرح اسے تعلیم دلوائی تھی۔ پھر کیا بار سونخ رشتہ دار کی کوششوں سے اسے بیک کی ملازمت مل گئی تھی اور یہ چھوٹا سا کنبہ کسی قدر خوش حالی کے ساتھ زندگی بر کرنے لگا تھا۔ لیکن اس تازہ افقار نے نرین کے حواس گم کر دیئے۔ وصول کی ہوئی رقمات وہ ضرف چوہیں گھنٹے تک اپنی تحویل میں رکھ سکتی تھی۔ اس کے بعد انہیں ہیئت آفس بھجوانا ہوتا تھا۔ وہ بُری طرح نزوں ہو گئی تھی۔ اچاک اسے ”المرشد“ کے ”باب المراد“ کا خیال آیا۔

اور پھر وہ وہیں جا پہنچی تھی۔

"ہوں.... اچھا.... میں سمجھ گیا.... تم بہت شریف اور نیک لڑکی ہو....! نوٹ خود اُسی نے غائب کرنے ہوں گے.... اچھا جاؤ.... اسے بھی سزا ملے گی!"
وہ بد حواسی کے عالم میں باہر نکلی تھی۔ لان پر سے اپنا بیگ اٹھا تھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

مرشد کی پہاپت کے مطابق گھر پہنچ کر ہی بیگ کھولا تھا۔ مطلوبہ فارن کرنی بیگ میں موجود تھی۔ پھر وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی جیسے کسی قریبی عزیز کی موت واقع ہو گئی ہو۔

دوسرا صبح جب بینک پہنچی تو ایک حیرت انگیز خبر پہلے ہی سے اُس کی منتظر تھی۔ میجر کے ایک نبی ملازم نے ایک پیکٹ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "میجر صاحب نے دیا ہے۔ کل رات کو ان کی گاڑی کا ایک یہ نٹ ہو گیا ہے۔ اپتال میں داخل ہیں۔ بہت جو میں آئی ہیں!"

کاؤنٹر پہنچ کر اس نے پیکٹ کھولا تھا اور متھیرہ گئی تھی۔ اس میں پانچ سو ڈالر کے وہ نوٹ موجود تھے جو پچھلے دن دراز سے غائب ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک پر زہ بھی تھا جس پر میجر نے لکھا تھا۔ "کل تم یہ نوٹ کاؤنٹر پر بھول گئی تھیں۔ بھجوار ہوں۔ میرے لئے دعا کرو۔..."

بہت زخمی ہو گیا ہوں....!"

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو تیرنے لگے اور دل مرشد کی عقیدت سے لبریز ہو گیا۔ اسی شام کو وہ بھر مرشد جا پہنچی تھی۔ مرشد کے عطا کئے ہوئے نوٹ اس کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے نئی رواداد ہرائی تھی۔

"تو پھر.... اب میں ان کا کیا کروں.... جو تمہیں مل گیا وہ تمہارا ہے۔!" مرشد نے کہا۔ "کسی دوسرے مستحق کے کام آئیں گے۔ میرا کام نکل گیا۔ میں صرف اپنی محنت کا کھانا چاہتی ہوں۔ دیسے مجھے اجازت دیجئے کہ کبھی کبھی زیارت کے لئے حاضری دیا کروں۔!"

"المرشد کے دروازے ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں تمہارے لئے دعا کروں گا!"

پھر وہ کبھی کبھی مرشد جاتی رہی تھی۔ وہاں سرداز گذھ کے تعلیم یافتہ اور دولت مند گرونوں کی اور بھی خواتین موجود ہوتی تھیں۔

اس کے طبق میں عورت اور مرد سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔ کوئی کسی سے اجتناب نہیں

مرشد کا ایک مرید ناداروں میں کھانے پینے کی چیزیں اور رقومات تقسیم کر رہا تھا۔ وہ انہیں حاجت مندوں کی لائیں میں کھڑی ہو گئی۔

مرید نے اسے حیرت سے دیکھا تھا کیونکہ وہ ناداروں میں سے نہیں معلوم ہوتی تھی۔ "فرمائیے....!" اس نے بڑے ادب سے پوچھا تھا۔

"میں اپنی حاجت مرشد ہی کو بتا سکتی ہوں۔!"

"بہتر ہے.... آپ اس دروازے سے اندر تشریف لے جائیے۔!"

"لیکن میں سب کے سامنے کس طرح کہوں گی۔!"

"میں سمجھتا ہوں۔ اسی لئے اس دروازے سے بھیج رہا ہوں۔ جب آپ کمرے میں پہنچیں گی تو مرشد کو خود بخود اطلاع ہو جائے گی کہ کوئی تھائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔!"

وہ اس کمرے میں پہنچی ہی تھی کہ ایک دبل پلٹا اور لمبا آدمی بائیں طرف کے دروازے سے داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سنہرے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں برتنی تقویں کی طرح روشن تھیں۔

بے حد نرم آواز میں اس نے نرین کو مخاطب کیا۔ "کیا چاہتی ہو....؟"

وہ بد حواسی کے عالم میں اپنی پہنچاہرائے گئی۔

"اپنا بیک.... باہر لان پر پہنچن آؤ۔ غیب سے مدد ہو گی۔!"

وہ باہر گئی اور بیک لان پر پہنچن آئی تھی۔

مرشد آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔ واپس آ کر وہ بھی چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

تموڑی دیر بعد مرشد نے آنکھیں کھولیں تھیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"بیگ اٹھا کر سید ہی گھر جانا اور وہیں کھول کر دیکھنا.... جاؤ....!"

وہ جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ مرشد ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھہر و.... تم نے پولیس کو کیوں

نہیں مطلع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ نوٹ تمہارے بیک نیک کے کسی آدمی نے اڑائے ہوں گے۔!"

"سب سے پہلے میجر کو مطلع کرنا پڑتا۔!" وہ روہانی ہو کر بولی۔

"تو پھر کیوں نہیں کیا تھا....؟"

"وہ سبکی تو چاہتا ہے کہ میں گزر گزاتی ہوئی اس کے قدموں پر سر رکھ دوں۔!"

پچھے جاؤ۔ شہر و... میں تمہیں کچھ پینے کو دیتی ہوں۔ اس سے اعصابی تناول کم ہو جائے گا۔“
وہ اسے وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس عورت کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسی عمارت میں رہتی ہو۔

نرین مرشد کے بارے میں سوچتی رہی لیکن ذر کے مارے کوئی بُری بات نہ سوچ سکی۔ وہ تو خیالات پڑھ لیتا ہے۔ آج کا تجربہ حیرت انگیز تھا۔ وہ روشن ضمیر وہ کہانیاں سننی آئی تھی۔ لیکن انہیں حقیقت سمجھ لینے پر کبھی تیار نہیں ہوئی تھی۔

”اب کیا حال ہے....؟“ عورت کی آواز سن کر چونکہ پڑی۔ وہ کسی مشروب کا گلاس لئے ہوئے واپس آگئی تھی۔

”ٹھیک ہوں....!“ نرین نے دبی دبی سی آواز میں کہا۔
”یہ لو....! ذرا سی دیر میں معقول پر آجائو۔“

اس نے گلاس اس سے لے لیا۔ دور ہتھ سے مشروب کی مسحور کن خوشبو آئی تھی۔ لذیذ بھی ثابت ہوا۔ ہر گونوں سکون بخش رہا تھا۔ ذہن پر چھائی ہوئی و حشت حیرت انگیز طور پر زائل ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن پھر ذرا ہی کی دری میں محسوس ہونے لگا جیسے اس میں ہاتھ پر ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ سکون ہی سکون۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ دیکھ رہی تھی۔ ... سن رہی تھی۔ ... لیکن جب اس عورت نے کہا۔ ”آہو.... چل کر وہیں بیٹھیں....!“ تو وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکی۔

”آچھا۔ آچھا۔ میں سمجھی۔ ابھی تھکن دور نہیں ہوئی۔“ عورت نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ اس نے جواب میں اپنی کیفیت بتائی چاہی تھی۔ لیکن جو کچھ کہنا جاہتی تھی ذہن ہی میں چکرا کر کرہ گیا زبان جبکش نہ کر سکی۔

”میں ابھی آئی۔...!“ کہتی ہوئی وہ عورت کمرے سے چلی گئی۔
سکون....! سکون ہی سکون۔... نہ کوئی فکر.... نہ کوئی اندریشہ....! ایک لذت انگیز سخنی رُگ دپے میں جاری و ساری تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا سارا وجود پکھل کر آرام کر سکے گل دیلوں میں جذب ہو جائے گا۔

کرتا تھا۔ خود بیٹھا شراب پیتا رہتا تھا۔ لیکن اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہاں اس حلقو میں شراب پی سکتا۔

مرشد پیتا رہتا اور اس کی نہ رکنے والی زبان خوب صورت الفاظ کی بارش کرتی رہتی سر جا اور سجان اللہ کا غلغله سامنے کی طرف سے بلند ہوتا۔ اس وقت بھی وہ بڑی دھوان دھار تقریر کر رہا تھا۔ ہر اساتخت تھا جس پر بیش قیمت قالیں بچا ہوا تھا اور گاؤں تکے نے ٹیک لگائے وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے نیچے فرش پر بیٹھنے والے معتقدین اس کے پشتی غلام ہوں۔ ان میں نرین بھی تھی اور شروع ہی سے محسوس کرتی رہی تھی کہ مرشد صرف اسی دیکھتا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد یہ سوچ کر اسے دشت ہونے لگی کہ دوسرے بھی اسے محسوس کر رہے ہوں گے۔
دفعۂ مرشد مسکرایا اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”لڑکی بُری بات یہاں کون ہے جو میرے بارے میں کوئی بُری بات سوچ سکے۔“

نرین بوکھلا گئی۔ کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ مرشد اتنا کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن مجھ نرین کو گھوڑنے لگا۔
”اپنی نظریں پیچی کرلو....!“ اچانک مرشد تیز لمحے میں بولا۔ ”یہاں سب برابر ہیں۔“
معتقدین نے اپنے سر جھکائے۔ مرشد پھر بولا۔ ”یہاں کوئی کسی کو شرمندہ نہیں کر سکتا۔“
نرین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ لوگ اس کے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہے ہوں۔ ٹھیک اسی وقت قریب بیٹھی ہوئی عورت نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

”اٹھ چلو....!“ اس نے آہتہ سے اس کے کان میں کہا اور ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
سموں کے سر بھکے ہوئے تھے اور اب ایک تنفس بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔
وہ عورت اسے بائیں جانب کے ایک دروازے سے دوسرے کمرے میں لائی اور اس کا پشت پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ”گھبراؤ نہیں۔“ مرشد تمہیں کچھ تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ہر ایک کو خصوصیت سے مخاطب نہیں کرتے۔ جسے یہ شرف حاصل ہو جائے اسے اپنی قسمت پر نماز کرنا چاہئے۔“

”م۔۔۔ میں نہیں۔۔۔ سمجھی۔۔۔!“ نرین ہکلائی۔
”بیٹھ جاؤ۔۔۔!“ وہ اسے مسہری کے قریب پڑی ہوئی آرام کر سی پر بٹھاتی ہوئی بولی۔ ”سب

نہیں سے باہر نکل کر دونوں جیپ میں بیٹھے... عمران ہی ڈرائیور رہا تھا۔

”پچھے تو بتاؤ ماشر.... میں بہت پریشان ہوں....!“

”مونتی کار اکی شکل دیکھ کر تمہاری پچیس سالہ محبت دم توڑ دے گی۔ کیا وہ فرانسیسی ہے؟“

”ایگلو فرنچ.... اُس کا باپ انگریز تھا۔ مان فرانسیسی....!“

”اور عاشق.... الف سے الو....!“

”پچھے بتاؤ بھی تو....!“ ڈینی اپنے سر پر دھکڑہ مارتا ہوا چیخا۔

”اس کے چہرے پر بڑے بڑے سیاہ دھبے پڑ گئے ہیں اور وہ کسی کو اپنا منہ دکھانے پر تیار

نہیں۔ ایک جگہ پولیس کو بیہو ش پڑی ملی تھی۔!“

”گک.... کہاں.... کس جگہ....?“

”اسی سڑک پر جس سے گذر کر وہ سردار گذھ سے باہر جا رہی تھیں۔ گاڑی میں وہ تنہا ملی

تھی۔ اُس کا بیان ہے کہ ایک جگہ سڑک پر رکاوٹ دیکھ کر اُس نے گاڑی روکی تھی۔ پھر اسے یاد

نہیں کہ کیا ہوا۔!“

”بب.... بہت برا ہوا....!“

”اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں یچے دھکیل کر پہیہ چڑھا دوں۔!“

”بھی کرو ماشر.... میں شکر گزار ہوں گا۔ وہ خود ہی سر نہوئی تھی۔ میں تو نہیں چاہتا تھا کہ نہیں

گی میں بحفاظت نکال لے جاؤں گی۔!“

”تو تم نے اُسے بھی سارے حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔“

”بس بھی غلطی ہوئی۔!“

”تم پہلے نہیں ہو....! اسارے عاشق اس بسلسلے میں بیتم العقل ہوتے ہیں۔ اپناسارا کچھا

محبوبوں کے گوش گزار کر بنا فرض منصی سمجھتے ہیں۔!“

ڈینی کچھ نہ بولا۔ پولیس اسٹشن پر بیچ کر عمران نے گاڑی روکی اور ڈینی سے اترنے کو کہا۔

”آخر مجھے بیہاں کیوں لائے ہو۔ اب کیا رکھا ہے....!“ ڈینی بڑا تباہا ہوا گاڑی سے اتر اعمراں

اسے اس کرے میں لایا جاں وہ ادھیر فرانسیسی عورت دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

”دیکھا.... تم نے۔?“ ڈینی دانت پیس کر بولا۔ ”میں منع کر رہا تھا۔!“

عمران نے ڈینی والن کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”تم پھر سے جوان ہو رہے ہو.... اور یہ اچھی بات نہیں۔!“

”بھلام نے کس بات سے اندازہ لگایا ماشر....?“

”تمہارے سر کس کا کوئی مخزہ کل کہہ رہا تھا۔!“

”کس بناء پر کہہ رہا ہے....?“

”مونتی کار اکون ہے....?“

ڈینی جو نک کر عمران کو گھوڑنے لگا۔ پھر اُس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے۔ برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”ماشر.... میری عادت نہیں ہے کہ ابھائی قریبی دوستوں کے نجی معاملات میں بھی دخل اندازی کروں اور اپنے لئے بھی بھی پسند کر تاہوں۔!“

”ہوں....!“ عمران نے اسے بغور دیکھتے ہوئے طویل سانس لی اور چند لمحے خاموش رہ کر سوال کیا۔ ”تیوں لڑکیاں کہاں ہیں....?“

”وہ بحفاظت سردار گذھ سے نکل گئی ہوں گی۔!“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا....!“

”مونتی کار اکو میں پچیس بر سر سے جاتا ہوں۔ میک اپ کی ماہر ہے۔ لڑکیوں کی شکلیں تبدیل کر کے بیہاں سے نکال لے گئی۔!“

”تم نے میرے مشورے کے بغیر یہ قدم کیوں المھلیا....?“

”لڑکیوں کو داؤں پر نہیں لگانا چاہتا تھا۔!“

”وہ لگ گئی بوڑھے بیٹے....!“

”گک.... کیا مطلب....?“

”آؤ....! میرے ساتھ اپنی آؤٹ آف ڈیٹ محبوبہ مونتی کار اکا حشر بھی دیکھ لو۔!“

”گک.... کیا ہوا.... مجھے بتاؤ تو....!“

”بس دیکھ لینا اپنے نجی معاملے کو....!“

”یہاں سے چلے جاؤ... میں کسی سے بھی نہیں مٹا جا سکتی...!“ وہ چہرے سے ہاتھ ہٹانے لغیر بولی۔

”ہاں مجھے تو جہنم رسید کرہی چکیں....!“ ذینی غریا۔

”میں کہتی ہوں چلے جاؤ...!“ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے سے ہاتھ بھی ہٹانے۔ اس کے گالوں پر بڑے بڑے سیاہ دھبے تھے۔

”یہ... یہ... لگ کے... کیسے... ہوا...؟“

”میں کچھ نہیں جانتی... یہاں سے چلے جاؤ...!“

”اور کیا...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ایسی ٹکل دیکھنے سے کیا فائدہ... جاؤ... دفع ہو جاؤ۔“

اس نے ذینی کو دھکیل کر کمرے سے باہر کر دیا اور دروازہ بند کر کے موٹی کار کی طرف ہڑا۔

”اے کب سے جانتی ہو جس کے لئے تم نے یہ کارتامہ انعام دیا ہے۔“

”کیا مطلب....؟“

”مطلوب تم اچھی طرح جانتی ہو...!“

”میں کچھ نہیں جانتی...! میرا چہرہ دیکھو میں کسی کو منہد کھانے کے قابل نہیں رہی۔“

”مجھے تمہارے چہرے سے کوئی دل چھپی نہیں...! میں صرف یہ جانا چاہتا ہوں کہ تم ان لوگوں کو کب سے جانتی ہو۔“

”میں یہاں ذینی کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتی جو کچھ بھی کیا تھا اسی کی ہمدردی میں کیا تھا۔“

”چلو ٹھیک ہے....! لیکن وہ تمہارا چہرہ کیوں پکا گئے....؟“

”تمہیں بتاؤ....! اگر میں اس سازش میں ملوث ہوتی تو میرا اپنا حشریہ کیوں ہوتا۔“

”شبے سے بالاتر ہونے کے لئے یہ ضروری تھا۔“

”کیا مطلب....؟“

”کتنی رقم وصول ہوئی تھی اس کے عوض....؟“

”یہ الزام ہے....!“

”اچھی بات ہے....! اب تم اس کمرے سے حوالات میں منتقل کر دی جاؤ گی اور ضمانت بھی رہائی نصیب نہ ہو سکے گی۔“

”یہ زیادتی ہے.... سراسر ظلم ہے.... بلا ذہنی کو...!“

”اب اس سے تمہاری ملاقات خسر ہی کے دن ہو گی۔!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنسی دی اور دروازے کی طرف ہڑا۔

باہر نکل کر اس نے ذینی سے کہا تھا۔ ”ہو سکتا ہے وہاب بھی تمہاری محبوہ ہو لیکن وہ تمہیں

جیسے بوزہا بھٹھے لگی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”وہ اس سازش میں شریک ہے۔!“

”یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا....!“

”حق پلا کر ماروں گا اگر یقین نہ کرو گے....!“

”مم... میری طبیعت ٹھیک نہیں.... میں واپس جانا چاہتا ہوں...!“

”بہر حال اب تمہارا اپنا کھلیل ختم ہو چکا ہے۔ تمہارے سلسلے میں مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”تینوں لڑکیاں واپس مل گئی تھیں۔!“

”میں سمجھتا ہوں....! ذینی مخدوشی سانس لے کر بولا اور واپسی کے لئے مڑاہی تھا کہ عمران

ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ٹھہر و... وہ تینوں لڑکیاں اس مقذہ سے میں گواہ کی حیثیت رکھتی تھیں جو تمہاری

حلاقت کی بنا پر غائب ہو گئیں۔ لہذا ان کی پابندیاں تک اس پار تمہاری ضمانت بھی منظور نہ ہو گی۔!“

”لیکن.... کہ میں پھر...! ذینی ہٹکلیا۔“

”فی الحال.... میری سفارش پر تم اپنی محبوہ ہی کے ساتھ بند کئے جاؤ گے۔!“ ذینی خاموش

کر اپلکش بچکا تارہ۔

”اُس سے اعتراض کراؤ کہ وہ مجرموں کی آلہ کار ہے۔!“ عمران اس سے قریب ہو کر آہستہ

سے بولا۔

”میں دیکھوں گا....! ذینی اسے خالی خالی نظر وہ سے دیکھتا ہوا بڑھ لیا۔

عمران اسے دیکھ چوڑ کر باہر نکلا تھا اور جیپ میں بیٹھ کر اسے اشارہ کرنے والہ تھا کہ

ایک گاڑی سامنے آر کی ہے جس سے ڈرائیور کو رہا تھا۔ عمران کو رکنے کا اشارہ کرنے کے لئے اس نے

ہاتھ اٹھایا اور گاڑی سے کوڈ کر دوڑتا ہوا قریب پہنچا۔
”ہر ہائی نس... اپنے کمرے سے غائب ہو گئے اور یہ دیکھئے...!“ اس نے عمران کی طرف
ایک پرچہ بڑھا دیا تھا۔

”پھر غائب...!“ عمران نے پرچہ پر ہاتھ مارتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔
پرچے میں تحریر تھا۔

”تمہارا یہ ساتھی تو بے حد زندہ دل ثابت ہوا۔ ایک چینل سی لڑکی اسے
میرے پاس لے آئی ہے۔ اگر میرے ساتھی رہا نہ کئے تو تمہارے
ساتھی کی لاش سردار گذھ ہی میں کہیں نہ کہیں ضرور پڑی ملے گی۔!“
عمران نے پرچہ پتلون کی جیب میں ٹھونٹتے ہوئے کہا۔ ”اب تم بھی کوئی چینل سی لڑکی
ٹلاش کرو جو اسے واپس لائے۔!“

”میں المرشد جا رہا ہوں....!“ جیسن نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”اے لڑکی لے گئی ہے اور تم ازراہ سعادت مندی خود ہی چلے جاؤ گے۔!“ عمران مایوسان
انداز میں سر بلکر بولا۔

”پھر کیا کروں گا... آپ تو پتا نہیں کیا کر رہے ہیں۔ جب معلوم ہے کہ وہ المرشد میں مقیم
ہے تو پھر کیا دشواری ہے۔!“

”میں خلوص دل سے شورہ دے رہا ہوں چلے جاؤ المرشد.... باب المراد والی لائن میں لگ
جانا۔ جب تم سے تمہاری حاجت پوچھی جائے تو کہہ دیتا کہ بس کی واپسی چاہتا ہوں۔!
”کیا آپ سمجھیں گی سے کہہ رہے ہیں...؟“

”بالکل...!“

”اچھی بات ہے... میں یہ بھی کر گرروں گا۔!
عمران نے ہاتھ ہلا کر اُسے گاڑی سے الگ ہٹالی۔ پھر گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔
جیسن ویس کھڑا رہ گیا وہ بُرا سامنہ بنائے دور ہوتی ہوئی گاڑی کو گھورے جا رہا تھا۔



المرشد کے باب المراد پر حاجت مندوں کا کیوں لگا ہوا تھا۔ جیسن اونٹ کی طرح منہ اٹھا۔

کپاڈ میں داخل ہوا اور لائن میں لگ گیا۔

جب اس کی باری آئی تو اس نے مرید سے نظر ملائے بغیر کہنا شروع کیا۔

”علم ہوش ربا کی ساقوں جلدیں۔ ایریج نامہ، لعل نامہ، صدی نامہ، کوچک باختر، بالا باختر
علم ہفت پیکر....!“

”میں نہیں سمجھا۔“ مرید نے مختبر انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور جیسن کو
نیچے سے اوپر تک دیکھ کر رہا گیا۔

”یہی میری حاجت ہے۔ آپ نہیں سمجھ سکے تو مجھے مرشد کے پاس لے چلنے۔!
اس دروازے سے اندر تشریف لے جائیے۔!“ مرید ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ جیسن
نے کسی قدر پچھا ہٹ کے ساتھ اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک عجیب الملاقات آدمی جیسن کے سامنے کھڑا تھا اور جیسن کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ اسے اس موقع پر بے ساختہ ہنس پڑنا چاہئے یا سمجھیں گی برقرار رکھنے کے لئے اداکاری کو
وغل دینا چاہئے۔

”کیا چاہتے ہو...؟“ مرشد نے بے حد نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

”میں ہر ہائی نس نوابزادہ ظفر الملک کا سیکر پیری ہوں اور ان کی واپسی چاہتا ہوں۔!“

”خوب.... کیا خود ہی آئے ہو...؟“

”میں نہیں.... گرو گھنٹاں نے بھیجا ہے۔!
”چے آدمی معلوم ہوتے ہو.... اس نے آخر کیا سمجھ کر تمہیں بھیجا ہے۔“

”میں آپ کا پرچہ لے کر ان کے پاس گیا.... کہنے لگے.... جاؤ.... باب المراد والی لائن
میں لگ جانا حاجت پوری ہو جائے گی۔!
”اچھی بات ہے.... آؤ میرے ساتھ۔!
جیسن اس کے پیچے پیچے چل رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر مرشد اس کی طرف مڑا اور بائیں

طرف اشادہ کر کے بولा۔ ”نوابزادے صاحب اس کرے میں تشریف رکھتے ہیں اگر وہ تشریف
لے جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔!
”میں نہیں سمجھا.... جتاب عالی....!“ جیسن نے بڑے ادب سے کہا۔

”تم اس لئے واپس جا رہے ہو کہ حاجت مند بن کر آئے تھے۔!“
 ”لیکن حاجت تو پوری نہیں ہوئی۔!“
 ”میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ جو چاہوں مل سکتا ہے۔!
 ”اچھا... مجھے وہ لڑکی دیتے دیجئے.... جو ہر ہائی فس کے ساتھ ناجائز ہی تھی۔!
 ”میا تم سمجھی گی سے کہہ رہے ہو....؟“ مرشد اسے گھورتا ہوا بولا۔
 ”میں بالکل سمجھیدہ ہوں یورہائی فس....!“
 ”اچھی بات ہے.... لیکن اگر کبھی تم یہ درخواست لے کر آئے کہ اے واپس لے لیا جائے
 تو پھر زندہ نہیں رہ سکو گے۔!
 ”بہت بہتر....!“

مرشد نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا تھا۔
 ظفر مرشد کو دیکھتے ہی اخڑانا جھکا تھا لڑکی اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ مرشد نے اسے باہر
 آنے کا شارة کیا۔ وہ ظفر کو ایک طرف ہٹا کر کرے سے نکل آئی۔
 ”تم اس کے ساتھ جاؤ۔!“ مرشد نے جیسن کی طرف ہاتھ انداز کر لڑکی سے کہا۔
 ظفر نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلانے ہی تھے کہ وہ بولا۔ ”تمہیں اس سے بھی زیادہ لکھ
 عطا کر دی جائے گی۔!
 ظفر نے پکانہ انداز میں دانت نکال کر اٹھاہرِ مسرت کیا تھا۔ جیسن نے اسے مایوسی سے دیکھا
 اور مرشد کا شکر یہ ادا کئے بغیر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔
 باہر نکل کر کپاڈنڈ کے چھانک کی طرف بڑھتا رہا۔ اس دوران میں ایک بار بھی مڑ کر پیچھے
 نکل دیکھا تھا۔ گاڑی کپاڈنڈ کے باہر کھڑی کی تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھے ہی رہا تھا کہ لڑکی دوسرا طرف کا دروازہ کھول کر نہایت اطمینان سے سیٹ پر
 فروٹس ہوتی ہوئی بولی۔ ”تم تجھ میں کسی سر کس کے روپ ہی کی طرح کٹھرے سے نکل جا گے ہو۔!
 ”گاڑی سے اتر جاؤ۔!“ جیسن غریبا۔

”میوں موت آئی ہے۔ اب مجھے بیہمیں چھوڑ کر گئے تو آدھار استہ بھی طے نہ کر سکو گے۔!
 ”میوں....؟“

”کمرے میں جاؤ۔ اور اسے لے جاؤ۔!“
 جیسن نے آگے بڑھ کر بند دروازے کو دھکا دیا۔
 دروازہ کھلتے ہی رقص کی موسیقی اس کے کان سہلاتی ہوئی کاریڈور میں بھی گونجنے لگی۔
 سامنے ہی ظفر الملک ایک سیاہ آسالڑی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔
 جیسن کمرے میں داخل ہو کر خاموش کھڑا رہا۔ ظفر الملک کی پشت اس کی طرف تھی۔
 ریڈ یو گرام موسیقی بکھیر رہا تھا۔ لڑکی جیسن کو دیکھتے ہی فس پڑی اور جیچ کر ظفر سے بولی۔ ”ریچو“
 ظفر تاپتے تاپتے جیسن کی طرف مڑا اور لکھ رک گیا۔
 ”یہ کون ہے اور یہاں کیوں آیا۔؟“ اس نے لڑکی کو مخاطب کر کے غصیل لمحے میں کھلہ
 ”رمیچھ ہے.... ڈارلنگ....!“ جواب ملا۔
 ”بآہر نکل جاؤ۔... بغیر اجازت کرے میں کیوں داخل ہوئے۔“ ظفر مکاتاں کر جیسن کا
 طرف چھپتا۔

”اڑے.... اڑے.... یورہائی فس....!“ جیسن بوکھلا کر پیچھے ہٹا تھا۔
 ”نکل جاؤ۔!“ ظفر حق پھاڑ کر دہڑا۔
 ”مم.... میں جیسن ہوں....!“
 ”میں کسی جیسن کو نہیں جانتا۔... نکل جاؤ۔!“
 ”اچھی بات ہے.... آپ مجھے بہت جلد جان جائیں گے....!“ جیسن دانت پیس کر با
 اور کمرے سے نکل آیا۔ دروازہ زور وار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔
 ”اڑے.... تم تو اس کے بغیر ہی واپس جا رہے ہو۔!“ پشت سے آواز آئی اور جیسن جہا
 پلٹ پلٹ۔
 مرشد کھڑا مسکرا رہا تھا۔
 ”جی ہاں.... انہیں ایک لڑکی نچار ہی ہے۔!“ جیسن اپنی جھنجblaہٹ پر قابو پانے کی کوشش
 کرتا ہوا بولا۔

”جو یہاں آ جاتا ہے واپس نہیں جانا چاہتا۔!
 ”میں تو واپس جا رہا ہوں....!“

”کہاں لے جاؤ گی۔!“
 ”بس دیکھ لینا۔!“
 ”تو پھر کہہ چلوں....؟“
 ”شہر ہی کی طرف چلتے رہو....!“
 جیسن پھر جھنجلاہٹ کا شکار ہو چلا تھا۔ بدقت خود پر قابو پاس کا۔
 کچھ دیر بعد لڑکی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولی۔ ”تم اتنے کھور ہو کہ تم نے ابھی تک میرا نام بھی نہیں پوچھا۔!“
 ”نام....؟“ جیسن نے خواہ مخواہ قہقہہ لگایا۔
 ”اس میں بہنے کی کیا بات ہے....؟“
 ”عورتوں کو بے نام ہونا چاہئے۔ میں نے آج تک کسی کا بھی نام معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ گھوڑی تیز دوڑتی ہے۔ رسیں کی ہوتی ہے تو نام بھی ہوتا ہے.... ورنہ صرف گھوڑی۔!“
 ”پتا نہیں کیا بک رہے ہو....!“
 ”ارے کیا تم کہیں کی ملکہ ہو کہ تمہارا نام بھی ہونا چاہئے۔!“
 ”میں آج سے تمہارے دل کی ملکہ ہوں۔ اپنا ہی نام بتادو۔!“
 ”جیسن....!“
 ”یہاں کیوں...؟“ وہ چونک کر بولی۔
 ”پیساںی.... میرا نہ ہب پیسہ ہے.... پتا نہیں آج کل کے لوگ مذہب کے چکر میں کیوں پڑتے ہیں۔!“
 ”کیوں نہ پڑیں۔!“
 ”تم کون ہو....؟“
 ”مسلمان....!“
 جیسن نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس بارہہ بُری طرح جھلا گئی۔
 ”میرا ناق ازار ہے ہو۔!“

”مرشد کا حکم... جب تک کہ وہ خود مجھے واپس نہ بلائیں مجھے تمہارے ہی ساتھ رہنا ہو گا۔“
 ”اچھی بات ہے۔!“ جیسن نتھے بچلا کر غصیلے لمحے میں بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
 ”تم کہاں رہتے ہو....؟“ لڑکی نے ٹھوڑی دیر بعد پوچھا۔
 ”جہنم میں....!“
 ”میں اسے تمہارے لئے جنت بتادوں گی۔!“
 ”خاموش بیٹھی رہو....!“
 ”آخر خناکیوں ہو....؟“
 ”تم نے مجھے ریچھ کہا تھا۔!“
 ”پرانی بات ہوئی۔ اب تو میں تمہیں شلامار باغ کہوں گی۔ اتنی خوبصورت اور تمازہ ڈالنے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔!“
 ”میرا ناق ازار ہی ہو....!“
 ”تم میں خوش طبعی بھی پیدا کر دوں گی۔!“
 ”تمہارا مرشد میری سمجھ میں نہیں آیا۔!“
 ”میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن اس کے احکامات کی تعییں ہی میں عافیت ہے۔!
 ”مجھے تو وہ کوئی بہت برا مجرم معلوم ہوتا ہے۔!“
 ”بکواس بند کرو....!“ لڑکی یک بیک پھر گئی۔ ”مرشد کے خلاف کوئی نامناسب لفظ زبان سے نکلا تو میں ہی تمہیں قتل کر دوں گی۔!
 جیسن نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ اس سے زبردست حماقت سرزد ہوئی تھی۔ مخفی اندازے کی غلطی نے اسے اس حال کو پہنچایا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ ظفر الملک بھی لڑکی کے بیچ دوڑا چلا آئے گا۔
 اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتا ہوا وہ ٹھوڑی دیر بعد بڑا یا۔ ”سوال تو یہ ہے کہ تمہارے کہاں لے جاؤں....؟“
 ”تمہاری شکل بھی ہے مجھے کہیں لے جانے کی۔ میں ہی لے جاؤں گی۔!“ لڑکی نہ اسامنے کر بولی۔

”تم خود مذاق ازار ہی ہوا پنا... یہ سلیو لس بلاڈر اور یہ کھال سے چپکا ہوا زیریں لباس اور یہ آوارہ گردی جب کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں سے انکی رہو اور اپنے سر دل پر... اور ہتھیار ڈالو...!“

”شٹ اپ... یو... ڈرٹی بیسٹ... میں مرشد کی کنواری ہوں۔ ابھی جل کر بھم ہو جاؤ گے۔ تم اپنی شکل دیکھو گندے پی...!“

”میں تو پیساٹی ہوں... میری بات ہی نہ کرو...!“
”دھنٹا لڑکی نہ پڑی... بنتی ہی رہی اور پھر بولی۔ ”اوہ میں تو یہ بھول ہی گئی تھی کہ تم بھو سے پچھا چھٹا لٹا چاہتے ہو... اب تمہاری کسی بات پر غصہ نہیں آئے گا۔“

جیسون نے پھر کنکھنا سا چڑھا بیلایا۔
پیچھے کسی گاڑی سے ہارن بجا کر اُن نے تیز رفتاری کا مطالبہ کیا گیا۔ اس جگہ سڑک اتنی

کشادہ نہیں تھی کہ دو گاڑیاں برا بر سے چل سکتیں۔
جیسون نے ایک سلیٹر پر مزید دباؤ دالا۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے... رفتار کم کرو...!“ لڑکی بولی۔ ”ہم ڈھلان پر جا رہے ہیں یہ گدھے تو ہارن بجائے ہی رہتے ہیں۔!“

جیسون نے رفتار کم کر دی۔ کچھ دیر بعد پھر پے درپے ہارن دیا جانے لگا۔
”اوہ... اچھا... میں سبق دیتا ہوں اس جنگلی کو...!“ جیسون دانت پیس کر بڑھا بڑایا۔
”کیا کرو گے...؟“

”گاڑی روک کر اس سے نپٹ لوں گا۔!“
”احقانہ حرکت ہو گی... بُل چپ چاپ چلتے رہو...!“

”ہارن کے ذریعہ وہ مجھے گالیاں دے رہا ہے۔!“
”پھر وہی بیو قوئی کی باشیں۔!“

لیکن اچاک جیسون نے گاڑی روک دی۔ البتہ مژکر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔
دوسری گاڑی شام کد ایک گز کے فاصلے پر رکی تھی اور اس کا ہارن مسلسل چیخ جا رہا تھا۔
”کیا کر رہے ہو...؟“ لڑکی جیسون کی طرف جھک کر بولی۔ اُس نے بھی ابھی تک مژکر

پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

جیسون کچھ نہ یولا۔ اس کا نچلا ہونٹ داتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں ونڈا سکریں پر تھیں۔

”دھنٹا چھپلی گاڑی سے آواز آئی۔“ کیا جھگڑا کرنے کا رادہ ہے....؟“

جیسون بے ساختہ چوک پڑا کیونکہ آواز عمران کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس

نے مزکر دیکھا ہی تھا کہ عمران نے آنکھ مار کر اُسے لکھا۔... ”جھگڑا کرنا ہے تو انزو نیچے...!“

اشارہ سمجھ کر جیسون نے گاڑی سے چھلانگ لکھا۔ لڑکی ہاں کرتی رہ گئی تھی۔ عمران اپنی

جیپ سے اتر کر چیختے گا۔ جیسون قریب پہنچا ہی تھا پھر قمل اس کے کہ عمران دوبارہ اس پر جھپٹتا لڑکی دونوں کے درمیان آگئی۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے...!“ وہ عمران کو گھونسہ دکھا کر چھپی۔

”اُرے... ارے... تم کون ہوتی ہو مردوں کے معاملات میں دخل دینے والی ہٹو سائنسے

سے میں اس کی بذریاں توڑوں گا۔!“ عمران ہاضم کی ایکنگ کرتا ہوا بولा۔

”تم خواہ جواہ ہارن کیوں بجارتے ہے۔!“

”میری بابی ہے...!“ عمران نے احقانہ انداز میں کھا اور لڑکی کی نظر بچا کر جیسون کو رو چکر

ہو جانے کا اشارہ کرتا ہوا بولा۔ ”گون روک سکتا ہے مجھے ہارن بجائے سے۔!“

”بد تیز ہو... عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔!“ لڑکی چھپی۔

”تم خود بد تیز ہو... مردوں سے آپ جتاب کر کے بات کرتے ہیں۔!“

”در امر د کی شکل دیکھو..!“ وہ عمران کے چہرے کے قریب ہاتھ لیجا کر طنزیہ لجھے میں بولی۔

پھر اچاک جیسون گاڑی لے بھاگا تھا۔

”اُرے... ارے!“ کرتی ہوئی وہ مڑی اور کچھ دور تک گاڑی کے پیچھے دوڑتی چلی گئی تھی۔



عمران نہایت اطمینان سے جیپ میں جا بیٹھا۔ لڑکی اگلے موڑ پر نظر دوں سے او جھل ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ لہذا پھر نیچے اتر اور جیپ کا بونٹ اٹھا کر پرزوں

سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دوڑتے ہوئے قد مون کی آہنیں سنی تھیں اور مرکر دیکھنے لگا تھا۔
لڑکی اس کی طرف دوڑتی آرہی تھی۔ قریب پہنچ کر رکی اور زور زور سے ہاتھ لگی۔

چھاٹی پر دوڑتی ہوئی آئی تھی اس نے سانسوں پر قابو پانا اس کے لئے دشوار ہوا۔
تم عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”دیکھا کتنا داہیات آدمی خاص کے لئے تم مجھے کائے
دوڑتی تھیں۔ پتا نہیں میری گاڑی کو کیا ہو گیا ہے.... اشارت ہی نہیں ہوتی!“

وہ اُسے قہر آکوڈ نظر وں سے گھوڑتی ہوئی ہانپتی رہی۔ عمران پھر انہیں کی طرف متوجہ ہو گیا۔
کچھ دیر بعد لڑکی پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اٹک کر کہنے لگی۔

”وہ.... میرا شوہر تھا.... اُس پر دورے پڑتے ہیں.... سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پا
نہیں.... اس کا کیا حشر ہو.... کسی کھڈ میں گاڑی گرا دے.... کوئی بڑا حادثہ ہو جائے!“

عمران سیدھا کھڑا ہو کر متھر انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہا تھا۔

وہ خاموش ہوئی تو غم انگیز لمحے میں بولا۔ ”کاش مجھے حالات کا علم ہوتا۔ میں تو سمجھا تھا کہ“
جھگڑا کرنا چاہتے ہیں!“

”کیا تم نہیں جانتے کہ اس سڑک پر کوئی بھی ہارن نہیں بجاتا کیونکہ آگے جانے والی گاڑی
راستہ نہیں دے سکتی!“

”میں نے بتایا کہ میری عادت ہے.... سنسان سڑکوں پر بھی بے خیال میں ہارن بجا
لگتا ہوں!“

”اب کیوں دیر کر رہے ہو....؟“ وہ بے تابی سے بولی۔ ”مجھے لفت دو.... جتنا تیز چل سکے
ہو چلو.... کہیں اُسے حادثہ نہ پیش آجائے!“

”اشارت ہی نہیں ہو رہی۔ اگر اس دران میں کوئی اور گاڑی آگئی تو میں گالیاں کھاؤں گا!“
”کیا تم باہر سے آئے ہو....؟“

”نہیں تو.... اندر ہی کا آدمی ہوں!“
”یعنی سردار گذہ ہی کے باشندے ہو....!“

”ہرگز نہیں....! میں کسی ایسی جگہ بیدا ہو ناہر گز پسند نہیں کر سکتا جہاں لوگ ہارن بجا۔“

”پر فنا ہو جاتے ہوں!“

”میں کیا کروں.... میں کیا کروں....!“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑی بڑی۔

”اب ایک ہی تدبیر سمجھ میں آرہی ہے!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”پتاو جلدی سے.... کرو تدبیر....!“

”میں اسٹریگ سنجاتا ہوں.... تم دھکا گاؤ....!“

”مم.... میں دھکا گاؤ....!“

”ہاں.... ہاں.... کیا صرف تاپنے کو دنے ہی میں مردوں کے شاند بثانہ نظر
اکٹی ہو!“

”بس.... بس....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”زیادہ بکواس نہ کرو... بلیٹھو گاڑی میں کوشش
کرتی ہوں.... ڈھلان ہے.... مجھے زیادہ وقت نہیں صرف کرنی پڑے گی!“

”یہ ہوئی سمجھ داری کی بات....!“ عمران بوٹ گرا تا ہوا بولا۔

پھر اس نے اسٹریگ سنجاتا تھا اور لڑکی جیپ کو دھکلینے لگی تھی۔ اچاک جیپ اشارت ہو کر
چھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور لڑکی منہ کے مل سڑک پر چل آئی۔

”کہیں.... ذیل....!“ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی دہازی۔

کچھ دور جا کر جیپ کے بریک چپڑائے تھے اور وہ یکنہت رک گئی تھی۔

عمران کو دکر لڑکی کی طرف دوڑتا اور جھک کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ”کوئی جان بوجھ کر تھوڑا
ہی.... ارے.... ارے.... گالیاں کیوں دے رہی ہو۔ میری ماں سن پائے تو تمہاری زبان

گدی سے کھٹک لے.... وہ بھتی یوئی کسی اور کسی کی گالیاں میں کھاؤں!“

”تم بیہودہ اور کہیں ہو.... تم نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ ہاکے میری ہاک!“ وہ
اپنی ہاک دبا کر کر اہی۔

”اُسی لئے بور گوں نے کہا ہے کہ چہرے کی سٹک سے بہت زیادہ اوپھی ہاک داہیات ہوتی ہے!“
”میں کہتی ہوں جلدی کرو....!“

عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا ہوا جیپ کی طرف لے چلا۔ جیپ رو انہی ہوئی.... لیکن وہ
عمران کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی اس کا داماغ چاٹے جا رہی تھی۔

نے، عمران نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا لے گیا۔ لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ ”گھر چل کر دیکھو تو... شاہد وہ پہنچ ہی آگیا ہو!“

”ہمارا کوئی گھر نہیں ہے... ہم گاڑی ہی میں رہتے تھے!“

”یہ تو بہت بُرا ہوا...!“ عمران مسمی صورت بنا کر بولا۔ ”اب اگر دوڑے ہی کی حالت میں اس نے اس گھر میں کسی اور کو بسایا تو تم پیچاری تو بالکل پیدل ہی ہو کر رہ جاؤ گی... آہا... اچا... ٹھہر و... ایک تدبیر کبھی میں آئی ہے!“

”بُتاو جلدی سے ورنہ میرا بادشاہ فیل ہو جائے گا... میں بہت پریشان ہوں!“

”میں اپنے پچا کے نام ایک خط لکھے دیتا ہوں لے کر ان کے پاس چل جاؤ۔ وہ اپنی رو حافی توت سے تمہارے شوہر کو گھر سیست وہیں بولائیں گے!“

”کہاں کی ہاںک بر ہے ہو...?“

”الرشد کی...!“

”کیا مطلب...?“

”میں مرشد کا بھیجا ہوں...!“

”بُکواں ہے...!“

”بد تیزی کرو گی تو میں جلا کر بھسم کر دوں گا۔ بہتر ہے کہ تم میرا خاط لے کر ان کے پاس چل جاؤ!“

ٹھیکیلے کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی ”اچھی بات ہے...! تم پورا واقعہ اپنے خط میں لکھ دیا... اور ہاں اپنام اور پتہ لکھ دیتا!“

”منظور...!“

وہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر یہ یہک پھوٹ پھوٹ کر زونے لگی۔

”اے ہائیں...!“ عمران نے کہا اور پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی کر دی۔ وہ بدستور روئے جا رہی تھی۔

”سوال تو یہ ہے کہ اس طرح روئے سے کیا فائدہ!“ عمران مز کر بولا۔

”اگر... وہ مر گیا تو پھر میری زندگی میں کیا باقی رہے گا۔ میں بھی خود کشی کر لوں گی۔ ذرا تیر چلاو گاڑی... میرے خدا... یہ کیا ہو گیا... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کسی ایسے موقع پر دورہ پڑے گا!“

”خاموش ہی ٹھوٹ... ورنہ اب میں بھی پا گل ہو جاؤں گا!“ عمران بولا۔

کچھ دیر بعد وہ آبادی میں بھی پہنچ گئے۔ جیسن اور اس کی گاڑی کا کہیں پہنچ تھا۔

”اپ کدھر چلوں...؟“ عمران نے لڑکی سے پوچھا۔

”میرا نام ٹھکیلے ہے...!“

”تمہارا نام ٹھکیلہ نہ ہوتا تب بھی میں تم سے یہی سوال کرتا!“

”میں نہیں جانتی کہ وہ کدھر گیا ہو گا!“

”گھر ہی گیا ہو گا!“

”دورے کی حالت میں گھر بھی بھول جاتا ہے!“

”تب پھر کوشش کرو کہ مجھ پر بھی دورہ پڑ جائے!“

”میں نہیں سمجھی!“

”پچھے نہیں... تمہیں کہاں اتنا روں!“

”میرے شوہر کو تلاش کرو... اس کے بغیر میں گھر نہیں جاؤں گی!“

عمران نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور مز کر اسے گھوڑے لگا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو...?“

”میرا خیال ہے کہ اب تمہارے لئے کسی دوسرے شوہر کا تنظام کر دیا جائے۔ وہ تو ملتے سے رہتا!“

”میرا مذاق الاربے ہو!“

”پھر کیا کر سکتا ہوں... تمہارے لئے۔ اچھانی الحال مجھے ہی بطور ضمانت رکھ لو...!“

”یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے!“

”یہی سمجھ کر پیچھا چھوڑو!“

لڑکی اسے غصیل نظر دیں سے دیکھتی رہی پھر زور سے چینی۔ ”اے تلاش کرو!“

عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آس پاس کے کچھ لوگ رک کر انہیں دیکھنے لگے

”ہمیں... تمہاری شادی نہیں ہوئی!“
 ”ایک بھی نہیں....!“
 ”لائق اکنواریاں ہیں....!“
 ”کوئی ایسی ہے جو ابھی حال ہی میں کنواری بنی ہو....!“
 ”تم یہ سب کیوں پوچھنا چاہتے ہو...؟“
 اچانک گاڑی کے ڈلش بورڈ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور کوئی کہنے لگا ”باتاو... بتاؤ... جو کچھ یہ پوچھ رہا ہے!“
 وہ دونوں غیر ارادی طور پر اچھل پڑے تھے۔
 ”مم... مم... مرشد...!“ لڑکی ہکلائی اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔
 آواز پھر آئی... ”سنو مردوں کی تجھے... یہ آواز ایک ایسے دھاکے میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے جو اس گاڑی کے پرچے اڑا دے!“
 ”بے شک... بے شک... بچا جان...!“ عمران جلدی سے بولا۔
 ”تم سردار گلڈھ سے ٹلے جاؤ... پھر وارنگ دے رہا ہوں۔“
 ”سینزن گزار کر چلا جاؤ گا... ظالم پچا...!“
 ”اچھی بات ہے... اب تم واقعی بھگتو گے...!“
 ”میری بات تو سنو...!“
 ”ہاں... کیا ہے... کبو...!“
 ”ان تینوں کو میرے حوالے کر دو... تمہارے آدمی بھی چھوڑ دیے جائیں گے!“
 ”یہ ناممکن ہے...!“
 ”ناممکن کو ممکن بناتا میری ہابی ہے...!“
 ”میں دیکھوں گا...!“
 عمران نے بھی کچھ کہنا چاہا تھا کہ پھر ویسی ہی آواز آئی جیسی اس گفتگو سے پہلے آئی تھی اور
 سنا تھا گیا۔
 اس کے بعد ہی اس نے سیٹ پر سے چلا گکھا تھا تو ہے لڑکی سے کہا تھا۔ ”بھاگو۔“

”خط سے کام نہیں چلے گا۔ تم خود میرے ساتھ چلو...!“ وہ روئی ہوئی۔
 ”بھلا کیا بات ہوئی...؟“
 ”تم نہیں سمجھ سکتے...!“ مرشدہی نے اس کا باٹھ میرے ہاتھ میں دیا تھا۔
 ”اچھا تو پھر...؟“
 ”تم شہادت دو گے کہ وہ خود ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے اسے نہیں چھوڑا!“
 ”تم بڑی عجیب باتیں کر رہی ہو۔ پہلے تو تم نے مرشد کا نام نہیں لیا تھا۔“
 ”تم مرشد کے سمجھنے ہونا اس لئے سب کچھ بتائے دیتی ہوں۔!“
 ”باتاو...!“
 ”اگر تم نے میری موافقت میں شہادت نہ دی تو میں شربت فردوس سے محروم ہو جاؤں گی!“
 عمران نے احتمالہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ”شربت فردوس...؟ میں
 نہیں سمجھا...!“
 ”تب تم مرشد کے سمجھنے نہیں ہو سکتے۔ اگر شربت فردوس کے بارے میں نہیں جانتے۔“
 ”مجھے اس پر حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں کہیے جانتی ہو... وہ تو صرف خاندان
 والوں کے لئے مخصوص تھا۔!“
 ”خاندان والوں کو علم ہونا چاہئے کہ مرشد کی کنواریاں بھی پیتی ہیں۔!“ لڑکی نے بڑے ٹم
 سے کہا۔
 ”تم کب شامل ہوئی تھیں کنواریوں میں...؟“
 ”ایک سال پہلے کی بات ہے...!“
 ”کیا تم ہر وقت المرشد میں رہتی ہو...؟“
 ”نہیں...! صرف شام کو جب شربت فردوس تقسیم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جب ٹم
 مرشد ہیں وہاں طلب کریں۔!“
 ”کل کتنی کنواریاں ہیں...؟“
 ”تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو...؟“
 ”میں غیر شادی شدہ مارا پھر تاہوں اور وہ اتنی بہت سی کنواریاں سیئیے بیٹھا ہے۔!“

ایسا گوس ہوا جیسے بیہو ش ہو جاؤں گی۔ ایک عورت مجھے حلقت سے اٹھا کر دوسرے کرے میں لے لئی اور شربت فردوس پلائیا۔ ہائے... میں تو اس شربت کے لئے جان تک دے سکتی ہوں۔ لذت ہی لذت... تم نے تو پیا ہو گا!

”مردوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے!“ عمران براسامنہ بنا کر بولا۔

”وہ تبرک مشروب اذیت کو بھی لذت بنا دیتا ہے!“

”وہ کس طرح...؟“

”جب میں اس کے زیر اثر ہوں تو میرے سینے میں خبر آتا رہو... مجھے ذرہ برادر پرواہ نہ ہوگی!“

”ہوں....!“ عمران نے پر ٹکر انداز میں سر کو جبنتی دی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ مجھے کسی ایسی لڑکی سے ملواد جو حال ہی میں شرتی ہوئی ہو!“

”سب سے مرشد ہی میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں کسی کا پتا نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ اب

میرے ساتھ المرشد میں چلو میں تمہاری خطائیں معاف کراؤں گی!“

”غُرور... ضرور... مگر چلو پہلے کہیں کھانا کھائیں!“

”نام ستر میں چلو... وہاں کی سوئیت ڈش بہت اچھی ہوتی ہے!“ لڑکی بولی۔

”ٹھیک ہے... وہیں پلتے ہیں!“

ٹام سترز یٹھور ان اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گاڑی رکتے ہی عمران بولا ”اترو... اور را۔ لکھو کوئی میر خالی ہے یا نہیں۔ ورنہ کہیں اور چلیں گے!“

”تم خود اتر کر دیکھ لو... چھوڑ بھاگنا چاہتے ہو...!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ ”تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ مرشد اب یہی چاہتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ رہوں ورنہ میرے لئے ضرور دلی ہدایت ہوتی!“

”میرے ساتھ رہ کر تم شربت فردوس سے محروم ہو جاؤ گی!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ تک کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ گا۔ خواہ میں کہیں ہوں... یہ مرشد کا وعدہ ہے!“

لڑکی نے بھی ڈلیش بورڈ کے اس خانے سے دھوال نکلتے دیکھا تھا جس سے مرشد کی آواز آئی تھی۔ عمران کے پیچے اُس نے بھی گاڑی سے چلا مگر لگائی اور اب گاڑی سے دور کھڑے وہ گاڑی ہی کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ لیکن نہ کوئی دھماکا ہوا اور نہ گاڑی کے پر پچے اڑے۔ وہ ہلاکا سا دھوال بھی فضامیں مد غم ہو چکا تھا جو کچھ دیر پہلے ڈلیش بورڈ کے ایک خانے سے برآمد ہوا تھا۔

”اب.... سک... کیا ہو گا....!“ لڑکی ہکلائی.... ”م... مقدس بھیجیے....!“

”مقدس بھیجیے....!“ عمران نے حیرت سے دھرایا۔

”مرشد کے بھیجے کو پھر اور کیا کہا جائے گا۔ لیکن مرشد آپ سے خاہیں!“

”ہاں....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کو بولا۔ ”وہ مجھے سجادہ نشینی کی ٹریننگ دینا چاہتے تھے۔ لیکن میں پوٹری فارمنگ میں اسٹریمنٹ ہوں...!“

وہ پھر گاڑی کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر باہر ہی سے ڈلیش بورڈ کا وہ خانہ کھولا جس سے دھوال نکلا تھا۔ کوئی چیز جل کر ضائع ہو گئی تھی۔ شاہد بالوں کا ایک گچھا تھا... یا باریک تاروں کا چھوٹا سا ڈھیر...!“

عمران نے اسے ہاتھ لگائے بغیر خانہ بند کر دیا۔ لڑکی اس کے بعد ہی قریب پہنچی تھی۔

”کیسا دھوال تھا....؟“ اُس نے پھر ایسی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”مرشد کی کرامت.... وہ دھوئیں کی آواز تھی۔ چلو پیٹھے جاؤ... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے!“

”تمہیں وہ سب کچھ بتا دینا چاہئے جو میں پوچھوں... مرشد کی طرف سے بھی تمہیں ابازات مل چکی ہے!“

”ہاں آں....!“ وہ چونکہ کر بولی۔ ”پوچھو....!“

اس بارہہ عمران کے برابر ہی بیٹھی تھی اور انداز بھی جارحانہ نہیں تھا۔ گاڑی حرکت میں آئی اور عمران نے آہستہ سے پوچھا۔ ”تم کس طرح مرشد تک پہنچی تھیں....؟“

”بس یونہی بیسے سب جاتے ہیں۔ سب کے ساتھ میں بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک مرشد سے نظر لی اور مرشد نے وہی بات کہہ دی جو اس وقت میرے دل میں تھی۔ میں بد حواس ہو گئی

”نہیں....!“ ظفر کے لمحے میں حیرت تھی۔
مرشد نے اسے گھورتے ہوئے سر کو اثابی جبکش دی اور سرد لمحے میں بولا۔ ”جو کچھ میری
بانے نکلتا ہے اسے ہوتا ہی پڑتا ہے۔!
ظفر خاموشی سے فرش پر نظر جائے رہا۔
”اوہ رد کیوں....!“ کچھ دیر بعد مرشد بولا۔
”جی....!“ ظفر اس طرح چونک پڑا جیسے خود کو بالکل تنہا سمجھتا رہا ہو۔!
”تم نے جیسون کو پیچانتے سے کیوں انکار کر دیا تھا!“
”پیچان لیتا تو جانا ہی پڑتا اس کے ساتھ.... اچھا تائیے کسی شاندار اداکاری تھی کہ وہ بھی
عوکا کھا گیا!“
”کس قسم کی اداکاری....؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”یہی کہ مرشد نے اپنی روحاںی قوت کو بروئے کارا کر میرا دماغ الٹ دیا....!“
”کیا تم لوگ میری روحاںیات کو فراڈ نہیں سمجھتے!“
”یہ سب کچھ عمران صاحب جائیں!“
”عمران سے تمہارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے....؟“
”ایکی دوستی جس میں احترام بھی شامل ہے۔!
”ہوں.... تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو.... نواب مظفر الملک کا بھتیجا اور لاوارث ایسی
بیوہ زندگی گزارے.... مجھے قطعی پسند نہیں!“
”اوہ.... تو آپ مجھے اس حد تک جانتے ہیں!“
”مرشد سے کچھ بھی پوشریدہ نہیں۔“
”وہ.... وہ.... لڑکی میرے ساتھ ناق رہی تھی!“
”ہے جیسون کو بخش دی گئی تھی۔ لیکن وہ بد قسمت اسے چھوڑ جھاکا۔ اب عمران کے ساتھ ہے!“
”عمران کے ساتھ ہے....؟“ ظفر اچھل پڑا۔
”کیوں....؟ تم بوكھلا کیوں گئے!“
”گک.... کچھ نہیں.... یہاں تھائی تو مجھے کھاجائے گی!“

”مرشد....!“ پہاں نہیں عمران نے دانت پیسے تھے یا کسی اور وجہ سے گھٹی گھٹی آواز لگی۔
ظفر الملک نے لاپرواہی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مرشد کو خصوصی طور پر اس کی طرف توجہ رہی۔ جیسون کے چلے جانے کے بعد وہ اس کرے میں داخل ہوا جہاں کچھ دیر پہلے ظفر غلیڈر ساتھر قص کرتا رہا تھا۔
چند لمحے ظفر کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”کیا تم مجھے جانتے ہو....؟“
”اچھی طرح....!“ ظفر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”آپ بہت اوپنے آدمی ہیں
دوسرے نہ ہی آدمیوں کی طرح عورت سے دور رہنے کی نصیحت نہیں کرتے۔!
”میں پوچھ رہا ہوں کہ عمران نے تمہیں میرے متعلق کیا بتایا ہے۔!
”گریٹ.... مگر خطرناک....!“
”کیا تم میرا نام جانتے ہو....؟“
”نہیں.... مشر على عمران آپ کو مرشد ہی کہتے ہیں۔ میں نے نام معلوم کرنے کی کوڑ
کی تھی لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔!
”اگر میں خطرناک ہوں تو تم اس بھی کے ساتھ چلے کیوں نہیں گئے۔!
”میا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ لڑکی مجھے یہاں کیوں لائی تھی۔!
”میں تمہیں بطور یہ غمال رکھنا چاہتا ہوں۔!
”پھر آپ نے اس نانہجار کو کیوں اجازت دے دی تھی کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائے۔!
”یہاں سب کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اس نے خواہش ظاہر کی تھی۔!
”تب تو ہم سے زبردست غلطی سرزد ہوئی۔!
”کیا مطلب....؟“
”ہم تینوں لوکیاں آپ سے مانگ سکتے تھے۔ آپ یقیناً ہماری مراد پوری کروتے یعنی اک
سلسلے میں اپنا چیلنج واپس لے لیتے۔!
”وہ تینوں یہاں پہنچ چکی ہیں۔!

”دوسری چاہئے....؟“ مرشد اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

ظفر نے سعادت منداز انداز میں سر کو اشائی جبش دی.... اور فرش پر نظر جمادی۔

”اچھا.... آکر میرے ساتھ....!“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں راہداری میں آئے پھر مرشد باہمیں طرف مراحتا۔

ظفر مودبانتہ انداز میں اس کے چیچے چلتا رہا۔ ایک جگہ رک کر مرشد اس کی طرف میں بغیر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اب تمہیں یہاں ایک منٹ کے لئے بھی نہ رکنے دوں۔!“

”لک..... کیوں....؟“ ظفر بھی رک کر بکلایا۔

”تمہاری اہمیت ہی کیا ہے کہ میں تمہیں بطور یہ غال رکھوں.... وہ تینوں لڑکیاں یہاں ہیں۔ عمران سے کہہ دینا.... اگر میرے آدمی چومنیں گھٹنے کے اندر اندر نہ چھوڑے گئے تو تینوں لڑکیاں پاگل ہو جائیں گی۔“ وہ ظفر کی طرف مراحتا بولا۔

”اوہ اس لڑکی کا کیا ہو گا جو عمران صاحب کے پاس ہے۔!“

”لوکی....؟“ مرشد نے طویل سانس لی اور آسے مضمکانہ انداز میں گھورتا ہوا بولا۔ ”لڑکی کے لئے تم کس حد تک جاسکتے ہو....؟“

”قبر کی حد تک....!“

”اچھی بات ہے.... تو جاؤ اور کسی طرح عمران کو اس لڑکی کی سمتی یہاں لاو۔ وہ لڑکی تمہیں بخش دوں گا۔!“

”یہ تو مجھے تا ممکن ہی معلوم ہوتا ہے۔“ ظفر بید تک لجھ میں بولا۔

”کیوں....؟“

”آنہیں آنا ہوتا تو خود ہی چلے آتے۔!“

”اے آناہی پڑے گا۔“ مرشد اسے گھورتا ہوا سانپ کی طرح بھکھ کارا۔ ”اور تم ہی لاوے۔“

”آپ کہہ رہے ہیں تو کوشش کروں گا۔!“

”طریق کار کیا ہو گا....؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”اوہ...!“ وہ پھر دوسری طرف مرتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں عمران سے بھی زیادہ پر

چالاک.... اور طاقت ور بنا دوں۔!“
ظفر پھر اس کے پیچے چلنے لگا تھا۔!

”اب تم کیا چاہتے ہو....؟“ عمران نے ڈان فاگاں کو مخاطب کیا۔
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلے میں کیا کہوں.... تم نے رہا بھی کر دیا تو اب میں اس لی گرانی کس طرح کر سکوں گا۔!“

”کس کی گرانی....؟“

”مرشد کی....!“

”ستونوں کیا تم کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ مرشد کے علم میں آئے بغیر ہم المرشد میں۔
 داخل ہو سکیں۔!“

”اس سے کیا ہو گا....؟“

”بچھ میں تمہیں بتا سکوں گا کہ اس کی گرانی کس طرح کی جائے۔!“

”اے ہر حال میں علم ہو جائے گا کہ ہم عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔!“

”مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہے۔ ڈان فاگاں۔“ عمران اسے ٹوٹنے والی نظرؤں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”جب میں یہاں موجود تھا تو پھر تمہیں مرشد کی گرانی پر کیوں متعین کیا گیا۔!“

”کیا مطلب....؟“ ڈان فاگاں چوک کر اُسے گھورنے لگا۔

”مادام کو علم ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔!“

”اوہ.... اوہ.... تت.... تو.... تم....!“

”بلکہ خاموش....!“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”دیواریں بھی کان کھی ہیں۔ بلکہ میں تمہیں حوالات سے نکلا کر کہیں اور لے جاؤں گا پھر وہیں باشیں ہوں گی۔ اتنا رکن لوک میں کبھی مادام کی نیابت بھی کر پکا ہوں۔!“

”آہ ہی حیرت انگریز باشیں کر رہے ہو.... دوست....!“ ڈان فاگاں اس کی آنکھوں میں

جب تو فوراً نی کیں پہنچنا چاہئے۔!

ڈاک بندگی میں چلو... بیہاں سے نہ دیکھی ہی ہے۔ میں جانتی ہوں!-

”مگر سوال تو یہ ہے کہ شربت پہنچا کس طرح...؟“

”جب تم پولیس اٹیشن میں تھے۔ ایک آدمی دے گیا تھا۔ یہ دیکھو...!“ اس نے ایک چھپی
لیٹھی اسے دکھائی۔

عمران نے نہ تشویش انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ دفعٹا شکلیہ چیزیں۔ ”ارے.... ارے.... نہبڑو.... ڈاک
بلگہ تو نکل گیا.... روکو.... روکو....!“

”فکر نہ کرو.... ابھی پانچ منٹ باقی ہیں.... تم تھیک سازاں چھ بجے پی سکوگی۔!“

سورج بھی کاغذوں ہو چکا تھا اور اب خاصاً اندر ہیرا پھیل گیا تھا۔ گاڑی شہری آبادی سے
بہت دور نکل آئی تھی۔

ڈاک فاگان پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ایک جگہ عمران نے گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی اور کچھ
دور چلنے کے بعد بریک لگاتا ہوا بولا۔ ”تم شربت پی کر پچھلی سیٹ پر لیٹ جانا۔!“
”ہرگز نہیں.... ڈاک بندگے چلو....!“

”بُواس مت کرو.... دونہ شربت سمیت کسی کھٹہ میں پھینک دوں گا۔!“

”بیہاں تو میں ہرگز نہ ہوں گی۔!“

عمران نے انہیں بند کر دیا تھا۔ دفعٹا سڑک پر کسی گاڑی کے ہیڈلیپ کی روشنی پھیل گئی۔
عمران مز کر دیکھنے لگا۔ شکلیہ بھی مزدی اور پھر وہ گاڑی بھی اُسی ڈھلان میں اترتی نظر آئی۔
”خوب....!“ عمران نے آہستہ سے کہا اور دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ تیزی سے ایک
بلے پھر کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

”کہاں گئے تم.... کہاں گئے....!“ شکلیہ چیزیں... اتنے میں گاڑی تھیک جیپ کے برابر
اُرکی... اور کسی نے اوپنجی آواز میں کہا۔ ”بیہاں کیا ہو رہا ہے۔!“

”پکھ... نہیں.... پکھ بھی نہیں۔!“ عمران نے شکلیہ کی آواز سنی۔

”خدالی خوارو.... کیا چھٹ نیس نہیں ہے کہ بیہاں آسمان کے نیچے....!“

ویکٹا ہوا مسکرا یا۔

”مادام نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے ملک کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز کبھی نہیں بنایاں گی۔!“

”اوہ.... تو پھر شائد اسی لئے انہوں نے مجھے اس کی گرانی پر مامور کیا تھا۔ لیکن میں کیے
یقین کر لوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔!“

”اچھی بات ہے تو پھر میں تمہیں ابھی اپنے ساتھ حوالات سے باہر لے چلتا ہوں میں
تمہارے چہرے پر میں تھوڑی سی تبدیلی کروں گا۔ لیکن تم گاڑی میں بالکل خاموش بیٹھو گے
کیونکہ ایک لڑکی بھی ہے میرے ساتھ۔!“

عمران نے اپنے بریف کیس سے میک اپ کا سامان نکالا اور ڈاک فاگان کے چہرے کی مرمت
شروع کر دی ساتھ ہی کہتا جا رہا تھا۔ ”چال میں تھوڑا سا لکڑا پن پیدا کر لینا بس کافی ہے اور جب
میں خواہش کروں تب ہی ہو لنا۔ عیب پوشی کے لئے خاموشی سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔!“

تھوڑی دیر بعد وہ اسے حوالات سے لے نکلا۔ باہر جیپ کھڑی تھی اور اگلی سیٹ پر غلیلہ
دھرنادیے بیٹھی تھی۔

عمران نے ڈاک فاگان کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر جب وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا
شکلیہ نے آہستہ سے پوچھا ”یہ کون ہے....؟“

”میرا دوست... اب یہ بھی اسی گھر میں رہے گا۔!“ عمران نے کہہ کر ایک سیلریٹر پر بادا ڈالا
”تو کیا اب تم بھی گاڑی ہی میں رہو گے۔!“

”بالکل.... تاکہ میں دیکھ سکوں کہ مرشد تمہیں کس طرح شربت فردوں سے سمجھواتا ہے۔!
وہ تو پہنچ بھی چکا ہے میں تھیک سازاں چھ بجے پیوں گی۔ بس تم مجھ پر ایک احسان کر دو۔
میں تمہیں ایک سوئی ڈوں گی۔ جب میں شربت پی پکوں تو تین تین منٹ کے وقفے سے میرے
جسم میں چھبوتے رہتا۔!“

”اوہ.... تو ابھی سواچھ بکے ہیں۔!
”بن پدرہ منٹ بعد.... لیکن کسی جگہ چلو جہاں آرام سے لیٹ سکوں۔!“

”شربت کا اثر کتنی دیر تک رہتا ہے۔!
”ایک گھنٹے تک....!“

”بکواس مت کرو.... تم سے مطلب....!“ ٹکلیلے چھین۔

”ارے.... یہ تو وہی لڑکی ہے!“ اس بار ظفر الملک کی آواز تھی۔ ”تو پھر عمران بیہن کہیں ہو گا.... بتاؤ.... وہ کہاں ہے!“

”مگر چھپلی سیٹ پر کون ہے....!“ دوسری آواز آئی۔ ”روشنی ڈالو....!“ ظفر کی آواز آئی۔

پھر شامد انہوں نے تاریخ کی روشنی جیپ پر ڈالی تھی۔

”میں نہیں پہچانتا....!“ عمران نے ظفر کی آواز دوبارہ سنی۔

”تم کون ہو....!“ اس بار شامد ڈان فاگان کو مخاطب کیا گیا تھا۔

عمران نے اب چھپے رہنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ظفر کا انداز گنتگواسے غیر معمولی معلوم ہوا تھا۔ اس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک بڑا سا پھر اٹھا کر دور انہیں ہیرے میں پھینک دیا۔

”یہ کیا....؟“ کوئی چونکا۔

”دیکھو....!“ یہ ظفر کی آواز تھی اور پھر کوئی اسی سمت دوڑتا چلا گیا جدھر عمران نے پھر پھینکا تھا۔

وہ بڑی پھرتی سے پھر کی اوٹ سے نکلا اور ظفر الملک کے پیچھے جا کھڑا ہوا جو شکلیہ سے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

”بتاؤ.... وہ کہاں ہے میں اسے زبردستی مرشد کے پاس لے جاؤں گا۔ اُسے دکھاؤں گا کہ میں مرشد کی کرامت سے کتنا طاقتور ہو گیا ہوں!“

عمران نے اس کی بائیں کپٹی پر ایسا چھاتا ہاتھ رسید کیا کہ وہ دوسرے ہی لمحے میں اس کے بازوں پر جھوول گیا۔

”تم نیچے آ جاؤ....!“ عمران نے آہستہ سے اپنی سے کہا اور ڈان فاگان نے چھپلی سیٹ خلا کر دی۔ بیہوش ظفر کو چھپلی سیٹ پر ڈال دینے کے بعد اس نے شکلیہ کی طرف کا دروازہ کھولا۔

”ک... کیا ہے....!“ وہ اس کے علاوہ اور پچھے نہ کہہ سکی کیونکہ بعد کے الفاظ کراہ مٹا تبدیل ہو گئے تھے۔ عمران نے اس کی کپٹیاں دبائی تھیں۔ بے حس و حرکت ہو کر وہ بھی اس کے بازوں میں آگئی۔ اسے اٹھائے ہوئے ڈان فاگان سے اس نے دوسرا گاڑی کی چھپلی نشستاً

دروازہ کھولنے کو کہا۔

اس کی گاڑی کی چھپلی سیٹ پر شکلیہ کو ڈال کر اس نے ڈان فاگان سے کہا ”کنجی اکنیشن میں موجود ہے۔ گاڑی کو سڑک پر لے جاؤ۔ شہر کی طرف موڑ کر کھڑی کر دو اور میرے منتظر رہو!“ ڈان فاگان نے فوری طور پر اس کی مدد ایت پر عمل کیا تھا۔ عمران پھر اسی بڑے پھر کی اوٹ میں جا چھپا۔

بیچ سڑک پر پہنچی ہی تھی کہ اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ وہ آدمی جو اس کی ٹلاش میں گیا تھا شاکد جیپ کی آواز پر پلٹ پڑا تھا گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے تاریخ روز شن کی اور دائرہ گرد و ہوش میں چکرانے لگا۔

پھر وہ گاڑی کی چھپلی سیٹ کی طرف جھکا ہی تھا کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ دیر پہلے ظفر الملک کا ہو چکا تھا۔ پھر اسے بھی اٹھا کر اگلی سیٹ پر بھادیا گیا اس کی تاریخ ہاتھ آگئی تھی جس کی روشنی میں عمران نے شکلیہ کی قمیض کے کارپر لکھا شروع کیا۔

”پیارے چھپا.... شکریے کے ساتھ واپس....! لڑکی کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھی.... اگر ظفر الملک پر تم نے کوئی خاص نیجہ آزمایا ہے تو اس کے توڑے کے لئے بھی بتا رہو.... ورنہ پھر.... جچ جچ مجھے المرشد آتا ہی پڑے گا!“

اس کے بعد تاریخ کی روشنی ایک بار پھر اگلی سیٹ پر پڑی۔ وہ آدمی بدستور بیہوش تھا۔ تاریخ اس کی گود میں ڈال کر عمران سڑک کی طرف چل پڑا۔

ڈان فاگان نے گاڑی تھوڑے فاصلے پر روز کی تھی۔

”تم ہی ڈرائیور کرو....!“ اس نے چھپلی سیٹ پر بیہوش ظفر الملک کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”یہ.... یہ.... تو تمہارا ہی ساتھی ہے!“ ڈان فاگان بھرائی ہوئی آوازیں بولا۔

”ہاں.... بس چلے چلو....!“

اس دوڑاں میں عمران نے سردار گذھ میں کئی ٹھکانے بنائے تھے۔ ظفر الملک کی موجودہ حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ شہری آبادی سے دور ہی رہے۔

ڈاک بینگلے کی شمال میں وہ ہٹ تھا جہاں وہ اس وقت لے جانا چاہتا تھا۔



سگ ہی ان دونوں کو قبر آلو نظرؤں سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑے تھے خصوصاً شکلیہ بہت تیارہ نزدیک نظر آ رہی تھی۔
سگ اس وقت سگ ہی تھا۔ مرشد نہیں۔ شکلیہ اس مرشد کی حیثیت سے نہیں پہچان سکی تھی اور وہ المرشد میں بھی نہیں تھے۔

”یہ لڑکی کون ہے...؟“ سگ نے مرد سے پوچھا۔
”میں نہیں جانتا بس یہ اسی کی گاڑی میں تھی۔ جب ہوش آیا تو مجھے اپنی گاڑی میں پڑی ملی۔“
”تم کون ہو لڑکی...؟“

”مم... میں شکلیہ ہوں...!“
”عمران سے کیا تعلق ہے...؟“
”کون عمران...؟ میں تو اپنے بھائی شکلیہ کے ساتھ تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں تک کیسے پہنچی۔“

”تمہاری قمین کے کالر پر کیا لکھا ہے۔؟“
”کالر پر لکھا ہوا ہے...!“ شکلیہ نے حیرت سے دہرایا۔
”آئینہ ادھر ہے...!“ سگ نے بیزاری سے باہمی جانب اشارہ کیا تھا وہ بے ساختہ قد آدم آئینے کی طرف بڑھ گئی۔

پھر سگ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی تھی لیکن جب وہ اس کی طرف مڑی تو یک بیک اس طرح سمجھیدہ ہو گیا جیسے اسے قبر آلو نظرؤں سے گھورتا رہا ہو۔!
”میں نہیں جانتی یہ سب کیا ہے۔“ شکلیہ نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”میں اپنے بھائی کی گاڑی میں تھی یقیناً کوئی حادثہ پیش آیا تھا اور میں ہوش ہو گئی تھی۔ بتاؤ اب میں کہاں ہوں... اور میرا بھائی کہاں ہے۔؟“

”گاڑی میں دو آدمی تھے...!“

”ہاں.... ہاں.... دوسرا میرے بھائی کا دوست تھا۔ کہاں ہیں وہ دونوں....!“
”ہسپتال میں.... چلو میں تمہیں وہاں لے چلوں....!“
”مجھے بتاؤ.... کس ہسپتال میں ہیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔!“
”اکیلی کہاں بھلکتی پھر وہی میں پہنچا دوں گا۔!“ سگ نے نرم لمحے میں کہا۔
”میں پہنچا آؤں باس....؟“ اس آدمی نے کہا
”شٹ اپ.... اپنے کرے میں جاؤ.... آج تم سے جو غفلت ہوئی ہے اس کی سزا بھگتے کئے لئے تیار ہو....!“
”مم.... میں بے قصور ہوں باس....!“ وہ گزر گیا۔
”میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔!“ سگ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا اور وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔
”ہاں.... تو چلو....!“ شکلیہ کی طرف مڑا۔
”میں تم جیسے اوت پلانگ آدمی کے ساتھ باہر دیکھی جانا پسند نہیں کروں گی۔!“
”کیا میں اتنا ہی بد صورت ہوں.... میری گڑیا....!“
”شٹ اپ....!“
سگ اسے ندیدے پن سے گھورے جا رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سگ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔
”میرا ہاتھ چھوڑو.... ورنہ جاہ ہو جاؤ گے....!“ وہ غصیلے لمحے میں چھینی۔ میں مرشد کی کونواری ہوں....!“
”کون مرشد....؟“
”ملر شدوا لے....!“
رفعتاً سگ نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ایک دل دوز چینی ماری اور فرش پر گر کر اس طرح تٹپنے لگا جیسے ٹھیک دل کے مقام پر گولی ہو۔
شکلیہ دروازہ کھول کر جھپاک سے باہر نکل گئی۔
پھر شام کے سگ کی چینی کی سن کروہ آدمی وہاں دوڑ آیا تھا جسے سگ نے دوسرے کرے میں جا کر مزاء کا منتظر رہنے کو کہا تھا۔

”مگر.... کیا ہوا بس....؟“ وہ بوکھلا کر اس پر جھلتا ہوا بولا۔

”کچھ بھی نہیں....!“ سنگ اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ ”اب چل کر مجھے وہ جگہ دکھاؤ.... جہاں کھیل بگڑا تھا۔!“ وہ عمارت سے باہر نکلے۔ یہ شہری آبادی کا ایک بھرا نہر احمد تھا۔ شکلیں کہیں نہ دکھائی دیں وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ خود سنگ اشیزگ کے سامنے بیٹھا تھا اور اس آدمی کو بھی الگی سیٹ پر اپنے برابر بھاولیا تھا۔ گاڑی حرکت میں آگئی۔

”لل..... لیکن.... اب وہاں کیا ہو گا بس....؟“ سنگ کا ساتھی دلی دلی کی آواز میں بولا۔

”اپنے ہونٹ سختی سے بند رکھو....!“

”اوکے.... بس....!“



ظفر الملک کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ صوفے پر چت پڑا تھا اور عمران اس کی جامد تلاشی لے رہا تھا۔ ڈان فاگان بھی اس کے قریب تھی کھڑا تھا۔

ظفر کے پاس اس کا سب کچھ موجود تھا تھی کہ وہ جبی ٹرانس میٹر تک اس کے پاس ہی رہنے دیا گیا تھا جو اسے مجھے کی طرف سے ملا تھا۔ بیٹھنے والے میں ریوالر بھی موجود تھا۔

وفتحاً عمران چوک پڑا۔ وہ اس کا بازو و مژوں رہا تھا۔ کوئی سخت سی چیز داہنے بازو سے بند ہی ہوئی تھی۔ پھر وہ چیز اس نے بازو سے کھول لی۔ دیسلائی کی ڈیبی کے برابر رہی ہو گئی۔

”اوہ.... ڈنکٹ....!“ اچانک ڈان فاگان بڑا بڑا لایا۔

”کیا مطلب....!“

”جلدی بتاؤ.... یہ جگہ اُس مقام سے کتنی دور ہو گی جہاں سے ہم اُسے لائے ہیں۔!“

”بس ایک یا ڈنکٹ میں....!“

”اوہ.... تو جلدی سے اپنے تحفظ کا انتظام کرو.... اس ڈنکٹ کا رسیوگ آپریشن انہیں سیدھا ہیں لائے گا کیونکہ یہ پانچ میل کے دائرے میں بنے حد موثر ثابت ہوتا ہے۔!“

”کیا وہ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے رک لکھیں گے۔!“

”بیننا جہارے نئے آلات ایسے ہی موثر ہیں۔!“

عمران پھر ظفر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ اس کے باقی اور پاکوں باندھ رہا تھا۔ اس کے بعد ہونوں پر سیپ چکا دیا کہ ہوش آنے پر آواز نہ نکال سکے۔ ڈان فاگان اسے جھرت سے دیکھ رہا تھا۔

”تم میرے ساتھ چلو....!“ عمران نے اس سے کہا اور ہٹ میں اندر ہیرا کر کے باہر نکل آیا۔

”کیا کرنا چاہتے ہو....؟“ ڈان فاگان نے آہستہ سے پوچھا۔

”بیس دیکھتے رہو....!“

عمران نے ہٹ کا دروازہ مغلل کر دیا تھا اور اب وہ دونوں اندر ہیرے میں ایک طرف پڑے جا رہے تھے۔

”ان تینوں بڑکوں کے لئے تم کیا کچھ نہیں کر رہے۔!“ ڈان فاگان بڑا بڑا لایا۔

”کم از کم تین توہوں.... ایک آدھ سے کیا فائدہ....!“

”تم لوگ چار چار شادیاں کرتے ہو....!“

”چار کے آگے صفر لگا کر اپنا چالیسوائیں کرنے کے لئے....!“

”یہ کیا ہوتا ہے....!“

”بہت زور دار ہوتا ہے.... تم نہیں سمجھ سکو گے۔!“

”خرجنچے کیا.... تمہارا اپنی بخی معاملہ ہے۔!“

”پوری قوم کا بخی معاملہ ہے.... عورت اور پیسہ.... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔!“

”بعض اوقات تمہاری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔!“

”ہاں تو اب ہم دیکھیں گے ڈنکٹ کے کمالات....!“ عمران نے کہا اور چلتے چلتے رک گیا۔

چاروں طرف اندر ہیرے کی اور ستائے کی حکمرانی تھی۔ آسمان بازوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

عمران نے ڈان فاگان کو وہیں رکنے کو کہا اور خود پنسل نارچ کی محدود روشنی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں ڈنکٹ کو رکھ کر اس کے آس پاس ہی خود بھی چھپ سکے۔ ڈنکٹ اس کی بھی میں دبا رہا تھا۔ اچانک اس میں خود بخود جھنجھناہت کی پیدا ہو گئی اور عمران کو رک جانا پڑا اور ڈنکٹ سے آواز آئی۔

ڈان فاگان کی لاش سامنے پڑی تھی دل کے مقام پر دستے تک ایک بخوبیوں تھا۔



چھپلے دن کی نشست نے جیسن کی کھوپڑی گھادی تھی لہذا صبح اٹھ کر سب سے پہلے اس نے خود کو ایک بیٹر ڈریسر کے حوالے کر دیا۔ چہرہ جھاڑ جھنکاڑ سے پاک ہوا تو چاند سی صورت تکل آئی۔ سر کے بال بھی متوازن انداز میں رہائے گئے تھے۔

بہر حال حلیہ تبدیل کر کے ایک بار پھر اس نے المرشد کی راہی۔ اُسے علم نہیں تھا کہ ظفر پر کیا گذری۔ عمران سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لہذا اس لڑکی کے بارے میں کیا علم ہو سکتا تھا جو چھپلے دن کی بدر وحی کی طرح اس پر سلطنت ہو گئی تھی۔

آج اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مرشد کی اچھی طرح خبر لے گا۔ لیکن المرشد کی کماؤنٹ میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بہت بڑے مامن کلدے میں چلا آیا ہو۔ ہر طرف سے روئے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لان پر بے شمار افزاد زار و قطار روز بے روز ہے تھے۔ ان میں ایک جانی پہچان صورت بھی نظر آئی۔ یہ تکلیف تھی۔

جیسن گاڑی سے اُتر کر اُسی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے... کیا بات ہے...؟“ اُس نے تکلیف کو مخاطب کیا۔

تکلیف اس کی آواز سن کر چوکی۔ اُسے خور سے دیکھا اور پھر سکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”ہائے مرشد...!“

”گک... کیوں... کیا ہوا مرشد کو...؟“

”پھر کے ہو گئے...!“

”میاں کو اس ہے...!“

”جاو... خود کیکے لو...!“ وہ عمارت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”اور مرید وغیرہ کہاں ہیں...؟“

”سب غائب ہو گئے... ہائے مرشد...!“ اب شربت فردوس کون دے گا۔ میں تو خود کشی

”بھیجیے... تمہارے پر اسر از ساتھی نے یہ تو بتا دیا کہ یہ ڈکٹر ہے لیکن اسے شائد علم نہیں کہ اس کے توسط سے رسیوگ آپریٹس پر میں تم دونوں کی گفتگو بھی سن سکوں گا اور تم تک اپنے آواز بھی پہنچا سکوں گا۔ اس وقت وہ کام ہوا ہے کہ تمہاری ساری خطائیں فوری طور پر معاف کر رہا ہوں۔ اور وہ تینوں لڑکیاں بھی صبح تھہارے پاس پہنچ جائیں گی۔ میرے پاس بھانز بھانت کی عورتوں کی کمی نہیں۔ مجھے پہلے ہی ڈان فاگان پر شہبہ ہوا تھا کہ یہ نیزی گمراہی کے لئے مجھ پر سلطنت کیا گیا ہے۔ لہذا میں نے تمہارے ملک کی پاشنہ لڑکیوں کو اس کے توسط سے پکڑ لے چکا۔ جس کے نتیجے میں بالآخر بھی ہوا کہ وہ تم سے کھل گیا۔ ظفر کو ڈکٹر سمیت تم تک پہنچانے کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح ڈان فاگان پوری طرح روشنی میں آسکے۔ سنتے رہو...!... تمہاری آواز مجھ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم ایک اجنبی کے ساتھ پولیس اسٹیشن سے برآ ہوئے ہو۔ اپنے اندازے کے مطابق میں نے اسے ڈان فاگان ہی سمجھا تھا اور تم نے دیکھا کہ میر اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ میک اپ میں ڈان فاگان ہی نکلا۔ میں پھر میں نے ظفر کو اپنے ایک آزاد کے ساتھ تمہارے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ ظفر کے پاس رہ کر تم دونوں نے جس قسم کی گفتگو تھی اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ٹیکھری بی مجھ پر اعتماد نہیں کرتی۔ خیر یہ ہمارا نجی معاشر ہے... میں دیکھوں گا...!... ظفر صبح ناربل ہو جائے گا بے فکر رہو...!... اور اب سنو...!... ڈا فاگان کی آخری جیج...!“

وہ یقیناً کسی ایسے ہی فرد کی جیج تھی جس نے انتہائی کرب کے عالم میں دم توڑا تھا۔

ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ عمران بے ساختہ اسی طرف دوڑ لگاتا جہاں ڈان فاگان کو چھوڑا لیکن اُس سے اس قسم کی اضطراری حرکت سرزدہ ہوئی۔

ڈکٹر کو اس نے بہت دور انہیں میں کہیں بچک دیا اور خود سینے کے بل زمین پر کرا آہستہ اس سمت ریکنے لگا جہاں ڈان فاگان کو ٹھہر لایا تھا۔

اس کے روی الور میں پورے راؤٹ م موجود تھے اور اب وہ اس کے دامنے ہاتھ کی گرفت تھا۔ سناٹا... گھر اسناٹا... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روز ازل سے اب تک وہاں کوئی آدا نہ ہوا۔

مطلوبہ جگہ تک پہنچنے میں پورے میں منت صرف ہوئے تھے اور پھر وہاں جو کچھ بھی آیا... غیر متوقع نہیں تھا۔

”لیکن یہاں کسی کے سامنے یہ بات نہ کہنا...!“

”کیوں...؟“

”کل شام اس نے جلتے میں کہا تھا کہ کچھ لوگ اسے فراہ سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہ جلد ہی بردار گذہ کو اپنے فوض سے محروم کر دے گا۔ لوگوں نے ایسے افراد کی نشاندہی چاہی تھی۔ لیکن مرشد نے ایسا نہیں کیا تھا!“

”بے تو خطرناک بات ہے.... مجھے اپنی زبان بند ہی رکھنی چاہئے۔ لیکن تم اس بھیز سے بالکل الگ معلوم ہوتی ہو۔!“

”ہاں.... اول درجے کا فراہ تھا.... اس نے مجھے بر باد کر دیا۔“ لڑکی نے کہا اور اچانک پھٹ پھٹ کر رونے لگی۔!

”اوہ.... مجھے افسوس ہے.... افسوس ہے....!“ جیسون بوکھلا گیا۔

”یہ سب بر باد ہو چکی ہیں مگر مجبور ہیں۔!“ لڑکی خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

”مم.... مجبور کیوں ہیں....؟“

”اس نیا پاک مشروب کی عادی ہو چکی ہیں جو یہاں شربت فردوس کہلاتا ہے۔!“

”یہ کیا بلایا ہے....؟“

”یہ نہ پوچھو.... میں نہیں بتا سکتی.... سب کچھ جائے جہنم میں۔!“ وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور ”دلوں“ ہاتھوں سے منہ چھپائے روٹی روئی۔

جیسون اسے دیں چھوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ دوسرے ہی لمحے میں وہ کمپاؤٹر سے باہر تھا۔ کچھ دور چل کر ایک جگہ گاڑی روکی اور جبی ٹرانس میٹر پر عمران سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”ہلو.... کون جیسمن....!“ دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔ ”تم کہاں ہو....!“

”مرشد کے قریب....!“

”وہاں.... کیا کر رہے ہو....!“

”مرشد پھر کا ہو گیا ہے....!“ اس نے کہا اور اس سلسلے میں وہ سب کچھ دہرا دیا جو المرشد میں کچھ کھاتا تھا۔

”کروں گی.... ہائے سب مر جائیں گی۔!“ جیسون عمارت کے اس حصے کی طرف چھپنا جہاں مرشد حلقة کیا کرتا تھا اور پھر اس نے مرشد کے تخت پر اس کا بست دیکھا اسی مخصوص انداز نشست میں۔

قریب جا کر اسے چھو اور متین رہ گیا۔ رنگ و روغن کی بناء پر دور سے گوشت و پوست ہیا معلوم ہوتا تھا.... لیکن حقیقت پھر....!“

”ہٹو.... بد بخت ہٹو....!“ پشت سے آواز آئی اور جیسون اچھل کر پیچھے ہٹ گیا.... کی آدمی دروازے میں کھڑے اسے گھور دے تھے۔

”کیا کر رہے ہو....؟“ ایک نے ڈپٹ کر پوچھا۔

”دیکھ رہا تھا....!“ باہر نکل جاؤ بد نصیب.... تم جیسے بد عقیدہ لوگوں ہی کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا ہم ایک بہت بڑی بستی کے سامنے سے محروم ہو گئے۔!

جیسون چپ چاپ باہر نکل آیا۔ اسے سرزنش کرنے والوں میں ایک لڑکی بھی تھی۔ جو اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔

”کیا خیال ہے....؟“ اس نے جیسون سے پوچھا۔ ”میا وہ حج حج پھر....!“

”سو فصل.... سنگ تراشی کا ایک اعلیٰ نمونہ....!“ جیسون سخنہدہ سانس لے کر بولا۔

”تمہیں ہاتھ لگانے کی جرأت کیونکر ہوئی۔!“

”کیوں اس میں جرأت کی بات ہے....!“ جیسون اسے گھورتا ہوا بولا۔

”میا تم نے محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے تمہیں اس پر کس طرح لالکارا تھا۔!

”پاگل ہو گئے ہیں سب.... وہ کوئی بہت بڑا شعبدہ گرتا۔!“

”شکر ہے....؟ ایک آدمی تو ایسا ملا....!“ لڑکی خوش ہو کر بولی۔ ”آؤ کہیں الگ چل کر گنتگو کرتے ہیں۔!“

وہ اسے لان کے ایک دور افراطہ حصے میں لائی۔

”تو تم سے فراہ سمجھتے تھے....!“ اس نے آہست سے پوچھا۔

”ہاں.... اول درجے کا فراہ....!“

”خوب....!“ آواز آئی.... ”چھات وہیں نہ ہو... میں آ رہا ہوں!“
”یہاں اس پتھر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر ہائی نس بھی نہیں دکھائی دیے۔“
”ظفر میرے پاس ہے.... فکر نہ کرو....!“

”تحمین گاڑ....!“ جیس نے طویل سانس لی اور مرانس میٹر کا سوچ آف کر دیا۔
پھر وہ ایک سکریٹ سٹاک کرتے چھاہا اور آرام سے سیٹ پر پہنل گیا۔ گاڑی سڑک سے
تھی۔ اس نے آرام میں خلل اندازی کا خدشہ بھی نہیں تھا۔

پدرہ یا شیش منٹ بعد وہاں عمران کی گاڑی پیچی تھی۔ ظفرالملک بھی اس کے ساتھ تھا۔
”ارے.... ارے....!“ عمران جیس کو گھورتا ہوا بولا۔ ”یہ تم ہو.... میں تصور بھی نہ
سکتا تھا کہ چھیلے جانے کے بعد اتنے خوبصورت نکلو گے!“

”میا کرتا.... میں تو اس مردوں سے پیشے آیا تھا!“ جیس نے کہا اور دانت نکال دیے۔
”ہوں.... خیر.... تو ان لوگوں نے تمہیں بد عقیدہ لوگوں میں سے سمجھا تھا!“ عمران
ال کیا۔

”جی ہاں.... تم اور ظفر میرے نہ ہو... میں دیکھتا ہوں!“
ظفر جیس والی گاڑی میں جاییا۔ اور عمران اپنی گاڑی المرشد کی طرف بڑھا لے گیا۔
”کہیے یورہائی نس.... کوئی لڑکی ہاچھ لگی....!“ جیس نے ظفر کو مخاطب کیا۔
”بکواس مت کرو.... میں اس چکر میں تھا کہ اس سے مر عوب نہ ہونے پاؤں!“
”اوہ تو اس وقت ہوش ہی میں تھے جب مجھے پہچانتے سے انکار کر دیا تھا!“

”یقیناً ہوش میں تھا!“
”تب تو بڑی زیادتی ہوئی میرے ساتھ۔ اگر امیر خزوہ نے عمر و عیار سے ایسے بر تاؤ کیا
وہ بلاشبہ افسوسیاب سے جاملا۔ خیر بہر حال آپ کی واپسی کیونکر ہوئی تھی۔“

”مجھے کچھ پتا نہیں.... شائد کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔ پھر مجھ پر کیا گذر
میں نہیں جانتا.... آج صح خود کو عمران صاحب کے قریب پیا تھا!“

”کہیں یہ عمران صاحب بھی تو کسی قسم کے مرشد و رشد نہیں ہیں!“
”فضلول باتمیں نہ کرو.... ہم سب ایک بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔ ڈان فاگان،“

”عمران صاحب اپنی ذمہ داری پر حوالات سے نکلا لائے تھے!“

”ارے تو کیا ہم سچ مجھ اخھائی گیرے ہی ہیں!“ جیس نے ناخش گوار نجھے میں کھا۔

”اور ہاں سنو.... وہ تینوں لڑکیاں بھی واپس پہنچ گئیں!“

”نہیں....!“ جیس اچھل پڑا۔

”آج صح.... مرشد نے خود پہنچوادیں!“

”تجھی صرف پتھر کا ہوا ہے۔ انہیں ایک دن اور رو کے رکھتا تو شائد پانی ہو کر بہہ جاتا!“



عمران نے المرشد کی کپاونڈ میں گاڑی روک دی اور اترتے اترتے دہائیں مار مار کر روئے
لگا۔ ”ہائے.... میں یہ کیا سن رہا ہوں.... ہائے مرشد.... ہائے مرشد....!“

وہاں تو سب ہی گریہ وزاری میں بہتا تھا۔ کسی نے اس کی طرف دھیان تکم نہ دیا۔

”وہ برابر فریاد کئے جا رہا تھا۔“ ”ہائے.... کوئی مجھے اس کی کرامت ہی کا دیدار کراؤ نے....
ہائے مرشد.... ہائے مرشد....!“

اس نے عمارت کے اس حصے کی طرف جانا چاہا جہاں مرشد کا بست موجود تھا لیکن کئی لوگ راہ
نمٹا ہائی ہو گئے۔

”ہاں کوئی نہیں جا سکتا....!“ کسی نے کہا۔

”ہائے.... کیوں.... بھائی....!“

”بد عقیدہ لوگ بے حرمتی کرتے ہیں!“

”لیکن میں تو بد عقیدہ نہیں.... مجھے دیدار کر لینے دو.... چاروں ہوئے میرا اونٹ کھو گیا
لے مرشد کی کرامت سے خود ہی واپس آگیا!“

”پچھے بھی ہو.... تم اندر نہیں جا سکتے!“

”اچھا بھائی.... میں یہیں رورہ کر اپنی جان دے دوں گا!“ عمران آلتھی پا تھی مار کر لان پر
پیو گیا اور رورہ کر خاموشی سے اپنے سر پر دو تھوڑا مار تارہ۔

نہیں بد عقیدہ سمجھے ہیں۔!“
 ”پا نہیں.... میں تو مرشد کی خلک دیکھ کر جیتا تھا۔“
 ”لیکن میں نے تمہیں طلقے میں تو کبھی نہیں دیکھا۔!“
 ”میں مرشد کے خواب میں آیا کرتا تھا۔!“
 ”صورت سے ایسے ہی معلوم ہوتے ہو....!“ وہ پڑی۔
 ”باتاونا.... کہاں لے جائی ہو....؟“
 ”آسمان پر.....!“ لڑکی نے کہا۔ وہ پہلی منزل پر پہنچ کر رک گئی۔
 ”کیا وہ اور نہ آجائیں گے....؟“ عمران نے پوچھا۔
 ”کوئی جرأت بھی نہ کر سکے گا.... مرشد کے علاوہ اور کوئی نہیں آتا۔!“
 ”پھر تم کیسے آگئیں....؟“
 ”وہ مجھے اور ہی لاکر خداونک پہنچنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔!“
 ”ارے باپ رے.... کیا مطلب....!“
 ”خاموش رہو.... چلو.... اور ہر بیٹھ جاؤ....!“ لڑکی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
 ”تم تو مجھے خوف زدہ کئے دے رہی ہو۔!“ عمران نے کہا اور مسمی صورت بنائے ہوئے بیٹھ گیا۔
 ”کیا نام ہے تمہارا....؟“
 ”عبدالربان....!“
 ”کیا کرتے ہو....؟“
 ”پولٹری فارمنگ.... یہاں گھونسے پھرنے آیا تھا کہ.... بس کیا بتاؤں۔!“
 ”میرا نام نسرن ہے.... کچھ دنوں پہلے ایک بے حد شریف لڑکی تھی۔!“
 ”اب کیا کچھ گزبر ہو گئی ہے....!“ عمران نے احقةانہ انداز میں گھبرا کر پوچھا۔
 ”تم اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہو.... تم سے کیا بات کی جائے۔!“
 ”سوال تو یہ ہے کہ اب میں گھر کیسے واپس جاؤں گا....!“
 ”گھر جا کر کیا کرو گے.... میں یہیں تھپک تھپک کر سلاادوں گی۔!“
 ”کیا لگے گا....!“ عمران نے شرم کر کہا۔

پھر اس کے گرد اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی اور کسی نے کہا۔ ”میاں.... انہیں زیارت کر لینے دو.... حالت تباہ ہے ان کی۔!“
 ”ٹھہر و....!“ دفتارہ جھک کر عمران کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ ”مرشد نے خصوصیت اسی بد عقیدہ کی نشان دہی کی تھی مجھے اس کی تصویر دی تھی۔!“
 ”بس پھر کیا تھا۔ وہ بھیڑ عمران پر ٹوٹ پڑی۔ اگر وہ اس الجھی کے آتے ہی ہو شیار نہ ہوتا تو اپنی ٹوٹ پھوٹ کی مثال ہی تلاش کرتا رہ جاتا۔
 ”وہ ان کے زرنے سے نکل گیا لیکن چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔!“
 ”گھیر و.... جانے نہ پائے....!“
 ”وہ خیانتہ انداز میں وہ لوگوں سے مکار رہا تھا۔ انہیں ڈاچ دے رہا تھا۔ لیکن چاٹانک سے کفر دشوار ہی دکھائی دیتا تھا۔ آخر وہ عمارت کی طرف بھاگا ایک دروازے سے اندر داخل ہو اور جھپاک سے بند کرتے ہوئے یوٹ کر دیا۔ پھر راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔
 ”اب ان لوگوں کی آوازیں عمارت کے اندر سے بھی آنے لگی تھیں۔ عمران کسی عقبیار کی تلاشی میں تھا۔ اچانک ایک لڑکی دکھائی دی جو اس کے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔
 ”ٹھہر جاؤ.... ٹھہر جاؤ.... ورنہ مارے جاؤ گے....!“
 ”عمران رک گیا۔... اس راہداری میں ابھی تک اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچتا تھا
 ”میرے ساتھ آؤ....!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مخالف سمت میں دوڑتی ہوئی بولی اور چند ہی لمحوں کے بعد تیزی سے زینے طے کرتے ہوئے اور پری منزل کی طرف جارہے تھے۔
 ”نے زینوں کا دروازہ یوٹ کر دیا تھا۔
 ”تم مجھے کہاں لے جائی ہو....؟“ عمران نے اپنے چہرے پر حماقت طاری کر کے سوال
 ”تمہیں ان مہذب و حشیوں کے ہتھے نہیں چڑھنے دوں گی.... تکابوئی کر کر دلیں گے۔
 ”آخر کیوں.... میں نے کیا کیا ہے....!“
 ”وہ تمہیں بد عقیدہ سمجھتے ہیں.... حالانکہ میں نے تمہیں بھی روٹے دیکھا تھا۔!
 ”اور کیا.... ہائے مرشد....!“
 ”اول درجے کے گدھے معلوم ہوتے ہو....!“ وہ بھنا کر بولی۔ ”آخر کس بناء پر

”تمہیں پستول چلانا آتا ہے....!“ عمران نے لڑکی سے پوچھا۔
 ”نہیں....!“ وہ خوف زدہ لمحہ میں بولی۔
 ”ارے باپ رے.... مجھے بھی نہیں آتا!“
 ”بالکل گھامڑ ہو....!“ وہ دانت پیش کر بولی۔ ”ان کے سامنے کیوں کہہ رہے ہو!“
 ”بھائی جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ....!“
 ”پکڑو مردو دو کو....!“ تیرسا آدمی پیٹ دبائے ہوئے پیغما۔
 ”اے.... صر دوو.... وردو دنہ کہنا.... ہاں....!“ عمران نے غصیلے لمحہ میں کہا۔ ”گالیاں
 نہیں بروادشت کر سکتا!“
 ”پکڑو.... یہ فائز نہیں کر سکے گا....!“ تیرسا آدمی دہڑا۔
 پھر جیسے ہی وہ دونوں ہاتھ گرا کر عمران کی طرف چھپتے اس نے جھکائی دے کر ایک کی کپٹی پر
 دُنی پستول کا دستہ رسید کر دیا۔ دوسرے کے منہ پر باتیں ہٹھلی پوری قوت سے پڑی تھیں۔ وہ
 لاکھڑا تاہوا تیر سے آدمی پر جاپڑا۔ اس نے کراہ کر اسے ایک گندی ہی گالی دی تھی۔
 جس کی کپٹی پر پستول کا دستہ پڑا تھا وہ تو پھر اٹھنی نہ سکا۔ دوسرا آدمی سنبھل ہی رہا تھا کہ
 عمران نے ان دونوں پر چھالاگک لگائی۔ پستول کی نال اب بھی اس کی مخفی میں جکڑی ہوئی تھی۔
 ایک کی کھوپڑی پر پھر اس کا دستہ کام کر گیا۔ اب تیرسا پوری طرح عمران کی گرفت میں تھا۔ اس
 نے پستول لڑکی کی طرف اچھلتے ہوئے کہا۔ ”اسے سنجنالو!“
 لڑکی نبڑی طرح یوکھاٹی ہوئی تھی۔ پستول کو ہاتھوں پر بروکنے کی کوشش میں خود بھی من
 کے بل فرش پر چل آئی۔
 ”عمران تیر سے آدمی کو گھیست کر اٹھاتا ہوا بولا ”اب بتاؤ.... وہ کہاں ہے....؟“
 ”لگ.... کون....؟“
 ”تمہارا باس....!“
 ”مم.... میں کچھ نہیں جانتا!“
 ”گردن کی بڑی اس طرح تو دوں گا کہ تم آواز بھی نہ سن سکو گے!“
 اس نے اپنے دونوں ہی ہوش ساتھیوں کی طرف زیکھا اور تھوک نگل کر رہا گیا۔

”خاموش بیٹھے رہو.... ورنہ تھپٹر دل پر کھلوں گی....!“ وہ دانت پیش کر بولی۔
 عمران نے سہم جانے کی اینگل کی تھی۔
 ٹھیک اسی وقت باسیں جانبِ دنالے دروازے سے تین آدمی غمودار ہوئے۔ ایک کے ہاتھ
 میں سائیلنسر لگا ہوا ابڑا سا پستول تھا۔
 لڑکی بولکھا کر کھڑی ہو گئی.... عمران جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔
 ”لگ.... کیوں....؟“ لڑکی ہکلا۔
 مسلح آدمی نے عمران کی طرف اشارہ کرنے کے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”اے گرا کرا باندھ لو!“
 ”آخر کیوں.... ایک سیدھے سادھے آدمی کے پیچے پڑے ہو!“ لڑکی روہانی ہو کر بولی۔
 ”تم خاموش رہو....!“
 ”میں پوچھ رہی ہوں تمہیں اوپر آنے کی جرأت کیسے ہوئی.... یہاں میرے اور مرشد کے
 علاوہ اور کوئی نہیں آتا!“
 ”بکواس بند کرو....!“
 ”لڑکی عمران کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔
 ”ہٹ جاؤ.... سامنے سے....!“ مسلح آدمی غریبا۔
 ”ہر گز نہ ہٹا...!“ عمران کراہ۔
 پھر دونوں آدمی لڑکی کو ہٹا دینے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ عمران نے ایک زوردار جنی
 ماری۔ ”ارے آگئے!“
 اس کے بعد مسلح آدمی کی توشامت ہی آگئی تھی۔ اس نے مزکر دوسری طرف دیکھا ہی تھا
 کہ اچھل کر دور جاپڑا.... اور ہر اس کے پیٹ پڑی تھی اور ادھر پستول خود اس
 کے ہاتھ میں آگیا تھا۔
 ”پیچھے ہٹو....!“ اس نے اس کے دونوں ساتھیوں کو لکارا۔ ”دیوار سے لگ کر کھڑے
 ہو جاؤ!“
 انہوں نے اضطراری طور پر تعیل کی تھی۔ تیرسا آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبا
 فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہ آسکیں گے۔!" عمران امتحان انداز میں بھس کر بولا۔ "میری بات کا جواب دو۔!"

"م..... میں نہیں جانتا..... مجھے پیٹھے جانے دو..... کھڑا نہیں رہ سکتا۔!" عمران نے اس کا گرباں چھوڑ دیا اور وہ دھم سے فرش پر پیٹھے گیا۔ پیٹ اب بھی دونوں ہاتھوں سے دبارکھا تھا۔

"آرام سے بیٹھو....!" دفتار عمران نے بے حد نرم لمحے میں کہا اور بغلوں میں ہاتھ دنے کر اسے دیوار سے نکالتا ہوا بولا۔ "پہلی ضرور کرو یا ہوں لیکن بعد میں ترس نہیں آتا ہے چیزوں دوں!" اس نے سر کو منقی جنسی دی اور آنکھیں بند کر لیں۔!

لڑکی اس کے پیچھے کھڑی تھیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہی تھی۔

عمران نے مڑ کر اس کی طرف چیو گم کا پیکٹ بڑھا دیا۔

"تت..... تم..... نکل چلے کی فکر کیوں نہیں کرتے؟" وہ جھینچلا کر بولی۔

"چیو گم....!"

اس نے عمران کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ارے.... ارے.... تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔!" عمران نے اس کے ہاتھ سے پتوول لیتے ہوئے کہا۔ "لاو..... کہیں خود بخوبیہ چل جائے۔!"

لڑکی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے کبھی وہ ان تیوں کی طرف دیکھتی اور کبھی عمران کا گھورنے لگتی۔!

آہستہ آہستہ تیرے آدمی پر بھی غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"اے.... اے.... تو وہ بھی گیا۔....!" عمران اسے پر تشویش نظرؤں سے دیکھتا ہوا بڑھ لیا۔

"آخر.... تم کرنا کیا چاہتے ہو.... یہ لوگ کیوں تھہارے دشمن ہو گئے ہیں۔!"

"کیا تم انہیں پہلے بھی یہاں دیکھ چکی ہو....؟"

"نہیں.... یہ چہرے میرے لئے بالکل نئے ہیں۔!"

عمران نے اس دروازے کی طرف دیکھا جس سے وہ تیوں اس کرے میں داخل ہوئے تھے۔

"آؤ...." وہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھیں کہ آخر یہ کہاں سے نازا

ہوئے تھے؟"

دوسرے کرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا اور اسے یوٹ کرتا ہوا لڑکی سے بولا۔

"پھر کہہ رہا ہوں کہ چیو گم کا ایک پیٹھی کروائی کرو.... دل کو خاصی ڈھارس ہو جائے گی۔!"

"کیسی ڈھارس....؟"

مجھے ڈھارس کے معنی ہی نہیں معلوم ہیں زبان سے نکل گیا تھا...، معاف کر دو.... بھلا

یہ بھی کوئی لفظ ہوا.... ڈھارس....؟ اونہہ....؟"

"تم آخر ہو کیا چیز....؟"

"تمہی پتاں گا.... مجھے تو نہیں معلوم....!" عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کرے میں فرنچی نہیں تھا۔ لیکن فرش پر اعلیٰ درجے کا قالین بچھا ہوا تھا اس نے بھی ایک

دروازہ نظر آیا۔ عمران آگے بڑھ کر اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن شائد وہ مقفل تھا۔

"خوب....؟" وہ سر ہلا کر پر ٹھکر لمحے میں بولا۔ "تو یہ اسی کرے میں تھے۔ لیکن خبہ و....

ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کے پاس دروازے کی کنجی موجود ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔!"

وہ پھر اس کرے میں واپس آیا جہاں وہ تیوں بیہوٹ پڑے تھے۔ ان کی جامہ تلاشی لے ڈالی

کسی کے پاس سے بھی کنجی برآمد نہ کر سکا۔ مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا قالین والے کرے میں

داخل ہوا۔ لڑکی دیوار سے لگی کھڑی بڑی طرح ہاپ رہی تھی۔

"کیوں.... کیا ہوا.... کیا بات ہے....؟" عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آسمی میں نے عجیب سی آواز سنی تھی اور فرش ہلنے لگا تھا۔!" اس نے خوف زدہ سی آواز

میں کہا۔

"اہو.... اوھر آو....!" وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ پہلے کرے

میں کھنچ لایا۔ پھر خود دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

فرش قالین سمیت آہستہ آہستہ نیچے جا رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے.... یہ کیا ہو رہا ہے....؟" وہ عمران کو جھینچوڑی ہوئی بولی۔

"تم ہی بتاؤ.... میں تو پہلی بار اس عمارت میں داخل ہوا ہوں۔!" عمران نے کہا اور وہی

سائیلنز لگا ہوا پتوول نکال لیا جو کچھ دیر پہلے حملہ آوروں سے چھینا تھا۔

لڑکی آگے بڑھ کر اسی کے قریب آکھڑی ہوئی تھی اور جرت سے نیچے جاتے ہوئے فرش
کو دیکھے جا رہی تھی۔

پھر جو کچھ ہوا تھا اچانک ہی ہوا تھا۔ عمران کسی طرح بھی اس کا تدارک نہ کر سکا۔
سامنے والی دیوار کے ایک سوراخ سے دھوئیں کا ایک لثیف مرغولہ امنڈ کران کے چہروں
پر آیا تھا اور وہ دہراتے ہو کر اسی فرش پر جا گئے تھے جو اپنے فتاری سے نیچے جا رہا تھا۔



المرشد میں عمران کے سلسلے میں جوہہ گامہ برپا ہوا تھا اس کی خبر ان دونوں تک پہنچنے میں دیرہ نہ لگی۔
”یہ تو بہت نہ رہا...!“ ظفر بڑا بڑا۔ ”ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔!
”سنئے یور ہائی نس...!“ جیسمن نہ رہا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کچھ دیر پہلے دباؤ میرے ساتھ اچھا
برتاو نہیں ہوا تھا اور آپ بھی مرشد کے آدمیوں کے لئے جانے پہچانے ہیں۔!
”کچھ بھی ہو...!“

”میں بغیر سوچے کسجھ کوئی قدم نہیں اٹھاوں گا یور ہائی نس...!“
یہ دونوں ابھی تک وہیں موجود تھے جہاں عمران انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ عمران سے متعلق
اطلاع اس طرح ملی تھی کہ المرشد سے واپس آنے والوں میں سے ایک ان کے قریب زک گیا تھا
اور سگنیٹ سلانے کے لئے ان سے دیا مسلمانی مانگی تھی لوگ اب بھی ادھر سے گزر رہے تھے۔
”مپر اخیال تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے ہٹتے ہی جانا چاہئے۔!“ جیسمن بولا۔
ظفر جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اشیش ویگن قریب سے گزرا اور تھوڑی دور
جا کر رک گئی۔ اس پر سے پانچ لڑکیاں چھلانگیں مارتی ہوئی اڑتی تھیں اور ان کی طرف دوڑتی چلی
آئی تھیں۔

”یہ مردود بھی انہی میں سے ہے۔!“ ایک لڑکی ظفر کی طرف ہاتھ اٹھا کر چینی۔
دونوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ شکلیہ تھی۔
انہوں نے اپنی جیپ سڑک سے اتار کرنا ہموار زمین پر روکی تھی۔ لہذا فوری طور پر بھاگ
تلکنے کا امکان بھی نہیں رہا تھا۔ جتنی دیر میں خود کو سنبھالنے لئے لڑکیاں ان پر ٹوٹ پڑیں۔
”ارے.... ازے.... سنئے تو سہی...!“ ظفر بوكھا کر بولا۔

”یہ سنئے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں یور ہائی نس...!“ جیسمن چھلانگ مار کر جیپ
سے کوڈتا ہوا بولا۔

ظفر جیپ ہی میں رہ گیا تھا۔ پھر کسی نہ کسی طرح وہ بھی نیچے کو دنے میں کامیاب ہو گیا۔
اب وہ دونوں نشیب میں دوڑے جا رہے تھے اور لڑکیاں ان پر پھر اڑ کر رہی تھیں۔
چار تو جہاں تھیں وہیں سے پھر چون چون کران پر چھینک رہی تھیں۔ لیکن شکلیہ نے بہت
زیادہ جوش میں آکر تعاقب کی ٹھان لی تھی۔

پھر وہ کوئی بھی اچھے دوڑ کرنے کے لئے بھی بر سائے جا رہے تھے۔ ایسا
معلوم ہوا تھا جیسے وہ چاروں پا گل ہو گئی ہوں۔

”اوہو...! ایک تو دوڑی آرہی ہے۔!“ جیسمن اچھل کر پھر بھاگ۔ لیکن ظفر جہاں رکا تھا
وہیں کھڑا رہا۔
شکلیہ قریب ہٹپنے کر پھر چھپت پڑی۔ ظفر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ اور وہ
اچھل کر اس کے منہ پر نکریں مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جیسمن کچھ دور جا کر رکا اور چھینتے گا۔ ”بھاگنے چڑا کر...!“ وہ بھی آرہی ہیں۔!
ظفر نے چونک کر ادھر دیکھا تو چونچ انہیں بھی ادھر ہی دور لگاتے پایا۔ شکلیہ کو پرے جھنک
کر وہ بھاگا۔

اس کے بعد تو بس وہ منہ اٹھائے دوڑتے ہی چلے گئے تھے۔ چاروں لڑکیاں پھر رک کر پھر
چنے لگی تھیں۔ لیکن شکلیہ تھی کہ دیوانہ وار ان کے چھپے دوڑی ہی آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا
جیسے دوسری دنیا تک تعاقب کا را درہ رکھتی ہو۔

”دوج دینے کی کوشش کیجھ۔!“ جیسمن نے ظفر کو مخاطب کیا
”تم میری مٹی بھی پلید کر ا دیتے ہو۔!“ ظفر بولا۔ ”آخر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔!
”پانچ عدد پا گل لڑکیاں... خدا کی پناہ...!“ میرے لئے تو ایک جوش مند بھی موت کا
باعث بن سکتی ہے۔!

”اچھا بس...!“ خبر جاؤ۔ وہ بہت چھپے رہ گئی ہیں۔ آؤ اس درے میں گھن چلو...!
یہ جگہ و شوار گزار تھی لہذا تیر فتاری کو برقرار رکھنا آسان نہیں تھا۔ سامنے والی درازی میں

داخل ہونے سے قبل ظفر نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ شکلیہ نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ، چاروں نہ دکھائی دیں۔ ظفر رک گیا اور جیسن کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی روکنے کی کوشش کی۔ ”خوب جاؤ۔ اشیرن نہیں ہے۔“

”آپ کے ساتھ دیکھ کر مجھے بھی بیچان لے گی۔“
”میں کہتا ہوں بکواس بند کرو...!“

جیسن نہ اسامنہ بنائے ہوئے رک گیا۔ دونوں شدت سے ہاتپر ہے تھے۔ آن کی آن میں شکلیہ بھی وہیں آپنگی۔ لیکن احمقوں کی طرح انہیں گھورتی اور باپتھری۔ پھر اس طرح لڑکھڑائی جیسے بیہوش ہو کر گرنے والی ہو۔

ظفر نے ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا اور جیسن دوسرا طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شکلیہ کے ساتھ ظفر کا رویہ بہت گران گذر ہا۔

ظفر نے شکلیہ کو سہارا دے کر بٹھادیا اور آہستہ سے بولا۔ ”آدمی ہو... بتاؤ... اس رویے کی کیا وجہ ہے۔ میں مرشد کا دشمن نہیں ہوں۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹھیک اس وقت جیسن کی نظر بائیں جانب والی چنان پرپڑی اور اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ تین رانقوں کی نالی ان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور ایک آدمی چنان سے نیچے اتر رہا تھا۔

اس نے ظفر کو بھی اس جانب متوجہ کیا۔ شکلیہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ یہ آدمی مرشد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قریب پہنچ کر وہ سانپ کی طرح بھکھ کارا۔ ”چپ چاپ اس درے میں داخل ہو جاؤ۔“ ”یقیناً... یقیناً... یورہائی نس...!“ جیسن نے ہڑے ادب سے کہا۔ ظفر نے اسے عصیا نظر دوں سے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی پردہ کئے بغیر درے میں داخل ہو گیا۔ مرشد نے شکلیہ کا بازا پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مرشد کا سایہ ہمیشہ تم پر رہے گا۔ تم شربت فردوس سے محروم نہیں ہو سکتیں۔“

”مجھے سب پکھہ مل گیا۔... اب میں زندہ رہوں گی۔...!“ وہ کپکاپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

درے کی طوات کم از کم پچاس فٹ ضرورتی ہو گی۔ دوسرا طرف پہنچ کر انہوں نے خود کو ایک بہت ہی دشوار گذار راستے پر پایا۔ یہاں مزید چار مسلسل آدمی دکھائی دیے جن کے رویا اور ان کی طرف اٹھ گئے تھے۔



پھر حرکت کرتا ہوا فرش تھم گیا۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں دبار کھی تھیں ان میں ایسی شدید جلن تھی جیسے کسی نے مرچوں کا سفوف جھوک دیا ہو۔ نسرین تو کہا رہی تھی۔ پھر اسی جالت میں کسی نے عمران کو جکڑ لیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی بیمار پر تکالیف میں دس گناہ اشاف ہو گیا ہو۔ لہذا پھر آنکھیں بند کر لینی پڑی تھیں۔ شامکدو آدمی اسے گھیٹتے ہوئے کسی طرف لئے جا رہے تھے وہ نسرین کی کراہیں بھی سن رہا تھا۔ شامکدو پرہہ منٹ تک اُسے چلانا پڑا تھا۔ پھر بلقوں میں ہاتھ دے کر اُسے کسی اوپھی جگہ پر پڑھایا گیا تھا۔

”آخیر یہ سب کیا ہو رہا ہے.... بھائیو...!“ عمران بھرا جائی ہوئی آواز میں بولا۔

لیکن جواب ملنے کے بجائے کسی وزنی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی۔ آنکھوں کی جلن بدستور قائم تھی۔

”اُرے.... یار بولتے کیوں نہیں۔...!“ اُس نے پھر ہاتک لگائی۔

”میری آنکھیں پھوٹی جا رہی ہیں۔!“ نسرین کی آواز آئی۔

”نہیں پھوٹیں گی۔...!“ عمران نے بڑے دوثق سے کہا۔

”پا نہیں.... کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی۔ کاش تمہاری مدد کرنے کی کوشش نہ کرتی۔!“

”اب تو کر چکیں مدد... کیا ہو سکتا ہے۔!“ عمران مایوسانہ لبجھ میں بولا۔

دفعہ پیر دوں تلے گزر گراہٹ سی محسوس ہوئی اور عمران لڑکھڑا کر گرپڑا۔... پھر تو ایسا معلوم ہوئے کہیے زور لے آگیا ہو۔... نسرین بھی شامکدو کر رہی چھپی تھی۔

کچھ دیر بعد اس گزر گراہٹ کی حقیقت عمران پر واضح ہو گئی۔ وہ یقیناً کسی ریلوے ٹرین کے پیوں کی گزر گراہٹ تھی اور زلزلہ نہیں تھا بلکہ ٹرین حرکت میں آئی تھی۔

”تت... تم... کہاں ہو....؟“ اُس نے نرین کی آواز سنی۔

”میں... تمہارے... پاس...!“

”اور وہ لوگ...؟“

”پناہیں... دیے میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں بغیر لٹک سفر کرتے ہوئے پڑے، اتنا پہبڑتے تھے!“

”میں تمہاری آنکھیں کھل گئی ہیں۔!“

”دل کی آنکھیں روشن ہیں... فکرنا کرو!“

”شائد تم بچھے صحیح الدماغ نہیں ہو،“ وہ جھلا کر چھین۔ ”میں اب بھی آنکھیں نہیں کھول سکتی!“

”اچھا ہی ہے... اگر ان بردودوں نے تھرڈ کلائن میں بھایا ہے تو آنکھیں کھلنے پر میں اپنے سخت توہین محسوس کروں گا اور شاہد تمہارا بھی کسی حال ہو!“

”خاموش رہو... تمہاری آواز زہر لگ رہی ہے۔!“

”میرا خیال ہے کہ ٹرین سرگ کیں جمل رہی ہے۔!“

”یہ کیسے کہہ سکتے ہو....!“

”آواز کی بیان پر... ابھی اسکے پل بھر کے لئے فضائیں نہیں آئی اور سردار گدھ کی ریلوے

لائن ایسی کسی بھی سرگ سے نہیں گذرتی۔ چھوٹی چھوٹی سرگ نہیں ہیں۔!“

”کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”شاہد ہم لندن کے کسی ٹیوب سے گذر رہے ہیں۔!“

”میں کہتی ہوں خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔!“

”یوں قوف آدمی گونگے تو نہیں ہوتے۔!“

”تم خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔!“

”اچھی بات ہے... تم پکھ دیر پلے میری مدد کرچکی ہو اس لئے خاموش ہو جاتا ہوں۔!“

”تم مرشد کے بارے میں کیا جانتے ہو....؟“

”پکھ بھی نہیں...! ادھر سے گذر رہا تھا لوگوں کو روٹے دیکھا تو خود بھی رونے لگا۔“

”اسی ہی عادت ہے میری...! اسی لئے دیسی فلمیں نہیں دیکھتا۔... ادھر والی ہیر و دن کو اٹھا کر

گیا اور ادھر والی کی مال لکھارتی ہوئی پہنچی۔ ٹھہر اوابے کھوتے دے پتھر میں کیا جانتی تھی کہ اکا

سانپ کو دودھ پلا پلا کر پال رہی ہوں۔ اور پھر نکال دو تاں بندوق اور دیا خاہیں سے۔ ادھر میں
دہائیں بار بار کر سینہاں میں روشن اشروع کر دیتا ہوں۔!“

”تم جھوٹے ہو....!“

”اچھا بھی چلنا میرے ساتھ۔!“

”میں کہتی ہوں بکواس بند کرو....!“

”خود ہی بولتی ہو پھر بکواس بند کر دیتی ہو۔!“

”میں مرشد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چاہتی ہوں۔!“

”مم... مگر وہ تو پھر کا ہو گیا ہے۔!“

”بکواس ہے.... اسی طرح شعبدے دکھاتا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اٹھیں آدمی کے روب میں آجائے تو مرشد ہی ہو گا۔!“

”اٹھیں بڑی سے بڑی حمact کر سکتا ہے لیکن آدمی کا روپ بھی نہیں دھار سکتا۔!“

”اوہ.... میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ لیکن پکھ دیکھ نہیں سکتی۔ خدا یا کیا بینائی جاتی رہی۔!“

”میں کہہ رہا ہوں کہ گاڑی کسی طویل سرگ میں چل رہی ہے۔ ہم گھرے اندر ہیرے میں ہیں۔ آنکھیں بھیرتے ہیں۔!“

عمران بھی اب پکھ دیر خاموش رہ کر حالات پر غور کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وزارت خارجہ کے مکری شری کو سردار گدھ میں سرگ کی موجودگی سے مطلع کر دیا تھا اور اپنی پوری نیم وہاں طلب کر لی۔ بلکہ زیرو کو حالات سے باتفصیل آگاہ کرتے ہوئے کچھ خاص ہدایات بھی دی تھیں۔ ڈان فاگان کے قتل نے اسے دشواری میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ سردار گدھ کے حکام اصل حالات سے آگاہ نہیں تھے۔ اس پی اپنی ذمہ داری پر عمران کے لئے سہو تین فراہم کر تارہا تھا اس لئے اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر خود اس کی پوزیشن خراب ہو سکتی تھی۔

بہر حال دشواریاں ہی دشواریاں تھیں اور سب سے بڑی دشواری یہ لاکی نرین... جس کی زبان کی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اب اس نے شربت فردوس کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

”ایک ایسا نشہ آور مشروب ہے جس کی وجہ سے بے شمار لڑکیاں اس کی غلام ہو کر رہ گئی تھیں!“

”مردوں کو نہیں پلاتا...؟“

”مردوں کو کیوں پلائے گا....؟“

”حالانکہ مردوں کو غلام بنانے میں زیادہ فائدہ ہے۔ خیر تو تم بھی شربت فردوس کے لئے!“

”ہرگز نہیں.... میں نے صرف ایک بار پیا تھا اور اپناب سب کچھ کھو دیا تھا۔ ایک احسان کے عوض اس نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ اس کے بعد سے صرف اس لئے اس کے قریب رعنی تمی کے سمجھی تو مجھے اس کو قتل کر دینے کا موقع مل ہی جائے گا!“

عمران کچھ نہیں بولا۔ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی تھی اور اب آنکھوں کی جلن بھی قطعی طور پر زائل ہو گئی تھی۔ لیکن گہرے اندر ہرے کی وجہ سے وہ نسرین کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ گاڑی رکنے والی ہے!“ نسرین بولی۔ ”تم کیا سوچ رہے ہو....؟“

”یہی کہ شربت فردوس پے بغیر ہی مارا گیا!“

”جی تباہ تم کون ہو.... تم نے کس بُری طرح ان تینوں کو مارا تھا۔ ظاہر اول درجے کے حق معلوم ہوتے ہو!“

”حماقت ہی میں تو سب کچھ کر بیٹھتا ہوں۔ اب وہ لوگ میری چنی بنا کر رکھ دیں گے!“

”کیا یہ مرشد کوئی بروابد معاش ہے!“

”مجھ سے پوچھ رہی ہو....؟“

”مطلوب یہ کہ وہ حملہ آور اسی کے آدمی تھے!“

”پا نہیں.... اب یہ گاڑی کسی طرح رکے تو معلوم ہو کہ کیا چکر ہے!“

گاڑی کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور آخر کار وہ رک گئی تھی۔ لیکن اندر ہرمنے میں کی دلنا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی نسرین کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اب وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ اچانک عمران نے کسی کی بھراہی ہوئی سی آواز سنی۔

”کیا آپ جاگ رہے ہیں....؟“

”یہ کون ہے.... یہ کون بولا تھا....؟“ نسرین بے ساختہ بولی۔

”کون ہو بھائی.... اپنانام تباہ....!“ عمران نے اوپری آواز میں کہا۔

”ارے کون.... اوہ یور یچھی....!“

”جیسمن....!“ عمران نے طویل سانس لی۔

”آپ کہاں سے بول رہے ہیں....؟“

”اندر ہرے سے.... جہاں ہو.... ویس پڑے رہنا.... ظفر کہاں ہے....؟“

”میں نہیں جانتا.... آپ کے چچا نے ہم دونوں کو گھر اختیا پھر ہمارے مردوں پر ضریب لگائی تھیں اپنی بیویوں تو یاد ہے پتا نہیں ہر ہائی نس پر کیا گذری!“

”میں بہت دیر سے سب کچھ سن رہا ہوں....!“ یہ ظفر کی آواز تھی۔

”تھیک گاڈ....!“ جیسمن کی آواز آئی۔

”یہ لوگ کون ہیں عبداللہان....؟“ نسرین نے پوچھا۔

”وہاں جان.... قبرتک میرا پیچا نہیں چھوڑیں گے!“

”کسی نے تمہیں یور یچھی کہا تھا!“

”ای طرح مکھن لگا کر میری دولت کا صفائیا کر رہے ہیں!“

”ان خاتون کی تعریف یور یچھی....!“ جیسمن کی آواز آئی۔

”کس کس خاتون کی تعریف کروں.... ہر ایک اپنی جگہ پر لا جواب ہے....!“ عمران نے

ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

”دنغنا اسی آواز آئی جیسے کوئی آہنی دروازہ کھولا گیا ہو۔ پھر نارچ کی روشنی میں عمران کی

آنکھیں چڑھایا کر رہے گئیں۔ ساتھ ہی کسی نے گرفخ کر کہا۔ ”کوئی غیر ذمہ دارہ حرکت موت

کے منڈیں لے جائے گی۔ لہذا جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے!“

”بہت دیر سے ٹھہرے ہوئے ہیں بھائی صاحب....!“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”ان کی آنکھوں پر پیاس باندھ دو....!“ پھر وہی آواز آئی۔

”وہ کئی آدمی تھے اور مسلسل معلوم ہوتے تھے۔ عمران نے نارچ کی روشنی میں ثائی گنوں کی

بلکلیاں دیکھی تھیں۔ ان کی آنکھوں پر پیاس باندھ دی گئیں اور آئنے والوں نے انہیں سہارا

رے کر پیچے اٹا لا۔ اس کے بعد ایک تکلیف دہ سفر شروع ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ

چند نا معلوم آدمیوں کے سہارے گرتے پڑتے چلے جا رہے تھے!“



”ایت از صدر!...!“ صدر نے جواب دیا اور پھر اس نے ایکس ٹوکی آواز سنی۔ بلیک زیرہ یک ٹوکی آواز میں کہیں سے مخاطب کر رہا تھا۔

”تم نے عمارت کے منہدم ہو جانے والے حصے کا جائزہ لیا ٹھیں...؟“
”جی ہاں... ہم دیکھے چکے ہیں.... میرا خیال ہے کہ صرف وہی حصے تباہ ہوئے ہیں جہاں نہ ٹانے رہے ہوں گے۔ ورنہ پوری عمارت تباہ کی جاسکتی تھی۔“

”تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تلاش جاری رکھو... ویسے مجھے ملے والی طلاق کے مطابق ایک یوں قوف سے آدمی کا جھگڑا مرشد کے معتقدین سے ہوا تھا اور اس عمارت قسم کے جوانوں پر کچھ لڑکیوں نے پھراؤ کیا تھا اور وہ اپنی گاڑی سڑک پر چھوڑ کر المرشد کے قربی نیز آبادھے میں بھاگ گئے تھے پھر وہاں سے ان کی واپسی کا سراغ نہیں ملتا!“

”تو پھر ہمیں اس طرف ضرور جانا چاہئے!“

”اس وقت نہیں... فی الحال صرف شہری آبادی تک محدود رہو... اور اینڈ آل...!“
صدر رئاس میٹر کا سوچ آف کرنے والاتھا کہ دوسری آواز آئی۔

”میں مرشد بول رہا ہوں۔ تم سمجھوں پر میری نظر ہے۔ ان تینوں کے لئے... سرگردان ہذا نسل پر۔ مرشد کے مشرقی حصے کا لمبہ ہٹا کر جب چاہوں کی لاٹیں برآمد کر سکتے ہو... اور اینڈ آل...!“

صدر نے اس کے پیر کا نپ رہے تھے۔ اس کے تینوں ساتھی بھی قریب ہی ہو گوئے تھے۔ انہوں نے بھی سب کچھ سنا تھا اور گونگے ہو کر رہ گئے تھے۔
”دفعتاً پھر بلیک زیرہ کی آواز آئی۔ ”کیوں...؟ تم اس خبر سے نرس ہو گئے ہو۔!“

”خبر ہی الیک ہے جتاب...!“ صدر بھرا لی ہوئی آواز میں بولا۔

”کچھ مکھانوں پر واپس جاؤ... اب تمہیں فون پر بدیات ملیں گی۔ رئاس میٹر مت استعمال کرو اور اینڈ آل...!“

صدر رئاس میٹر کا سوچ آف کرنے والی جاہا تھا کہ پھر وہی آواز آئی۔ ”خیریت چاہتے ہو تو اس مکالمے کو یہیں ختم کر دو۔ ورنہ سردار گذھ کی ہر عمارت اسی طرح خاک کا ڈھیر ہو جائے گی۔

ہٹادی گئی تھی۔ یہ اسی شام کو ہوا جس دن عمران المرشد میں داخل ہوا تھا۔ عمارت کے گرد مرلخ فوجیوں کا پیڑہ تھا۔

عمران کے چار ماتحت صدر، چہاں، خاور اور صدقیتی بھی فوجی افسروں کی وردوں میں موجود تھے۔ انہوں نے پوری عمارت کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن وہاں انہیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جو قانونی نکتہ نظر سے قابل اعتراض ہوتی۔

مرشد کا بت بدستور موجود تھا۔

”آخر!... یہ مرشد ہے کیا بل؟“ چہاں اس کے بت کو گھورتا ہوا بڑا بڑا۔
ٹھیک اسی وقت بت سے آواز آئی۔ ”اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس عمارت سے اس فرلانگ دور پلے جاؤ... صرف دس منٹ کا وقت دیا جاتا ہے!“

”تم کون ہو... سامنے آؤ...!“ صدر نے اوپنی آواز میں کہا۔

”مرشد!... ادب سے جھک جاؤ!“

”ہمیں روحانیات سے کوئی دلچسپی نہیں!“ صدر نے نکل لجھ میں کہا۔ ”سامنے آدمیوں کی طرح بات کرو...!“

”اگر تم اس عمارت کے ملے میں دب کر مرنا ہی چاہتے ہو تو شوق سے ٹھہرو...!“
آواز آئی۔ ”دس منٹ بعد خوف ناک قسم کے دھاکے اسے پونز میں کر دیں گے۔!“

صدر نے بوکھا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”نکل چلو...!“ خاور آہستہ سے بولا۔ ”ہو سکتا ہے دھمکی صحیح ثابت ہو۔!
پھر وہ بہت تیزی سے باہر نکلے تھے اور عمارت کی ٹگرانی پر مقیم فوجیوں کو بھی دہاں لے گئے تھے۔ ہمیں پر پیٹھ کر پانچ منٹ کے اندر وہ کئی فرلانگ دور نکل گئے۔

ٹھیک دسویں منٹ پر پچھوپا رسدار گذھ متعدد دھاکوں سے لرز کر رہ گیا تھا۔ المرشد بعض حصے اس طرح منہدم ہوئے تھے جیسے کسی اندر یکھی چکی میں پس کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔
رات گئے تک گہر اغبار سردار گذھ کی نضا پر منڈلانا تارہ۔ صدر اور اس کے ساتھیوں کو عمران ظفر اور تیمسن کی تلاش تھی۔

رات کے بارہ بجے تھے اور وہ یہڑکوں پر مارے پھر رہے تھے۔ دفعتاً صدر کو

وہ چاروں ایک خیے میں مقید تھے جس کے گرد مسلح آدمیوں کا پھر اتھا۔
پچھے دن ان کے سفر کے اختتام پر جب آنکھوں پر پیان کھوئی گئی تھیں تو عمران نے خود کو
ای بھتی میں پالیا تھا جہاں کچھ دنوں پہلے وہ بندرا بن کر لائے گے تھے۔
نرین کی حالت ابتر تھی۔ زیادہ تر خاموش رہتی اور اگر کوئی اسے مخاطب کرتا تو پوچھ کر اس
میں آنکھیں پھاڑنے لگتی ہیں خود کو یقین دلاتا چاہتی ہو کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہی۔
جیسے سب سے زیادہ لاپرواہ نظر آرہا تھا۔ ظفر الملک نے وجہ پوچھی تو مسکرا کر
بول۔ ”ہو سکتا ہے زندگی مختصر ہو... اس لئے یہ عرصہ سوچ چار میں کیوں گزار جائے!“
”تم یونان کا باشندہ معلوم ہوتا ہے!“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔
”تم لوگ پتا نہیں کون ہو... اور کیا کرنا چاہتے ہو...!“ نرین بڑھا۔
”تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”کیا تم اسے قتل کرنا چاہتیں؟“
”اپنی خبر مناؤ...!“ وہ دیویوں کی طرح بُزپُزی۔
کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران نے گھٹری دیکھی دن کے فونج رہے تھے۔ صبح انہیں معقول قسم کا
ماشٹلا تھا اور ابھی تک کسی نے بھی ان سے گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
بھیکی رات عمران نے خیے کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ دہاں کوئی ایسی
جنگ موجود نہیں جس کے ذریعے ان کی گفتگو کہیں اور بھی سنی جاسکے۔ لہذا وہ بڑی دلجمی سے اپنے
سماں گھیوں سے گفتگو کر تازہ تھا۔
”اب آپ کیا سوچ رہے ہیں یور مجھی...؟“ جیسے نے دفعتائے مخاطب کیا۔
”تمی بتاؤ کہ مجھے کیا سوچتا چاہئے!“
”اوہو...“ ظفر چوک پڑا۔ وہ خیے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی استجاہیہ آواز پر وہ بھی
الاست مرے تھے۔ سامنے سے شکلیہ آتی دکھائی دی۔
”خیے میں کھس آئی اور جیسے کو مکادھا کر بولی۔“ تو یہ تم ہو۔ میری اس بد نصیبی کا باعث۔!
”میں نہیں سمجھا محترمہ... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں!“
”واڑا جمی موچھیں صاف کر سکتے ہو لیکن آواز کا کیا کرو گے۔“ شکلیہ نے غصیلے لمحے میں کہا۔

اور سنو! مشرقی حصے کا ملبہ ضرور ہٹوانا!“
صفدر نے جھلا کر سوچ آف کر دیا۔
”سنو... سنو...! اور کیا کہہ رہا ہے!“ چوبان بولا۔
”جھک مار رہا ہے... میں کچھ نہیں سننا چاہتا!“
”یہ تو ہونا ہی تھا ایک دن...!“ صدیقی نے ذیلی زبان سے کہا۔
”خاموش رہو...!“ صدر پریخ کر بولا۔ ”میں کچھ نہیں سننا چاہتا!“
خاور نے بات آگے نہ بڑھنے دی پھر وہ نہایت خاموشی سے اپنے ٹھکانوں کی طرف روا
ہو گئے۔ صدر کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔
”خود کو سنبھالو...!“ خاور اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ ”ہمیں بھی صدمہ پہنچا ہے۔ عمران را
کاہر انہیں تھا!“
”خاموش ہو جاؤ... مرشد بکواس کرتا ہے... عمران جیسے لوگ چوہوں کی طرح نہیں
کرتے۔“ صدر کی آواز وحشت زدہ تھی۔
”ہاں... ہاں...! ہمیں بھی یقین نہیں ہے...!“ خاور نے آہتہ سے کہا۔
”وہ پہنچے نہیں کس لئے مشرقی حصے کا ملبہ ہٹوانا چاہتا ہے!“
”اے بھی دیکھ لیں گے!“
وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صدر نے کپکاپتی ہوئی آواز میں کہا۔
”دوستو! میری تلحظہ کلامی معاف کر دو... میں ایسے انداز میں عمران کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔
یقین کرو...! پھر اس والا عمران اس طرح نہیں مرسکتا!“
”چھوڑو اس ذکر کو... یقیناً مرشد نے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔!“
انہوں نے وہ رات کسی نہ کسی طرح گذاری تھی اور صبح ہوتے ہی ایکس ٹوکی ہدایت
مطابق المرشد کے مشرقی حصے کا ملبہ ہٹانے کا کام شروع کر دیا تھا اور پھر تین چار ٹھکانوں کی جو
کے بعد سچی جی ایسی تین لاشیں برآمد کری تھیں جو بڑی طرح کچلی جانے کی بنا پر قلعی
ناقابل شاخت ہو گئی تھیں۔
صفدر چکرا کر گر پڑا۔

”اے بھی تمہاری عمر اتنی زیادہ نہیں ہوئی کہ ان باتوں کو سمجھ سکو...!“
”تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو!“

”تم بتاؤ کہ تم مجھے کیا سمجھتی ہو....!“ عمران نے احتجانہ انداز میں پوچھا۔
”اول درجے کا ذفر...!“

”شکریہ...! تو پھر ہم شادی کرنے کر رہے ہیں!“
”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا!“

”تو پھر تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے ذفر سمجھو...!“
”یور میچی...! آپ خواہ مخواہ نہ لجھیں... ان محترمہ کو صرف مجھ سے شکایت ہونی
چاہئے کہ شیو کرنے کی جلدی میں انہیں قطعی بھول گیا تھا!“

”ہونق نظر آنے لگے ہو۔ ڈالا ہمیں ابھی لگتے تھے!“ عمران بولا۔ پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر
سکرانے لگا۔ انداز بالکل احتجانہ تھا۔ شکیلہ دوسرا طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے سور، بہت کڑوے تھے۔
”اب میرے پچا جان کہاں تشریف رکھتے ہیں!“ اُس نے شکیلہ سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی.... وہ یہاں تو نہیں آئے تھے!“
”تم پہلے کبھی یہاں آچکی ہو!“

”نہیں... لیکن میں تمہیں کچھ کیوں بتاؤں!“
”لیں ثابت ہوا میرا پچا تم پر بھی ایک بہت بھی انک تجربہ کرنے والا ہے!“

”کیا مطلب....?“

”خود ہی دیکھ لوگی.... میں کیوں بتاؤں....؟“
”جنم میں جائے.... میں تو تم سے یہ معلوم کرنے آئی تھی کہ دوپھر کو کیا کھاؤ گے!“

”جودل چاہے بھجوادینا.... ویسے تمہارے لئے یہ ایک سنہرہ موقع ہے۔ کھانے میں ہمیں
نہر دلوادو... اگر دشمن سمجھتی ہو!“

”میں یقیناً ایسا ہی کرتی لیکن مرشد کا حکم ہے تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے!“
”دیکھا تم نے...!“ عمران نرین کی طرف دیکھ کر چکا۔ ”ممتاز برداشت بھیجا ہوں!“

پھر شکیلہ واپس جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ عمران بولا۔ ”چاچپی طرح جانتا ہے کہ ہم

”وہ تو میں اپنی ہر سالگردہ پر صاف کراؤتا ہوں!“
”میں تم سے بدلہ لوں گی!“

”بالوں کی صفائی کے بعد اب مجھ میں رہا ہی کیا ہے کہ آپ بدل لیں گی!“
”بڑی معقول بات کہہ رہا ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب اسے معاف کر دو کہ اس کے
وزن ساڑا ہے تین پونڈ سے زیادہ نہیں رہا!“

”تم خاموش رہو... تم بھی میری بربادی کا باعث بنے ہو!“

”میں... میں نے شائد تمہیں مرشد کے پاس دیکھا تھا!“ نرین نے شکیلہ کو مقاطب کیا۔
”میں بھی تمہیں جانتی ہوں... تم نرین ہو اور اب معلوم ہوا کہ تم بھی مرشد کے
دشمنوں میں سے ہو!“

”تو کیا یہ لوگ سچی مرشد کے دشمن ہیں!“

”باکل... سو فیصد...!“ اس نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اور یہ تو مرشد کا بھی
بانی بھیجا تھا!“

نرین نے متحیرہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ ”تم مرشد کے
دشمن کیوں ہو گئے ہو!“

”چچا بھتیجے کا معاملہ ہے تم اس پچکر میں نہ پڑو... اگر میں اس کا بھتیجاء ہوتا تو وہ اب تک مجھے
ختم کر چکا ہوتا!“

”لیکن تم غنقریب ختم کر دیئے جاؤ گے!“ شکیلہ نے بمرے لہجے میں کہا۔
”میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتی...!“ نرین بڑی بڑی۔

”بہر حال آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی!“ جسمن نے شکیلہ کو نیز نظر دیے
ویکھتے ہوئے سوال کیا۔

”تم لوگ میرے چارچ میں دیئے گئے ہو!“
”یہ تو بڑی اچھی بات ہے!“ عمران بولا۔ ”اب ہم ایک دوسرے کو اور زیادہ آسانی سے کچھ
لکھیں گے!“

”اس کی ضرورت ہی کیا ہے!“

یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ پھر اس پہرے چوکی کی کیا ضرورت ہے۔!

”مجھے مرشد نے بتایا ہے کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔!

”اپنے ٹھکانے پر ضرور تھا لیکن یہاں تو کسی جو ہے کی طرح بے بس ہوں۔!

”کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”یہاں سے پہرہ ہٹادیا جائے میں اپنی سخت توہین محسوس کر رہا ہوں۔!

”مرشد کی اجازت کے بغیر ناممکن ہے۔!

”آن سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔!

”میں نہیں جانتی۔!

”کیا تم بھی اُسی ٹرین کے ذریعے یہاں پہنچی ہیں۔!

”کیسی ٹرین....؟“ وہ عمران کو گھوڑتی ہوئی بولی۔ ”مجھے تو مرشد کی روحانی قوت نے یہاں تک پہنچایا تھا۔“

”ضرور ایسا ہی ہوا ہو گا۔ اب دیکھنا کہ بھتیجا تمہیں اپنی روحانی قوت سے انگلتان کے سخت پر بھادے گا۔۔۔ شربت فردوس کے ملکے سیت۔!

شکیلے نے اس ریمارکس پر ایسا منہ بنایا تھا جیسے دل ہی دل میں عمران کو کوئی گندی سی گالی دی ہو پھر وہ خیسے سے چلی گئی تھی۔

دوبارہ ذوپیر کے کھانے کے ساتھ آئی تھی۔ ساتھ ہی خوشخبری بھی لائی تھی کہ انہیں سے پہراہنالیا گیا ہے۔

”مرشد کا خیال ہے کہ تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔!“ اس نے کہا۔ ”کیونکہ وہ راست اب تمہیں نہیں مل سکے گا جس سے پہلی بار فرار ہوئے تھے۔!

”دیکھا.... میں نہ کہتا تھا۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”ارے یہاں سے جانا ہی کون چاہتا ہے۔ ہم تینوں اتنے مقروض ہیں کہ اگر واپس گئے تو جیل ہی کی ٹھیک دیکھنی پڑے گی۔!
”تمہیں خوش حالی نصیب ہو سکتی ہے اگر مرشد کا حکم ہاں...!“

”ارے تو ہم پہلے ہی کب حکم سے باہر تھے... بس ذرا سی گھر میلوں اتفاقی ہمارے افران؟ باعث بن گئی تھی۔ پچھی جان کو مکنی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ پسند تھا اور میں کہتا تھا کہ اللہ پاک

نے سرسوں صرف تیل کے لئے بنائی ہے۔ اسے ساگ کی ٹھکل میں خانج نہ کرنا چاہئے۔!

”چھی جان؟ کیا مطلب اُوہ.... تو کیا مرشد کی بیوی....؟“

”ہاں.... پچھلے سال اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اب فکر کی بات نہیں۔!

”لیکن مرشد تو کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی شادی ہی نہیں کی۔!

”شادی ایسی ہی باعث شرم حرکت ہے کہ کوئی بھی شریف آدمی کسی لڑکی کو اس کے بارے میں تباہ پسند نہیں کرے گا۔!

”کھانا کھاؤ....!“ وہ چھپھلا کر بولی۔ ”شاہد بھوک سے تمہارا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔!

پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ کھانا لانے والا بھی خیسے سے باہر چلا گیا تھا۔

”تم کیوں اس سے اتنی باتیں کرتے ہو!“ نرین نے غصیلے لہجے میں عمران کو مخاطب کیا۔

”کھمن لگائے بغیر یہاں سے نکلنا مشکل ہو گا۔!

”مجھے تو یہ جگہ سردار گذھ سے بھی زیادہ شاداب معلوم ہوتی ہے۔!

کھانے کے بعد نرین سو گئی تھی۔

ظفر نے عمران سے کہا۔ ”انتے دنوں سے ہم جھک مار رہے ہیں لیکن ابھی تک مقصود کم از کم

میری سمجھ میں نہیں آسکا.... آخر یہ بستی یہاں کیوں بسائی گئی ہے اور مرشد سردار گذھ میں

کیوں جھک مار رہا ہے۔!

”میں اب کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔!“ عمران یک یہک سنجیدہ نظر آنے لگا۔

ظفر اسے استفہاما یہ نظر دی سے دیکھے جا رہا تھا۔

”عمران کچھ دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔“ ہمیں یہاں صرف ایک چیز تلاش کرنی پڑے گی۔!

”وہ کیا....؟“

”اس لئے کا ذخیرہ.... مرشد سردار گذھ میں کچھ جھک نہیں مارتا رہا تھا۔!

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔!

”ہم بڑی دشواریوں میں ہیں.... تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔!

”آخر کچھ بتائیے بھی تو۔!

”بتاؤں گا.... فی الحال مجھے اور سوچنے دو۔!



بستی کی شام بڑی خوش گوار تھی۔ سورج کی آخری شعائیں ہری بھری پہاڑیوں پر گویا پچھلا ہوا سونا ڈھلکارہی تھیں۔ ہوا کے جھوکے عجیب طرح کی خوشبو فضایں بکھیر رہے تھے۔ وہ چاروں خیسے سے نکل آئے۔ ان کے ساتھ کوئی گران نہیں تھا۔ بستی کے لوگ انہیں یونہی روادری میں دیکھتے اور قریب سے نکلے چلے جاتے۔ جیمن نے ایک آدھ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عمران نے اُسے سختی سے منع کر دیا تھا۔

”بالکل ایسے بنے رہ جیسے تمہیں ان سے کوئی سروکار نہ ہو۔!“ اس نے کہا۔

”لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے یو مجھی۔ یہ لوگ تو مجھے گونگے اور بہرے معلوم ہوتے ہیں۔!“

”بھول جاؤ کہ تم آدمیوں کے درمیان ہو۔...!“

”یہ ٹلم ہو شربا کا شہر ناپر سا، معلوم ہوتا ہے۔...!“

”جم جرمہ ہائے، ہفت بلا میں سے ایک سمجھ لو۔... مرشد افراسیاب کی جگہ کیسار ہے گا۔!“

”آج کل ہم بے حد کلاسیکل زندگی بزر کر رہے ہیں۔!“ جیمن خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”ٹھیک کہتے ہو۔... اب کوئی جادو گردی ہمیں دوبادہ سردار لگڑھ پہنچا سکے گا۔ ظاہر ہے کہ ہم

اس ٹرین کے اٹیشن کا بھی پتا نہیں لگا سکیں گے کیونکہ ہماری آنکھوں پر پیال کس دی گئی تھیں۔!

”کیا خیال ہے آپ کا۔...! وہ سرگ مرشد ہی سے شروع ہوئی ہو گی۔!“ ظفر نے پوچھا۔

”شائد۔...!“ عمران نے فکر مندانہ لمحے میں جواب دیا۔

”کیا تم لوگ ایسی گفتگو نہیں کر سکتے جس سے دل بیبلے۔!“ ٹرین بول پڑی۔

”دل بیبلنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی طرح مرشد نک رسانی ہو جائے۔!

جیمن نے کہا۔

”تم کس قسم کی گفتگو پسند کرتی ہو۔...!“ عمران نے پوچھا۔

”میں بتاتا ہوں۔...!“ جیمن دانت نکال کر بولا۔ ”فلان کی خالا فلاں کے پھوچا کے ساتھ

بھاگ گئی۔... فلیتہ بیگم کی ساس بڑی جل گزرا ہے۔ پڑوسن کی بیٹی جلد ہی کسی سڑک چھاپ

ہیرو کے ساتھ فرار ہو جائے گی۔... اور میں خود تو بیت فرشتہ ہوں۔!<“

”تم گدھے ہو۔...!“ وہ جھنجلا کر بولی۔ ”میں اس قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتی۔... اپنی زبان

کو گام دو۔!“

جیمن نہ اسامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا پھر دو چار لمبے لمبے قدم بڑھا کر اُن سے ذرا فاصلے پر چلنے لگا تھا۔

عمران نے لڑکی سے کہا۔ ”میرا یہ ساتھی ظفر الملک بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ اپنی باتوں سے تمہارا اول بہلا سکتا ہے لہذا تم اس کے ساتھ رہو اور میں اس نانہجار کی خری لیتا ہوں جس نے تمہارا دل دکھایا ہے۔!“

ظفر غالباً سمجھ گیا تھا کہ عمران کیا چاہتا ہے لہذا فور اُسی بول پڑا۔ ”یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم چاروں اکٹھے گومیں۔... ہم تم کسی دوسری طرف نکل چلیں۔!“

”بالکل۔... بالکل۔...!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

اس طرح ظفر اور نرین ان سے الگ ہو گئے اور عمران نے آگے بڑھ کر جیمن کو روز کتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہاں پہنچ پر تو آئے نہیں ہیں کیا خیال ہے تمہارا۔!“

”یہی میں بھی سورج رہا ہوں کہ آخر ایک لڑکی آپ کے ساتھ کیوں پائی جاتی ہے۔!“

”اوہر بیٹھ جاؤ۔“ عمران نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

پھر دونوں ہی بیٹھ گئے تھے۔ ظفر اور نرین اب ان سے بہت دور مختلف سمت میں چہل قدم کر رہے تھے۔

”میں اور سنگ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”اچھا تو پھر۔...!“

”مجھ پر قابو پانے کے بعد مجھے قتل کر دینا چاہئے تھا۔ اگر وہ کبھی اسی طرح میرے ڈنگل نہ آپنے تو دوسرے ہی لمحے میں اس کی لاش میرے سامنے پڑی ہو گی۔!“

”چلے ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔...!“

”آخر وہ ہمیں یہاں کیوں لایا ہے۔!“

”میں بھی بصر یہی سوچتا رہا ہوں۔!“ جیمن سر ہلا کر بولا۔

”سنگ جیسے لوگ بے وجہ کوئی کام نہیں کرتے۔... یہ بستی دوسرے ملک کے علاقے میں

قائم کی گئی ہے اور اسے ایک سرگ کے ذریعہ ہمارے ملک کے ایک حصے سے ملا دیا گیا ہے۔“ اور اس سرگ میں ٹرین بھی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ کس طرح ہوا کہ کسی کو کانوں کا ان خر نہ ہو سکی۔...! جیسون بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میرا خیال ہے کہ سنگ نے کسی طرح اس سرگ کو استعمال کیا ہے جس میں منکنیز کی کان کی بار برداری والی گازی چلتی ہے۔!

”کیاسر دار گذھ میں کوئی ایسی کان موجود ہے....؟“

”ہاں... ایک دوست ملک کے تعاون سے وہاں منکنیز کی کان دریافت ہوئی تھی جس میں کام ہو رہا ہے۔!
“تب تو ہو سکتا ہے.... اوہ کہیں یہ سنگ غیر ملکی ماہرین کان کنی میں بھی نہ شامل ہو۔!
”میری دوست میں تم ٹھیک نتیجے پر پہنچے ہو....!“ عمران نے طویل سانس لی۔

”لیکن بات اب بھی صاف نہیں ہوئی۔ آخر ہم یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔“ جیسون نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
”جس ملک کی سرحد میں یہ بستی قائم کی گئی ہے اس سے ہمارے اتنے اچھے تعلقات ہیں کہ زمانہ جنگ میں ہم اس کے ہواں اڑے تک استعمال کر سکتے ہیں۔!
”مگر بڑی عجیب بات ہے کہ اس ملک کو اس بستی کا علم نہ ہو۔!
“ یہ اس کا ایک ایسا دور افراطی خبر حصہ ہے کہ اس طرف کبھی توجہ نہیں دی گئی اور ہم سے قریبی دوستانہ تعلقات کی بناء پر بھی اس حصے کی خصوصی حفاظت کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔
بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ سنگ اس طرح شائد دونوں ملکوں کے تعلقات خراب کر دینا چاہتا ہے کیونکہ یہ ہمارے ایک دشمن ملک کے لئے ہے حد مغاید تابت ہو گا۔ زیرولینڈ والے ایسے ہی ہتھ کنڈوں سے اپنی مالی پوزیشن مستحکم کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے سنگ کسی معقول معاوضے پر اس دشمن ملک کے لئے کام کر رہا ہو۔!
”عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ جیسون بھی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہتہ سے کہا۔ ”اب میں بھی کچھ کچھ کچھ رہا ہوں۔!
”میں اپنی حرکتوں کی وجہ سے دور دور تک بدنام ہوں۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر

پولا۔ ”اور میرا بابا مرکزی محلہ سراجِ رسانی کا سربراہ ہے فرض کرو اگر سنگ ہمارے ملک میں بنا ہواں الجھ یہاں اسمگل کر کے لایا ہو.... اگر اس کا ذخیرہ مجھ سیست یہاں دریافت کر لیا جائے تو تم خود سوچو کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔!
”میرے خدا....! جیسون اچھل پڑا۔ چند لمحے عمران کو حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔“ میں آپ ہے تھق ہوں۔ آپ اسی لئے زندہ ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح استعمال کرنا چاہتا ہے۔!
”دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔!“ عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”لہذا ہمیں اسی کہتے نظر سے یہاں اپنے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔!
”لیکن ہم صرف تین ہیں اور سنگ آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہے۔!
”دیکھا جائے گا....!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔
”ویسے ایک غلطی ہوئی....! جیسون پر تھکر لجھ میں بولا۔ اس بستی سے واپسی پر فوراً ہی آپ کو اس ملک کی کسی ذمہ دار شخصیت سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔!
”اس سے بھی بات نہ بنتی.... اس بستی کے لوگ اسی ملک کے خانہ بدوش بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جھوپڑیوں اور خیوں کی بستی ہے۔ آن کی آن میں اسے خانہ بدوشوں کا کارواں بھی ثابت کیا جاتا ہے۔ سنگ بے حد چالاک ہے.... کسی بھی معاملے کا ہر پہلو اس پر روشن رہتا ہے۔
لیکن اس کی سب سے بڑی کمزوری ”عورت“ اس کے لئے باشوقات سب سے بڑی دشواری بھی بن جاتی ہے۔ اگر اس سے ڈینی کی لڑکیوں کو اٹھوا لینے کی حماقت سرزد نہ ہوتی تو نہ اس بستی کا بزرگ مل سکتا اور نہ مرشد ہی کی پول کھلتی۔ ڈان فاگان اسی لئے اس کی ٹکرائی پر نامور کیا گیا تھا کہ اگر وہ اس سلسلے میں بہکے تو زیرولینڈ کی سربراہ کو اس کا علم ہو جائے۔!
”لیکن وہ بیچارہ اس سے پہلے ہی مارڈا لگا۔!“ جیسون نے ٹھنڈی سانس لی۔
”خیر.... اب سنو ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں صرف اپنی اور تمہاری بات کر رہا ہوں۔ ان دونوں کو ہم خیطے ہی میں سوتا چھوڑ جائیں گے۔ تلاش کا آغاز خیطے کے آس پاس ہی سے ہو گا۔!
”لیکن ہو سکتا ہے کہ رات کو وہ پہر الگادیں۔!
”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو.... تمہیں بس ہر وقت تیار رہنا ہے۔!
”اس اعتماد کے لئے شکر گزار ہوں۔ یور مجھی۔! شائد پہلی بار آپ نے مجھے اس حد تک

منہ لگایا ہے۔!

”میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھیوں میں سے کون کس وقت کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اچھا بس اب اٹھو۔۔۔ واپس چلیں۔۔۔ اندر ہیرا پھیل رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے لئے جو نیز استادہ کیا گیا ہے وہ اسلجے کے ذخیرے سے زیادہ دور نہ ہو گا۔ اس کی پشت پر بکھری ہوئی چاندیں بہت کچھ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں!“
وہ دونوں اٹھ کر پھر بستی کی طرف چل پڑے۔ آہستہ آہستہ اندر ہیرا پھیل رہا تھا اور خنکی بڑھ گئی تھی۔!

ظفر اور نرین خیے ہی میں موجود تھے اور انہیں ہستے بولتے ملے تھے۔

”جناب کیا تیربار آئے۔۔۔!“ نرین عمران کی طرف دیکھ کر چکا۔

”ہم بھی غم غلط کر رہے تھے۔۔۔“ جیسن نے معموم لمحہ میں کہا۔ ”مجھے اپنی بکری یاد آری تھی اور ہر ہر بیجی اس پر معموم تھے کہ ابھی تک ان کا عقیدہ نہیں ہو سکا۔۔۔ اسی لئے نری رو میں پیچھا کرتی رہتی ہیں!“

”تم اپنی چونچ بندرا کھا کرو!“

جیسن بھنا کر دوسرا گوشے میں بیٹھ رہا۔ عمران چونچ بے حد معموم نظر آنے لگا تھا ظفر بھی جیسن کی طرف دیکھتا اور بھی عمران کی طرف۔ دونوں نے سکوت اختیار کر رکھا۔

”پھر بوریت شروع ہو گئی۔۔۔!“ نرین عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔

”در اصل مجھے نیند آ رہی ہے۔۔۔!“ عمران بھرائی آواز میں بولا۔ وہ حقیقتاً فکر مند تھا اور خاموش رہ کر صرف سوچنا چاہتا تھا۔

شکلیہ رات کے کھانے کے ساتھ بھی آئی تھی اور عمران اُسے دیکھ کر پھر سے اسی ٹکنڈرے موڑ میں آگیا تھا جس کی نرین متمنی رہی تھی۔

”سنو۔۔۔! میں چونچ اپنے چھاپے مل کر معافی مانگنا چاہتا ہوں۔۔۔!“ عمران نے اس سے کہا۔

”تو پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی۔۔۔!“ شکلیہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”تم مل سکتی ہو۔۔۔!“

”اگر مجھے علم ہو گا کہ وہ کہاں ہیں تب ہی تو مل سکوں گی۔!“

”تم نہیں جانتیں۔۔۔؟“

”ہرگز نہیں۔۔۔!“

”پھر ان کے احکامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔!“

”میں اپنے خیے میں ان کی آواز سنتی ہوں۔!“

”آواز کہاں سے آتی ہے۔۔۔؟“

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آواز میرے دل سے آتی ہو۔!“

جیسن سڑا سامنہ بنا کر نرین کی طرف دیکھنے لگا اور وہ مضمون انداز میں بنس پڑی۔

”کیوں تم۔۔۔ اس طرح کیوں بھی تھیں۔۔۔!“ شکلیہ نرین کو گھورتی ہوئی غرائی۔

”میرے مند لکھ کی کوشش نہ کرنا۔۔۔ کھال کھنچ لوں گی۔!“ نرین بھی پھر گئی۔

”نہیں۔۔۔!“ عمران دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”آپس میں لڑتی ہوئی خواتین مجھے الکا لگتی ہیں جیسے دو سیارے ایک دوسرے سے نکرانے والے ہوں۔!“

”نہیں۔۔۔! تم ہٹوں میں بتاؤں اسے۔!“ شکلیہ آپ سے باہر ہوتی ہوئی بولی۔

”میں بھی کسی دُم دار ستارے سے کم نہیں۔۔۔ جس پر بھی دم پڑ گئی قیامت تک رو تی رہے گی۔! الہذا اپنی اپنی راہ لگو۔۔۔ مناسب سمجھو تو مجھے اپنے خیے میں لے جا کر چاپا کی آواز سنوادو۔۔۔

”میں اسیں ان سے معافی مانگ لوں گا۔!“

”مرشد سے پوچھتے بغیر میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔!“

”دوز کر پوچھ آؤ۔۔۔ تب تک ہم کھانا کھائیں۔!“

شکلیہ نرین کو گھورتی ہوئی خیے سے چل گئی۔

”تم نئی میں نہ آجائے توچیج مبارتی۔!“ نرین بولی۔

عمران پکھنے بولا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ لیکن شکلیہ نہ پڑی۔۔۔ دفعتاً عمران چوک کر

ایک ایک کو گھورنے لگا۔ ان کی آنکھیں نیند کے بداؤ سے بو جھل ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ

بھاکر نظر کے زور سے چکنی لی اور وہ تملکا کر آنکھیں چھاڑنے لگا۔۔۔ سی برتاؤ اس نے جیسن

سے بھی کیا تھا۔ پھر اس نے پچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ عمران آہستہ سے بولا۔ ”کھانے

میں ہمیں کوئی خواب اور چیز دی گئی ہے۔!“

اسنے میں نسرين بیٹھے ہی بیٹھے خراٹے لینے لگی تھی۔ عمران تیری سے جھکا اور اپنے باسکی پر کے جو تے کافیتہ کھولنے لگا۔ پھر جو تا اتار کر اس میں سے پلاسٹک کی ایک تھیلی نکالی تھی۔ گلاس میں پانی انڈیا اور تھیلی اسی میں خالی کر دی۔ سفید رنگ کا سفوف پانی کی سطح پر تیری نے لگا تھا۔ اسے حل کرنے میں چند سینڈ صرف ہوئے تھے۔

”اشنی ڈوٹ!“ اس نے گلاس جیسیں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہد۔ ”لیکن صرف ایک گھونٹ“ تینوں نے ایک ایک گھونٹ لے کر گلاس خالی کر دیا۔

”اب اسی طرح بیٹھے بیٹھے سونے کی اداکاری شروع کر دو!“ عمران نے نسرين کی طرف اشارہ کر کے کہد۔ ”نینڈ تو اب نہیں آئے گی۔ پھر جو کچھ بھی ہو ہونے دینا۔ تاؤ فنکیہ میں کچھ شروع از کر دوں!“ یہ بیچاری تو گئی ہاتھ سے... ایک بار پھر سن لو... جب تک میں کوئی قدم نہ المذاہن تم دونوں ہر حال میں سوتے بنے رہو گے!“

”او کے یور مجھی...!“ جیسیں مسکرا یا۔ اس نے فوری طور پر محسوس کیا تھا کہ ذہن اضحاک دوڑ ہونے لگا ہے!

پھر پانچ منٹ کے اندر اندر وہ تینوں بھی کر سیوں پر بیٹھے سوتے نظر آئے۔ میں منٹ اور گذرے اس کے بعد انہیں خیے کے باہر کئی قد منوں کی چاپیں سنائی دی تھیں لیکن صرف ٹکلیہ خیے میں داخل ہوئی تھی۔ ”ارے واہ بھی۔“ اس نے اوپنجی آواز میں قہقہہ لگا کر کہد۔ ”بیٹھے ٹھی بیٹھے سو گئے!“ پھر اس نے انہیں نام بنا م آوازیں دی تھیں مگر کسی نے جنبش تک نہ کی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کو جھنھڑا بھی تھا اس کے بعد اس نے کسی کو مخاطب کر کے اوپنجی آواز میں کہد ”آ جاؤ...! بیووش ہو پکھے ہیں!“

چھ آدمی تین اسٹر پیچر سنبھالتے ہوئے خیے میں داخل ہوئے۔

”لڑکی کو یہیں چھوڑو... اور ان تینوں کو لے چلو!“ عمران نے ٹکلیہ کو کہتے سنے



آدھا گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ اسٹر پیچر ہی پر مقیم رہے۔ انہیں اٹھا کر چلنے والے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسٹر پیچر زمین پر رکھ کر ستانے لگتے تھے۔ عمران کے اندازے کے مطابق انہوں نے خاصی مسافت طے کی تھی۔ راہ میں کبھی چڑھائی پڑتی اور کبھی وہ سنبھل کر نشیب مٹا

آنے لگتے۔ عمران دم سادھے اسٹر پیچر پر پڑا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جیسیں اور ظفر کی کامیاب واہری بھی بدستور قائم ہو گی۔

پھر شام کو ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ نامعلوم منزل پر پہنچ سکے تھے۔ اسٹر پیچر زمین پر رکھ دیئے گئے اور کمر دکو کہتے سن گیا۔ ”اب ان پر کمل ڈال دو۔ صبح تک سوتے رہیں گے اور تم دونوں بیٹیں نہ ہر ران کی نگرانی کرو گے۔ صبح تمہاری جگہ دوسرے لیں گے!“

کچھ دیر بعد انہیں کمل اور ڈھاڑیے گئے اور کسی نے کہا۔ ”ہم بھی بھی تان کر سوئیں!“ ”نہیں...! ہمیں نگرانی کرنی ہے!“ دوسری آواز آئی۔

”بکواس ہے....! میں تو سوتا ہوں۔... جب یہ صبح تک سوتے رہیں گے تو پھر ہم کیوں فراہم تھا جھک ماریں!“

”اچھی بات ہے تم سو جاؤ، میں تو جا گتا رہوں گا۔ میری جیب میں ایک دلچسپ کتاب موجود ہے!“

عمران نے جھک کر کمل سے جھاٹک کر دیکھا وہ ایک موم ہتھی روشن کرنے والا ایک کتاب کھول کر اس پر جھک پڑا تھا۔ دونوں کی نای کیں ان کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ کتاب پڑھنے والے کارخ عمران کا طرف نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک آدمی کے خراٹے سنے۔

”دوسرے نے اسے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

عمران نے بائیں جانب سر گھمایا۔ دوسری اسٹر پیچر قریب ہی تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف توجہ کر سکتا تھا لیکن پتا نہیں وہ جیسیں تھا۔ ظفر تینوں اسٹر پیچر قریب ہی قریب رکھ گئے تھے۔

کتاب پڑھنے والا گویا دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ عمران نے ایک بار پھر دائیں جانب سر گھما کر انہیں دیکھا۔... دوسرے کے خراٹے اب بھی سنائی دے رہے تھے۔

”وہ آہ ہیگی اٹھا۔... بے آواز ریگلتا ہوا اس آدمی کے پاس جا پہنچا جو پھر سے نکا سورہا تھا۔ اس کی نای کیں اٹھائی اور دستہ اس کے سر پر سید کر دیا۔ پھر جتنی دیر میں کتاب پڑھنے والا سنبھل کر حملے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ اس کی طرف ہو چکا تھا۔

”کچھ باتھ اور پاٹھا کر خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ!“ عمران آہستہ سے بولا۔ ”گن اٹھانے کا روش کی تو پھر تھرے اڑا دوں گا!“

اس نے بوکھلا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جس کے خلاف بند ہو چکے تھے اور اب وہ زیر پر اونڈھا پڑا تھا۔ بے اختیارانہ انداز میں اس کے ہاتھ اوپر اٹھ چکے تھے۔
جیسون نے بھیت کر اس کی نائی گن اٹھائی تھی اور اس کے سر پر دار کرنے والی دالا قاتر عمران نے جلدی سے کہا۔ ”نہیں..... بس اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو....!“
ظفر نے اپنی نائی کھوئی اور اس کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنے لگا۔ وہ دوم بخود تھا اور اس کے چہرے پر ہو ایسا اڑ رہی تھیں۔
یہ ایک خاصا کشادہ غار تھا۔ جیسون نے موم تھی اٹھائی اور اس کی روشنی میں اپنے اطراف جوانب کا جائزہ لینے لگا۔

”وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے.....؟“ عمران نے قیدی سے سوال کیا۔

”لگ..... کون..... سی جگہ.....؟“

”جباں اسلکہ اکھا کیا گیا ہے۔!“

”مم..... میں..... نن نہیں جانتا۔!“

”تم جھوٹے ہو.....! اگر تمن منٹ کے اندر اندر میرے اس سوال کا جواب نہ ملا تو تم نہیں مارڈالوں گا۔!“

”ن نہیں..... تم بھی..... نہ فتح سکو گے۔!“

”ہم بچنے کے لئے نہیں آئے۔!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

جیسون نے موم تھی پھر ایک جگہ رکھ دی تھی اور اب ان دونوں کے تھیلوں کو ٹوٹنے لگا تھا۔ ان میں دونارچیں اور محفوظ کی ہوئی اغذیہ کے چند بے بر آمد ہوئے۔ اس نے دونوں تھیلوں کو کر کے اپنے شانوں میں لکھا۔

”یہ کیا ہے.....؟“ ظفر نے اسے گھوتے ہوئے پوچھا۔

”بہت بڑا مال ہے۔!“

”جواب دو.....!“ دفعتاً عمران قیدی کو گھورتا ہوا غیریا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ جیسون نے نائی گن کا دستہ اس کی کمر پر سید کیا اور وہ کراہ کر دو ہوا گا۔ سید ہے کھڑے ہو کر جواب دو ورنہ ختم کر دیئے جاؤ گے..... یہ محض دھمکی نہیں ہے۔

”اُدھر.....!“ وہ ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

عمران نے ظفر کو نای گن دیتے ہوئے کہا۔ ”تم نہیں نہیں۔!“
عمران نے تارچ روشن کر کے بتائی ہوئی سمت روشنی ڈالی جو ایک پتلی سی دراز پر جا شہری۔

پھر وہ جیسون کو ساتھ چلے کا اشارہ کرتا ہوا دراز کی طرف بڑھا تھا۔ یہ دراز اتنی چوڑی تھی کہ اسے ایک آدمی بے آسمانی گذر سکتا تھا۔ وہ بارہ گز چلنے کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ کشادہ غار میں داخل ہوئے اور پھر غار میں داخل ہوتے ہی اگر عمران نے جیسون کا منہ نہ دبایا تو اس کی بڑت زدہ آواز دوڑتک گو بختی کیوں نہ دہاں اسلکے بہت بڑے ذخیرے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔
”خاموش...! عمران نے سر گوشی کی۔!“ ہو سکتا ہے یہاں سے ہماری آواز اور کہیں بچنے جائے۔!
راکھلوں، اٹھیں گنوں ہلکی مشین گنوں اور دستی بموں کے ڈھیر چاروں طرف نظر آرہے۔
باروکی بیٹھیوں اور ڈائنا میسٹ کے بندلوں کے قریب ہی کچھ ہیوئی ڈیوٹی ڈرائی بھی رکھی
دکھلائیں۔ بھلی کے تاروں کے بڑے بڑے لچھے بھی موجود تھے۔!

وہ دونوں کچھ دیر تک تارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے جیسون کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر دیں واپس آگئے جہاں قیدی اور ظفر کو چھوڑ گئے تھے۔ یہو ش آدمی اب بھی چلی ہی سی حالت میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

عمران چند بھے قیدی کو گھورتا ہوا پھر بولا۔ ”ریلے لائن والی سرگ یہاں سے کتنی دور ہے؟“
”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔!“

عمران نے یہو ش آدمی کی طرف دیکھ کر سر کو خفیف سی جنمی دی اور جیسون سے بولا۔
”اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔!“
جیسون آگے بڑھ کر اسے سیدھا کرنے لگا۔

”مالی گاڑ...!“ دفعتاً وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ تو مرچ کا ہے۔!
”کہیں کہیں زور سے بھی ہاتھ پڑ جاتا ہے۔!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا اور دوسرا آدمی کا طرف متوجہ ہو گیا۔

”م..... سرگ گیا.....؟“ وہ کمپاتی ہوئی آواز میں بولا۔
”کوئی خاص بات نہیں..... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے...!“ دیے تھہاری شکل تیکیوں جیسی ہے

وہ چلا گیا اور جیسن بیڑی لئے تار کے دوسرے سرے کے قریب بیٹھا۔ اس کی زندگی میں اس سے زیادہ ہولناک رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ سردی کے باوجود بھی اس کا جسم پینے سے بھیگ رہا تھا وقت تیزی سے گزرتا ہے۔ جیسن کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہیں بیٹھ کر اس نے صدیاں گزار دی ہوں۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد وہ تینوں والہ پہنچ چکے۔ جیسن اندازہ نہ لگاسکا۔ عمران اپنے ساتھ تین اشین گھنیں اور ان کے میگزین بھی لایا تھا۔ قیدیوں کی نائی گھنیں شائد غاری میں چھوڑ آیا تھا۔

”ایک بار پھر پوچھتا ہوں اگر تم اس سرگ سے واقف ہو تو بتا دو ورنہ ہم... تمہاری لاش میں چھوڑ جائیں گے....!“ اس نے قیدی سے کہا۔

”یقین کیجئے میں نہیں جانتا.... اگر جانتا ہو تو ضرور بتا دیتا!“ وہ گزگزایا۔

”خیر....! ظفر اس کے ہاتھ کھوں دو تاکہ یہ کافنوں میں انکلیاں ٹھوںس سکے اور تم دونوں گھنی اپنے دانوں میں رومال دباو اور کافنوں میں انکلیاں ٹھوںس کر او نہ ہے لیٹ جاؤ!“ پھر اس نے قیدی سے کہا۔ ”تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہاری موت کی ذمہ داری ہم پر نہ ہوگی۔ تم یہ نائی اپنے دانوں میں دباو!“

اس نے ظفر کی نائی جس سے اس کے ہاتھ باندھے گئے تھے اس کی طرف بڑھا دی۔ اس کے بعد اس نے تینوں کو بیڑی سے قرباً دس گز کے فاصلے پر بٹا دیا تھا۔

پھر اچاک دہ قیامت خیز دھماکہ ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پہاڑیں کر رہے گئے ہوں.... اور وہ اُنگی.... خدا کی پناہ.... گویا جنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔ بڑے بڑے پتھروں کے لڑکنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ ہلکے، بھاری دھماکے اب بھی سنے جا رہے تھے۔ زمین کا پر رہی اور گرم ہوا کے خیز بھڑکا نہیں ان کی جگہوں سے ہلائے دے رہے تھے۔

کہیں بہت دور سے آدمیوں کا شور سنائی دیا۔

”اے... اللہ تیرا... لا کھ لا کھ... شکر ہے....!“ جیسن نے عمران کی بھرائی ہوئی سی آواز کی۔ وہ گھستا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر ان کے قریب پہنچ کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

”لک... کیا بات ہے....!“ ظفر ہکلایا لیکن جوب نہ ملا۔

”اوہ دیکھ کیا ہوا....!“ جیسن اٹھتا ہوا بولا۔ اور پھر تارچ کی روشنی عمران پر پڑی۔

اس لئے مجھے تم پر رحم آ رہا ہے!“

وہ کچھ نہ بولا۔ عمران نے جیسن کو قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ظفر سے کہا۔ ”میں شہر ہو...!“

اب وہ دونوں اس غار کا تفصیلی جائزہ لے رہے تھے۔ نکاہی کا راستہ دور نہیں تھا۔ وہ غار سے ہے۔ ہر طرف اندر ہرا تھا۔ نزدیک دور کہیں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ عمران نے ہمارے روشن کرنے میں بھی اختیاط بر تی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے جیسن سے کہا۔ ”سنو فی الحال ہم بھول جانا چاہئے کہ ہمیں یہاں سے نکلا بھی ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اسلجہ کا ذخیرہ تباہ کرو یا چاہئے ایک ایک پیڑ پر ہماری فیکٹریوں کے ٹریئی مارک اور دوسرے مخصوص نشانات موجود ہیں!“

”جیسی آپ کی مرضی.... آپ ساتھ ہوں تو پھر مجھے بھی مستقبل کی پرواہ نہیں رہتی۔ جیسن بولا۔

”مگر.... تو آؤ کام شروع کر دیں۔ زیادہ دشواری نہیں اٹھائی پڑے گی کیونکہ تباہی کا سالا بھی وہیں موجود ہے!“

اسلحہ والے غار میں پہنچ کر عمران نے تار کا ایک لچھا اٹھایا اور اس کے ایک سرے کوڑا ماریٹ سے اٹچ کر کے اسے بارود کی پیٹیوں پر رکھ دیا۔ جیسن کو ایک ڈرائی بیڑی کو اٹھانے کا اٹھا کرتے ہوئے اس نے تار کے دو پچھے اپنے دونوں شانوں سے لکھائے اور اس پچھے کے بل کھولا ہے ڈائیماہیٹ سے نسلک کیا تھا نکاہی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسن اسے جرت دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ظفر کے پاس سے گزرتے چلے گئے اس نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔

پھر قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غار سے نکل کر عمران تار لچھا تا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ لچھا ختم ہو گیا تو دوسرے اکاندھے سے اتار کر اس میں جوڑ دیا۔ اسی طرح تیرا بھی کھپ کیا تھا۔ عمران کے اندازے کے مطابق وہ اسلحہ والے غار سے قرباً ذھا۔ تین فرلانگ کے فاصلے پر نہ ”کیا اتنا فاصلہ کافی ہو گا۔ یعنی دھماکے کے بعد ہم محفوظ رہ سکیں گے!“ جیسن نے پڑھا۔

”شاہد... کیونکہ وہ جگہ تیشیب میں ہے۔ ہم کافی بلندی پر آ کچے ہیں۔ دیے وہاں اگلے کئی پچھے موجود ہیں لیکن میں دیر کرنا نہیں چاہتا۔ اب جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔“

شہر میں ان دونوں کولاتا ہوں۔ ہمارے پاس بھی اسلحہ ہونا چاہئے۔ اس کا بھی انتظام کر دیا۔

”سلسلے کی گھرانی! بستی میں کل رات کے علاوہ بھی نہیں گیا۔“
”کس کے لئے کام کر رہے ہو....؟“

”سردار گذھ میں کان کنوں کے ایک سپر اندر کے لئے... اس کا نام موبی ہے!“
”کیا وہ سردار گذھ ہی کا باشندہ ہے....!“
”بھی نہیں.... مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ ہے!“

”حلیہ تباہ....!“
”دبل پٹالا اور لباس بے ہنگم آدمی ہے۔ لیکن کئی زبانیں جانتا ہے۔ اُردو ایل زبان کی طرح
بول سکتا ہے!“

”خدا کی پناہ....!“ جیسکن بربولیا۔ ”میرا اندر ہو رہت تھا!“
”اسی طرح وہ کان کی گاڑی استعمال کر رکھا ہو گا!“ عمران سر پلا کر بولا۔

”لیکن یقین بیجھے... ادھ جگہ مجھے نہیں معلوم جہاں تک گاڑی مجھے لائی تھی۔ کیونکہ راستے
عی میں میری آنکھوں پر پی باندھ دی گئی تھی۔“ قیدی نے کہا۔
”رات کو تمہارے دوسرے ساتھی کہاں چلے گئے تھے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”بستی سے الگ ایک جگہ ہے۔ غاروں میں....!“
”کیا تم ہمیں وہاں تک لے چلو گے۔ یقین کرو میں تمہیں سلطانی گواہ بنا کر صاف پہاڑوں کا۔
دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہو گا!“

”میں آپ کو وہاں لے چل سکوں گا!“
اچانک انہوں نے ہیلی کو پتھر کی آواز سنی۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس ملک کے سرحدی محافظوں کے
علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہم پر ان کی نظر نہ پڑنی چاہئے۔!
وہاں کے والی جگہ پر اب بھی دھوال مسلط تھا۔ ہیلی کو پتھر نے دو تین چکر لگائے تھے اور پھر
اس کی آواز دور ہوتی چل گئی تھی۔

”ایسے حالات میں اس گرد گھنٹاں کا کوئی آدمی اس طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے
گا!“ عمران بولا۔

اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ غالباً تار کو بیڑی سے نسلک کرنے کے سلسلے میں وہ اپنے
لئے پوری طرح حفاظتی تدابیر نہیں کر سکا تھا۔

”عمران صاحب....!“ ظفرنے دیوانوں کی طرح اسے جھنجور کر آواز دی۔ عمران نے
آنکھیں کھو دیں اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میری فکر نہ کرو.... میں ٹھیک ہوں
.... اپنی حفاظت کرو....!“

اور پھر کثیف دھوئیں کا باز برداشت ریلا آیا اور وہ نبڑی طرح کھانے لگ۔
جیسکن عمران کے پھرے سے خون صاف کر رہا تھا اُس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی تھی۔
شاہد بیڑی سے تار ملاتے ہی دھماکے کے جھیٹکے کی بنا پر وہ منہ کے بل گرا تھا۔ دھوئیں کی پورش
سے ان کا دام گھٹنے لگا۔

”کوئی محفوظ جگہ جلاش کرو....!“ عمران کھانتا ہوا بولا۔

”میاں آپ کو اٹھاؤں....؟“ جیسکن نے پوچھا۔

”نہیں....! مجھے میں پڑا ہے دو.... میری گن چھوڑ جاؤ!“

”مم.... میں جگہ بتاؤں گا!“ قیدی جلدی سے بولا۔

”میں میں رکوں گا....!“ ظفرنے جیسکن سے کہا۔ ”تم اسے لے جاؤ!“



صح قریب ہی کے ایک غار میں ہوتی تھی۔ عمران اب بالکل ٹھیک تھا۔ پیشانی کے علاوہ اس
کہیں چوت نہیں آئی تھی۔

”بستی یہاں سے کتنی دور ہے....؟“ اس نے قیدی سے پوچھا۔

”بیہی کوئی ڈھانی میں....!“ اس نے جواب دیا۔

”مجھے حررت ہے کہ ابھی تک کوئی بھی اوہر نہیں آیا!“ جیسکن بولا۔

”تم کیا سمجھتے ہو....!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”بستی اس وقت تک خالی ہو چکی؛
گی!“ پھر وہ قیدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے اس کا مطلب سمجھ کر جلدی سے کہا۔ ”آپ
غلط سمجھ رہے ہیں جناب.... میں یہاں کے حالات سے بہت زیادہ واقف نہیں!“
”تم ان کے لئے کیا کرتے تھے....؟“

اچھی طرح یاد ہے کہ درہ نہیں تھا۔ لیکن ہم ان پتھروں پر چڑھ کر دوسری طرف پہنچ سکیں گے
بیں ذرا اختیاط کرنی پڑے گی!۔“

پتھر عمران ہی نے اس مہم کا آغاز کیا تھا۔ پتھروں پر کسی ہلکے بندر کی طرح چڑھتا چلا
گیا۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ سردار گذھ کی
مدود میں داخل ہو کر ایک جگہ پیٹھ گئے۔

”اب تم مجھے اپنے پرواز نر موبی کے بارے میں کچھ بتاؤ!“ اس نے قیدی سے کہا۔

”اول درجے کا حریق ہے.... سڑی سے سڑی عورت پر اس کی رال پٹکنے لگتی ہے۔ لیکن
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے پانی کی طرح بہاتا ہے!“
”سردار گذھ میں کہاں رہتا ہے!“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم...!“

سڑک تک پہنچنے میں رات کے آٹھ نجھ گئے تھے۔

وہ تھکن سے نٹھال ہو رہے تھے۔ نوبجے کے قریب ایک بس دکھائی دی جو سردار گذھ کی
طرف جا رہی تھی۔ اس طرح وہ سڑاڑھے دس بجے کے قریب پولیس اسٹشن تک پہنچ کے تھے۔
ایس۔ پی نے عمران کو دیکھ کر ”بھوت“ کا نعرہ لگایا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ پھر انہیں
معلوم ہوا کہ ان کی تولا شیں تک برآمد کی جا چکی تھیں۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر موبی کی تلاش
شروع کردی گئی تھیں لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس کے بارے میں تفہیش کرنے پر معلوم ہوا
کہ وہ غیر ملکی ماہرین کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس سے تعلق رکھنے والے غیر ملکی بھی اس کے
بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ البتہ ان غیر ملکیوں سے اس عمارت کا پا ضرور معلوم ہو گیا تھا جہاں موبی
رات سر کرتا تھا۔ پولیس فورس وہاں پہنچی تو عمران بھی اس کے ساتھ تھا۔ صدر دروازے کے
پیڈل سے ایک لفافہ انکاد دکھائی دیا جس پر عمران کا نام تحریر تھا۔ عمران نے ہونٹ بھینچ کر سر کو
چینش دی اور لفافے سے پرچہ نکالا جس پر تحریر تھا.....

”مجھ سے بھی زیادہ حرام زادے....! سنو.... فی الحال تو میں

تمہارا ملک چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن اسے اچھی طرح یاد رکھنا کہ میں

نے تمہیں جس طرح استعمال کرنا چاہتا تھا، کر کے رہوں گا!..“

”میرا بھی بھی خیال ہے کہ اب میرے ساتھی دہاں نہ ہوں گے۔“ قیدی ٹھنڈی سانس لے
کر بولा۔ ”میں آپ لوگوں کا احسان مند ہوں۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ آپ مجھے باندھ کر دیں ڈال
آتے۔ ساتھ نہ لئے پھر تے... میرے امکان جو کچھ بھی ہے آپ کے لئے کروں گا خواہ اب
میرا کچھ بھی حشر ہو!“

”میں وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں ہر حال میں بچاؤں گا!“

کچھ دیر بعد وہ چھپتے چھپاتے اس غار سے نکلے تھے اور قیدی کی رہنمائی میں ایک سست چل
پڑے تھے۔ ایک بار پھر ہیلی کو پتھر کی آواز سائی دی اور چینے کے لئے انہیں راستے سے ہٹ جانا پڑا۔
شاند سرحدی محافظ پوری طرح حرکت میں آگئے تھے۔ اس بار تین ہیلی کو پتھر تھے اور غالباً لینڈ
کرنے کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کی جا رہی تھی۔

”آپ فکر نہ کریں اس طرح لے چلوں گا کہ کسی کی بھی نظر نہ پڑنے پائے!“ قیدی بولا۔

پھر وہ ایک گھنٹے کے بعد اس غار تک پہنچ گئے تھے جس کا حوالہ قیدی نے دیا تھا۔ لیکن دہاں اب
کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کی بنا پر کہا جا سکتا کہ دہاں کبھی کچھ لوگ مقیم رہے تھے
”اب کیا ہو گا....!“ جیسنے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ سوچنا ایراکام ہے.... تم بالکل بے فکر ہو جاؤ!“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ظفر سے بولا۔ ”تمہیں کچھ یاد آیا!“

”میں بھی بھی سوچ رہا تھا کہ شاند ہم پہلے اور ہر سے گذر چکے ہیں!“

”بالکل ٹھیک... اگر وہ راستہ بند نہیں کر دیا گیا تو ہم بے آسانی سردار گذھ پہنچ سکیں گے!“
قیدیوں کے دونوں تھیلے جیسنے کے پاس تھے۔ ان میں سے گوشت اور چھلکی کے ڈبے نکال کر
ان کے سامنے رکھ دیئے۔ دو گھنٹے بعد سفر کا آغاز ہوا تھا۔ شام ہوتے ہوتے وہ اس جگہ پہنچ گئے
جہاں سے اس پوشیدہ درے تک راہ گئی تھی جس کا اختتام سردار گذھ کے علاقے میں ہوتا تھا۔
اس پر چل پڑے لیکن وہ درہ کہیں نہ دکھائی دیں۔

”ٹھہر جاؤ....!“ عمران بولا۔ وہ پتھروں کے اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جو ان کی راہ میں حائل
ہو گیا تھا۔

”ڈا ناما جیٹ کر کے راستہ مسدود کیا گیا ہے!“ عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”مجھے“

”اچھا... اچھا... میں دیکھوں گا!“ عمران سر ہلا کر بڑ بڑایا اور پرچہ چلنے کی جیب میں ٹھونس لیا۔ موبائل کی رہائش گاہ کی تلاشی کے بعد وہ بلیک زیر و کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اسے علم تھا کہ بلیک زیر و کہاں مقیم ہو گا۔ کیونکہ اس نے اس کے بارے میں اسے پہلے ہی ہدایت دی تھی۔ بلیک زیر و اسے دیکھ کر اچھل پڑا۔ آپ نے تو ماتم ہی برپا کر ادبی تھا جتاب۔!“ وہ کپکاپا ہوئی آواز میں بولا ”صادر کی حالت ابتر ہے۔ جو لیا بھی آج ہی پہنچی اس کے آنسو تو تھمنے کا نام ہی نہیں یتی!“

”ساری دنیا کی عورتیں آنسوؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں بنا تیں!“

پھر عمران نے اپنی داستان دھرائی تھی۔

”خدا کی پناہ...!“ بلیک زیر و بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اگر آپ جاگتے نہ رہیں...!“

”بس آگے کچھ نہ کہو...!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ محض اتفاق تھا میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا اگر سنگ کی جنسی کنگ روی ڈینی کے سر کس کارخ نہ کرتی... ہم سب نہی طرح سور ہے ہیں اب شائد صور اسر افیل ہی نہیں جکاسکے!“

”کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر بلیک زیر و بولا۔ ”اب کیا کہجے گا!...؟“

”پڑو سی ملک کو حالات سے پوری طرح آگاہ کیا جائے گا۔ اُدھر کے سرحدی محافظ دھا کے والی جگہ پر پہنچ گئے ہوں گے!“

دہاں سے رخصت ہو کر عمران صدر کے ٹھکانے پر پہنچا۔ جو لیا اور چوہاں بھی وہاں موجود تھے۔ اسے دیکھ کر صدر اور چوہاں پاگلوں کی طرح ہٹنے لگے۔ جو لیا۔.... عمران سے کچھ فاسطے پر کھڑی اسے گھورے جا رہی تھی اور وہ صدر کے سوالات کے جواب دے رہا تھا۔ جو لیا کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ اچانک وہ اس کی طرف جھٹی اور گریبان پکڑ کر جھبھوڑتی ہوئی چینھنے لگی۔ ”تم.... مجھے.... گولی کیوں نہیں مار دیتے.... بتاؤ.... کیسے ذیل...!“ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ عمران ہونقوں کی طرح ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔

عمران سیریز نمبر 66

خواریزِ لصادم

(تیسرا حصہ)

پیشہ

اس بار ایک صاحب کے خط کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے میں بھی محظوظ ہوا تھا۔ آپ بھی لطف اٹھائیے۔

”قاسم کا بیٹھ بھلا ایک آدھ چوزے سے کیونکر بھر سکتا ہے اور چوزہ بھی کیا؟ مر گھلاؤ سو کھاس کھا۔ تو جناب یہی حال آج کل آپ کی کتابوں کا ہے۔ سرورقِ اللئے تو نظر آئے گا ”پھر وہی آواز“ ابھی آواز پوری طرح سے سن بھی نہ پائیں گے کہ ایک سوبار، ہوں صفحے تک جا پہنچیں گے.... اتنی دبلي پتلی لکھنے کی بجائے یہ کیا کیجھ کر ۱۱۲ صفحے سادہ رہنے دیا کیجھ اور لکھ دیا کیجھ ”پھر وہی آواز“ سے ”خوزیرِ تصادم“ تک جو کچھ ہوتا ہے سمجھ جائے اور قارئین سمجھ جائیں گے۔ اس لئے کہ ”بیباکوں کی تلاش“، ”ڈاکٹر دعاگو“ ”دیوپکر درندہ“ اور ”شوگر بینک“ ایسی کتابیں پڑھ پڑھ کر ہر قاری ذہن رساکا مالک بن چکا ہے۔“

بھائی آپ کا شکوہ بجا ہے.... لیکن کاغذ کے معاملے میں میں بھی بے قصور ہوں۔ یقین کیجھ اگر میں خنیم کتابیں چھاپنے بیٹھوں تو کاغذ کی فراہمی ہی دشوار ہو جائے۔ اس دبلي پتلی کتاب کے سلسلے میں

مجھے جتنے ریم کاغذ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے خاصی تگ دو کرنی پڑتی ہے۔ اپنے خط میں آپ نے جن ”فخش“ کتابوں کا حوالہ دیا ہے میں نہیں جانتا کہ کاغذ کی فراہمی کے سلسلے میں ان کے وسائل کیا ہیں! رسائل کی بات جانے دیجئے.... ان کے لئے کاغذ کا کوتا مقرر ہے۔ کتابوں کے لئے ایسی کوئی آسانی میسر نہیں۔

تو گزارش ہے کہ فی الحال میری ہی طرح آپ بھی صبر کیجھے! دبلي پتلی کتابیں پڑھئے اور میری خیریت سے آگاہ ہوتے رہئے کہ جب تک سانس تک آس! شائد پھر کبھی پہلے کی طرح خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

”خوزیرِ تصادم“ پڑھ کر بھی آپ یہی سوچیں گے کہ یہ ”کاغذی لگوٹی“، ”پاجامہ“ ہوتی تو بہتر تھا۔ اس ”کاغذی اوبار“ کے دور میں کئی ایسی کتابیں پیش کر چکا ہوں جن کا اختصار مجھے عرصے تک بے چیز رکھے گا۔ اس قسم کی تشكیل کا احساس لکھنے والے کے لئے بھی بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

ابن صفحہ

۱۹ ستمبر ۱۹۷۲ء

لہن اے مایوسی ہوئی۔
اس نے گھڑی دیکھی۔ ڈیر ڈھجاتھا اور وہ دو بجے سے پہلے متعلقہ آدمی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دھوپ میں جھلتا رہا اور جیسے تیسے آدھا گھنٹہ بھی گذر گیا۔ اس نے تھیلے سے زیر و نائیں کا رانسیٹر نکالا اور اس کا سونچ آن کر کے آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ”بیلو... آتائے شش.... پہلو... بیلو... بیلو... آتائے شش.... آتائے شش....“
”شش....“ دفتار انسیٹر سے آواز آئی۔ ”بیلو! کون ہے۔“
”والی تھری۔“ جواب دیا گیا۔ ”میں بتائی ہوئی جگہ پر موجود ہوں۔“
”اوکے.... وہیں شہرہو... آواز آئی۔“

اس نے سونچ آف کر کے ٹرانسیٹر تھیلے میں ڈال لیا اور دوسرے تھیلے سے پانی کی بوتل نکال کر ہونشوں سے لگائی۔ دو تین لمبے لبے گھونٹ لئے۔ ڈھکن بند کر کے بوتل پھر تھیلے میں ڈال لی۔ آسمان پر کہیں کوئی ہلاکا سا بھی باول کا نکڑا نہیں تھا اور نیچے پتھر ٹپ رہے تھے۔ اس نے ایک بگہ بیٹھنے کی کوشش کی اور پھر اچھلن کر کھڑا ہو گیا۔
”کھڑے ہی رہنا بہتر ہو گا۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑا۔
تھوڑی دیر بعد بائیس جانب سے کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز آئی تھی اور وہ چوک کر ادھر دیکھنے لگا تھا۔

آواز پتھر تھی قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے انجن بند کر دیا گیا ہو۔
وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ سفید چٹان کے پیش مظہر میں بالکل تصویر معلوم ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریا اور کے دستے کو معمبوٹی سے پکڑ لیا تھا۔
قدموں کی چاپ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر جیسے ہی نشیب سے آنے والے کاسرا بھرا بدورت آدمی کی پتلون کی جیب سے فائر ہوا۔ گولی ٹھیک پیشانی پر بیٹھی تھی۔ شکار آواز نکالے بغیر نیچے لا رکھتا چلا گیا۔

خوفناک چہرے والا چٹان کے سرے پر پہنچ کر اپنے اس کارتائے کے انعام کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کی انگلی اس سوراخ کو ٹوٹ لے جا رہی تھی جو پتلون میں ہو گیا تھا۔ لاش کے سارے میں پر پہنچتے ہی وہ بھی نشیب میں اترنے لگا۔ لاش کے قریب ایک جیپ کھڑی نظر آئی۔
وہ لاش کی جامہ حللاشی لینے لگا اور پھر اسے وہ چیز مل گئی جس کے ملنے کی توقع پہلے ہی سے

بھورے رنگ کی انگلی چٹان میں چکلی دھوپ میں پہ رہی تھیں اور گرم ہوا کے جھونکے ہیلی کا پھر کو جنم بنائے دے رہے تھے۔

ہیلی کا پھر شامل مغربی سرحد پار کر کے پڑوی ملک کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اس میں پاٹک اور اس خوفناک چہرے والے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس کی پلکن گویا جھپکنا ہی نہیں جانتی تھیں۔ اس کی ناک بھدی اور موٹی تھی اور موچھیں بل کھا کر اس طرح ٹھوڑی پر جھک آئی تھیں کہ دہانہ غائب ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

پاٹک اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے تو اس کو ایک معینہ جگہ پر اس طرح اتنا تھا کہ ہیلی کا پھر کو لیڈنڈ بھی نہ کرتا پڑے۔

”آپ تیار ہو جائیے جتاب!“ پاٹک نے چیخ کر کھا اور خوفناک چہرے والے نے سر کو تھیٹا جبکش دی۔ اس کے جسم پر خاکی پتلون اور خاکی بفرٹ تھی اور شانوں سے دو تھیلے کر اس کے ہوئے لٹک رہے تھے۔ اس نے تھیلوں کو ٹھیک کیا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”وہ سامنے والی پہاڑی جس پر ایک سفید چٹان نظر آ رہی ہے۔“ پاٹک پھر چیخا۔ ”میں یہاں لٹکانے جا رہا ہوں۔“

خوفناک چہرے والا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہیلی کا پھر سفید چٹان کے اوپر معلق ہو گیا تھا اور سیڑھی اسے چھوٹی ہوئی لٹکنے لگی تھی۔

وہ سیڑھی سے اس چٹان پر اتر گیا۔ ہیلی کا پھر پھر حرکت میں آیا تھا اور لباچکر لے کر اپنے متفرق کی طرف پرواز کر گیا تھا۔

خوفناک چہرے والا چٹان سے اتر کر کوئی ایسی جگہ ملاش کرنے لگا جہاں دھوپ سے فائدہ

تھی۔ یہ کسی چمکدار دھات کا ایک چھوٹا سا مثلاً تھا جس کی دونوں اطراف میں بے شمار چھوڑ چھوٹے دائرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں انگریزی کا حرف "R" کندہ تھا۔ اس نے وہ مثلاً جیب میں ڈالا اور جپ کی طرف پڑھ گیا۔ کنجی اکینش میں موجود تمثیلیگ کے سامنے بیٹھ کر اس نے پھر رانسیمیر نکالا اور سوچ آن کر کے بولا "بیلو... آقائے شش.... بیلو... والی تحری کانگ۔"

"بیلو... والی تحری کیا رہا...؟"

"کام بن گیا... اب میں اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔"

"خوب.... مشرق کی طرف چل پڑو۔ سڑک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ سڑک، تمہارا خشمگی کی طرف ہوتا چاہئے اور اینڈ آل۔"

بد ہیبت آدمی نے رانسیمیر کا سوچ آف کر کے انہی اشارت کیا اور جیب حرکت میں آگئی سڑک پر بیٹھ کر اس نے گاڑی شمال میں موڑ دی تھی۔

سڑک بڑی دشوار گزار تھی۔ ڈرائیور کی ذرا سی غلطی سیکلوں فٹ کی گہرائی میں پہنچا کر تھی لیکن وہ کسی ماہر ڈرائیور کی طرح بڑی لاپرواں سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ٹھیک تیرے میل پر ایک آدمی ٹھیک سڑک پر ہاتھ اٹھائے کھڑا نظر آیا۔ جیپ کی رفتار کم ہو گئی اور پھر اس کے قریب بیٹھا کر وہ رک ہی گئی تھی۔

"آقائے شش! وہ گاڑی کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔

بد صورت آدمی نے دوسری طرف کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھا۔ وقت بد صورت آدمی کا تقدیمی جائزہ لیا تھا۔ وہ خود ادھیز عمر کا ایک بھاری بھر کم آدمی تھا۔ سلطی حصے پر بال نہیں تھے اور دونوں کپٹیاں بالکل سفید تھیں۔

گاڑی دوبارہ حرکت میں آگئی۔

آقائے شش کی نظر اس کی پتلون کے سوراخ پر جمی ہوئی تھی۔ کچھ ذیر نہ داد اس نے کھلا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔"

"اور اس کی کھوپڑی کے سوراخ کے بارے میں کیا خیال ہے آقائے شش؟" بد صورت آدمی نے بھدا ساق تھہ لگایا۔

"میرا نام شش نہیں ہے۔ ورنہ طور پر یہ نام استعمال کیا گیا تھا۔ تم مجھے علی نقی کہہ سکتے ہو؟"

"شکریہ! میں والی تحری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوں۔"

علی نقی کچھ نہ بولا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ غالباً وہ متوجہ تھا کہ علی نقی اس سلسلے میں

کچھ بدیات دے گا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہ۔ مزید کچھ فاصلہ طے ہو جانے کے بعد بولا تھا۔ "اب دا ہنی جانب موڑ لو... سڑک نہیں ہے ان راستے ناقابل گزر بھی نہیں ہے۔" جپ بائیں جانب مژ کرنا ہموار راستے پر چلنے لگی۔ قرباً دس منٹ بعد اس سفر کا اختتام ایک بوئی ہی عمارت کے قریب ہوا تھا۔

وہ دونوں جیپ سے اتر کر اندر داشٹ ہوئے۔

"یا تم عسل کرنا پسند کرو گے؟" علی نقی نے اس سے پوچھا تھا۔

"قیامت... اور پھر میں اب اس لباس سے بھی کچھا چڑھانا چاہتا ہوں۔"

علی نقی ایک بار پھر اس کا جائزہ لیتا ہوا پر تکلف لجھ میں بولا۔ "ہو سکتا ہے تمہارے ناپ کا بھی لی سوٹ نکل آئے۔ میں دیکھتا ہوں۔ بہر حال چلو میں تمہارا کمرہ دکھادوں۔" پھر آدھے گھنٹے بعد وہ کھانے کی میز پر ملے تھے۔ والی تحری کے لئے جو لباس مہیا کیا گیا تھا۔ لکی جامات کے لئے قطعی موزوں نہیں تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کل تک اسی لباس میں رہنا پڑے گا۔" علی نقی نے کہا۔

والی تحری نے لاپرواں ظاہر کرنے کے لئے شانوں کو جھنس دی اور بڑے انہاک سے کھاتا رہ۔ "یا تم اس آدمی کو مار کر مطمئن ہو؟" علی نقی نے کچھ دیر بعد سر اٹھائے بغیر سوال کیا۔ اور جزل کو بھی مطمئن کر دوں گا۔"

"بزل سے رات کو یہیں ملاقات ہو سکے گی۔ وہ آدمی جزل ہی کا بھیجا ہوا تھا لیکن مجھے علم تھا۔ ماس تھا۔ تھا۔ تھا۔"

علی نقی ایسا خیال ہے کہ تم غیر ضروری باتوں سے اعتتاب کرو۔ کیا کبھی تم نے عشق بھی بانہا۔

"عشش؟" علی نقی جوک کر اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس بے تکلفانہ سوال نے اسے گمراہ دھرم پہنچایا ہو۔

"اہا... ہاں... والی تحری پیٹھ سے نظر ہٹائے بغیر سر ہلا کر بولا۔"

"نیکرے بائیے بھی ہیں جنہیں مرتے دم تک عشق کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی ذاتیات سے کوئی سردارنہ زکھنا چاہئے۔"

"مگر ایک ایسا ذاتی مسئلہ ہے جسے کھل کر اچھا لاجاتا ہے۔ حافظ، خیام، حتیٰ کہ سعدی تک اس سے باز نہیں رہے۔ حقیقی کرائے عشق کی داستانیں سناتے ہیں۔"

”تمہیں یہاں صرف کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔“ بزرل کے لمحے میں کسی قدر ناگواری تھی۔
”اب یہ معلوم کرنا بھی کام کا جزو بن گیا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی نظر میں اس کی کیا حیثیت تھی..؟“
”دشمن کا ایک ایسا اجنبیت ہے میرا کوئی آدمی قتل کرنے پر تیار نہ ہوتا۔“
”بڑی عجیب بات ہے۔“

”کچھ بھی نہیں! تم صرف اپنے کام سے کام رکھو۔“
”بہت بہتر جناب!“

”میں اس شخص کا نام اور پہاڑتائے دیتا ہوں جو اسلحہ والی سازش میں ضرور شریک رہا ہو گا۔“
والی تحری خاموشی سے اسے دیکھا رہا۔

”وہ آقائے جواد حیدر کہلاتا ہے۔ اپنے وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر میرے اور
نہارے ملک کے تعلقات خراب کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو ایک بڑی طاقت کی
اکمل کارابن جائے گا۔“

”یا آپ بڑا راست اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔“

”یہاں کوئی وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ سکتا ہے اس پر بھی نظر رکھو۔“
”یا اس کے خلاف کوئی بات کی جاسکتی ہے۔“

”اس کے خلاف اگر ہم کوئی ثبوت فراہم بھی کریں تو اس کی پذیری آئی نہ ہو گی۔“
”میں سمجھ گیا۔“ والی تحری سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن پھر عرض کروں گا کہ میرے ہاتھوں مارے
جلنے والے....“

”ٹھہر وہ۔“ بزرل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ آقائے جواد حیدر کا آدمی تھا۔
”لیکن جواد حیدر کو علم نہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔“

”میں امیں نے اسے اچانک بھیجا تھا اور خود اس کی نگرانی کی تھی۔ وہ سید ہی را جاتا ہے یا
زرل پر پہنچے سے پہلے اوہر اور بھکتا بھی ہے۔“

”وہ صرف آقائے جواد حیدر ہی کا آدمی نہیں تھا۔“
”کیا مطلب؟“

”آپ زیر ولی نہ والی تنظیم سے تواقف ہی ہوں گے۔“
زرل چونکہ پڑا اور والی تحری کو خور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”بہت خوب..... تم ادبی ذوق بھی رکھتے ہو۔“ علی نقی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”قتل کرنا تو میں نے شاعروں ہی سے سیکھا تھا۔“

”بذریغ بھی معلوم ہوتے ہو!“

”اس حد تک بھی نہیں کہ دوسرے ہٹنے لگیں بہر حال کیارات کو بھی یہاں ایسا ہی موسی
ہے۔“

”ہرگز نہیں۔ کمل کے بغیر تم سو نہیں سکو گے۔“

”یہ اچھی بات ہے، ورنہ میں صنک آدھا بھی نہ رہ جاتا۔“

”کھانے کے بعد تم غالباً آرام کرنا پسند کرو گے۔“

”رہنے والے، ورنہ تمہیں ایک سلینگ سوٹ کی بھی فکر پڑ جائے گی۔“

علی نقی جھیپٹے ہوئے انداز میں نفس کر بولا۔ ”نہیں یہ کوئی برا منسلہ نہیں۔ وہ تو ہر قسم کا پلہ،
ہے۔“

”میں سلینگ سوٹ ذرا سیقے کا پہنتا ہوں کیونکہ میرے خوابوں میں حورتوں کے علاوہ
کوئی نہیں آتا۔“

”واقعی تم دلچسپ آدمی ہو۔“

رات کو ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار اس عمارت کے سامنے رکی تھی اور اس پر سے ایک
قد اور وجہہ آدمی اترتا تھا۔ سیاہ سوٹ میں اس کی شخصیت بہت ابھری ابھری دکھائی دیتی تھی۔
چچاں اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔

علی نقی پشتی غلاموں کے سے انداز میں اس کی پیشوائی کو دوڑا تھا۔ پھر والی تحری کو اس
سامنے پیش کیا گیا۔

جزل نے علی نقی کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا تھا اور والی تحری پر تفصیلی نظر ڈالا
بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

”شکریہ!“ والی تحری سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”سفر یقیناً تکلیف دہ ثابت ہوا ہو گا۔“ جزرل کا لہجہ بیحد نرم تھا۔

”نہیں۔ بخیر و خوبی تمام ہواں لئے تکلیف دہ نہیں کہا جا سکتے۔“

”تمہارے سر برائے اس سازش کا پہلے لگا کر بڑا کام کیا۔“
”والی تحری نے سر کو اشتبانی جنس دی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اپنے ہاتھوں قتل“
والے کے بارے میں جانتا چاہتا ہوں۔“

لایے۔“وائی تھری آپر میں کی واپسی کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ جزل نے آپر میں واپس کرتے ہوئے کہا”خوش آمدید میرے دوست اب شائد ہماری پیشانیاں رفع ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کام کے لئے تمہارے سربراہ نے موزوں آدمی کا انتباہ کیا ہے۔“

”شکریہ!“ وائی تھری نے خنک لبجھ میں کہا۔ ”اب اسکیم یہ ہے۔“ جزل نے پر تھکر لبجھ میں کہا۔ ”تم دو دن یہاں تھا قیام کرو گے۔ علی ٹی میرے ساتھ والیں جائے گا۔“

”میرے علاوہ اور کوئی نہ ہو گا؟“ وائی تھری نے جزل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”نہیں! اکثر بہرام کی لاش دریافت ہو جانے کے بعد ہمیں بجد مختار ہنا پڑا گا۔“

”بہت بہتر۔“

”کل شام تک تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آئندہ کیا کرتا ہے۔“

”اوکے سر...“

”علی تھی چیپ کار بگ اور نمبر تبدیل کر رہا ہے۔ پڑوں یہاں وافر مقدار میں موجود ہے۔ کمان پینے کی بھی تکلیف نہ ہو گی۔ کوئی پیتے ہو۔“

”ٹھنڈے پانی اور کافی کے علاوہ اور کچھ نہیں پتا۔“

”مکال ہے!“ جزل نے پھر اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور بولا۔ ”یہاں والوں کوں انہن والا ایک موٹر سائیکل بھی موجود ہے ضرورت پڑے تو اسے بھی استعمال کر سکتے ہو۔“

”بہتر جواب۔“ وائی تھری نے آہستہ سے کہا۔



علیاً آپکی ایک محل نما عمارت کے کمپاؤنٹ سے لمبی سی گاڑی تکل کر سطحی شاہراہ پر تجز رفتاری کے زیکارڈ توڑتی نظر آئی۔ اسے ایک باوروی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ پچھلی نشست پر ایک پورا کار آکری پشت گاہ سے یہیں لگائے رونت آمیز انداز میں بیٹھا گار کے کش لے رہا تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔ چہرے کی تازگی اس عمر میں بھی توئی کی غیر معمولی مضبوطی کا اعلان کر رہی تھی، اور پتیلے ہوتیں کے ساتھ بھاری جبڑے آنکھوں میں پائی جانے والی سفاکی سے انگل اور پچھلی سیٹوں کے درمیان شیئے کی دیوار حائل تھی اور وہ ڈرائیور کو آڈیشنل پائپ کے

”میرے ہاتھوں مارا جانے والا زیر و لینڈ کا بھی اجتنب تھا۔“

”نہیں!“ جزل کرسی سے اٹھتا ہوا بولا ”تم کس طرح ثابت کر سکو گے۔“

”دو سو گز کے فاصلے سے بھی معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ زیر و لینڈ کا اجتنب ہے۔“

وائی تھری نے وہی چکدار مشاث جیب سے نکال کر جزل کے سامنے ڈال دیا جو متواتر پاس سے برآمد ہوا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ جزل اسے پہنچ سے پکڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔

”زیر و لینڈ کے اجتنب آپس میں ایک دوسرے کو اسی کے ذریعے سے بھاٹتے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ قدرت نے زیر و لینڈ پر ریز رج میرے گھے کے سربراہ کی قسم میں ہے۔“

”مجھے علم ہے۔ میں سن چکا ہوں۔“ جزل اسے حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

”اگر وہ زیر و لینڈ کا اجتنب نہ ہوتا تو میں بیدرنیخ اس پر فائز نہیں کر سکتا تھا۔“

”یہ چیز اس کی جیب میں رہی ہو گی۔ پھر تمہیں پہلے سے کیوں کر علم ہو سکا ہو گا۔“

”میرے پاس اس کی شاخت کرنے والا آپر میں موجود تھا۔ دو سو گز کے فاصلے سے مجھے اس کی موجودگی کی اطلاع دے دی تھی۔“

”حیرت انگیز۔ کیا تم مجھے وہ بھی نہ کھاؤ گے۔“

”یقیناً.... آپ اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔“ وائی تھری نے ہاتھ بڑھا کر اس سے مٹھے کہا۔

پھر اس نے اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی اور اس کی طرف ہوا بولا۔ ”اسے اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب میں رکھ لجھے اور جسم کے ساتھ لگائے رکھئے۔“

”جزل ڈبیہ اس کے ہاتھ سے لے کر بولا۔“ ارے! یہ اس میں جھنجھنائی کیسی ہے۔“

”اس مشاث کی وجہ سے۔ اگر میں اسے دو سو گز سے آگے لے جاؤں تو جھنجھنائی خواہ ہو جائے گی۔ اچھی بات ہے۔ آپ اسے ہاتھ میں ہی پکڑے ریتے میں مشاث کو باہر ہوں۔“

پھر وہ عمارت سے باہر نکل کر انداز اڑھائی سو گز کے فاصلے پر چلا گیا تھا۔ کمرے میں تو جزل کو بے چینی سے ٹھلتے پایا۔

”واقعی مکال ہے۔ کمال ہے۔“ وہ اسے دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”کچھ دیر کے لئے بالکل غائب ہو گئی تھی۔“

”میری پریشانی کا باعث ہی ہے۔“

”فلکرنہ کرو... یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں تمہیں وزیراعظم دیکھنا چاہتا ہوں۔“ آواز آئی۔

”شکریہ جناب....“

”بس اب جاؤ... مجھے نیند آ رہی ہے۔“

اس نے بام مچھلی کو فوجی انداز میں سلیوٹ کیا تھا اور عمارت سے لکڑا چلا آیا تھا۔

تموڑی دیر بعد اس کی گاڑی پھر اسی عمارت کی کپاؤٹ میں داخل ہوئی جہاں سے روانہ ہو کر بام مچھلی والی عمارت میں پہنچی تھی۔

تمنی بادر دی خادم گاڑی کی طرف لپکے۔ کسی نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور کسی نے اس سے ہیٹ اور چھڑی لے لی۔ پھر وہ برآمدے کے زینوں پر چڑھتی رہا تھا کہ بائیں جانب سے چو تھا خادم نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کی ایک ٹرے تھی جس پر کسی کا وزینگ کا رڈ کھا ہوا تھا۔

اس نے وزینگ کا رڈ اٹھا کر دیکھا اور پھر نشست کے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس طرح کارڈ میں کئے جانے کا یہی مطلب تھا کہ جو کوئی بھی ہے فوری طور پر اس نے ملتا چاہتا ہے یا کوئی بہت کم اہم خبر لیا ہے۔

وہ نشست کے کمرے میں داخل ہوا اور وہاں اس کے منتظر شخص نے آگے بڑھ کر اسے اس طرح تعظیم دی جیسے اس کا زر خرید ہو۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے نرم لمحے میں پوچھا۔

”بری خبر ہے آقائی... بہت نہیں بڑتی۔“

”کوئی انکلف کی ضرورت نہیں۔“

”کسی نے کرٹل بہرام کو گولی بارداری۔“

”کیا...؟“ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”ہاں... آقائی... اس کی لاش واڑیکٹریٹ جنرل میں پہنچ گئی ہے۔“

”لاش کیاں سے ملی تھی؟“

”مرحد کے قریب ایک سفید چنان والی پہاڑی ہے اسی کے دامن میں کسی چڑاہے نے دیکھی تھی۔“

”اچھا... اچھا...“ اس نے وحشت زدگی کے ساتھ کہا۔ ”یہ بتاؤ کہ اس کے پاس سے کیا

کیا تمہیں برآمد ہوئی ہیں؟“

ذریعے ہدایات دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی شاہراہ جیشید پر مڑ گئی۔ یہاں زیادہ تر بڑی عمارتیں نظر آ رہی تھیں لیکن کم

آبادی نہیں تھی اور عمارتیں ایک دوسرا سے فاصلے پر بیانی گئی تھیں۔

یہاں بھی اس نے ڈرائیور کو کچھ ہدایت دی تھی۔ دفعۂ گاڑی بائیں جانب والی ایک عمارت کی کپاؤٹ میں مر گئی۔

پورچ میں پہنچ کر ڈرائیور نے گاڑی روکی اور یچھے اتر کر کچھل سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی سے اٹا اور اوھر ادھر دیکھے بغیر آگے بڑھا۔ صدر دروازے کا پینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا گیں وہ مقفل تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور پھر آن کی آن میں غائب ہی ہو گئے۔

ہاتھ اور اٹھا کر اس نے کال بیل کے بین پر انگلی رکھ دی۔ پھر دروازہ اتنی جلد کھلا تھا جیسے اس کے قفل کا تعلق پش منہ ہی سے رہا ہو۔

وہ اندر داخل ہوا لیکن راہباری میں کوئی موجود نہیں تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ راہباری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر ایک جگہ رک کر بائیں جانب مڑا اور سامنے والے دروازے کا پینڈل گما کر اسے کھوٹا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں ایک بہت بڑے ایکیویریم کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جس میں قرباً چار فٹ کا ایک بام مچھلی تیرتی پھر رہی تھی۔

وہ اس ایکیویریم کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ بام مچھلی اس کے لئے کسی ترک کی سی حیثیت رکھتی ہو۔ اچانک ایکیویریم سے آواز آئی ”میں بہت تھاہوں۔ فی الحال مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”کرٹل بہرام کل سے غائب ہے۔ اس کے سلسلے میں تشویش ہو گئی ہے۔“

”کون کرٹل بہرام؟“

”میرا آدمی... جو انٹر سر و سزا نئیلی جنس میں تھا۔“

”اوہ... اچھا میں سمجھ گیا۔ تو پھر کیا چاہتے ہو۔“ آواز آئی۔

”مجھے اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ فی الحال وہاں سے باخبر نہ رکھوں گا۔“

کی عدم موجودگی میں آپ کو وہاں کے حالات سے باخبر نہ رکھوں گا۔

”اے میں دیکھ لوں گا۔“ آواز آئی۔ ”لیکن تمہیں یہاں غیر نیکیوں کے داخلے پر نظر رکھنا چاہیے۔“

سلط دال ایکم کی ناگاہی کے بعد اس کا امکان ہے۔ تم غالباً سمجھ گئے ہو گے۔“

"ایک پرس! جس میں پچھر رقم تھی اور شناخت نامہ۔ اس کے علاوہ اور پچھے نہیں تھا۔"
 "پرس سے رقم کے علاوہ اور کیا بہر آمد ہوا تھا؟"
 "اور تو پچھے بھی نہیں!"

"اچھی بات ہے" وہ داہنے ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر بولا۔ "جو او حیدر دیکھے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔"
 "آقا!..... میرے لئے کیا حکم ہے۔"
 "اپنی آنکھیں کھلی رکھو..... اور بس۔"
 دوسرا آدمی احتراماً جھکا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آقائے جو او حیدر کی گاڑی دوبارہ کپڑاؤندہ کے چھانک سے نکلی تھی لیکن اب وہ خود ہی اسے ڈرائیور کر رہا تھا۔

وائی تھری آہستہ آہستہ ان دونوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ چنانیں ایسی ہی نہیں کہ وہ صرف بلدی سے دیکھا جاسکتا تھا۔ نشیب میں کھڑے ہوئے کسی گدوں کی نظر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

پھر اس نے وہ مثبت نکالا جو کرٹل بہرام کے پاس سے برآمد ہوا تھا جوستے میں تکوئے کے پیچے رکھ لیا اس کے اپنے تجربے کے مطابق ایسا کرنے سے شناخت کرنے والا آپ شیش است ڈنک نہیں کر سکتا تھا اور یہی ہوا بھی آپ شیش کی جھنجھناہٹ معدوم ہو گئی تھی۔ لیکن جیسے ہی وائی تھری ان دونوں سے پکھ اور قریب ہوا جھنجھناہٹ پھر شروع ہو گئی۔ اس نے پر معنی انداز میں اپنے سر کو جہنس دی اور وہ مثبت دوبارہ جوستے سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ اوہر اس نے مثبت جوستے سے نکلا تھا اور اوہر ان میں سے ایک آدمی یہک پوچھ کر اوہر اور ہر دیکھنے لگا تھا۔

وائی تھری سمجھ گیا کہ اس کے پاس بھی مثبت کاڈ ٹلنگ آپ شیش موجود ہے اس نے مثبت کو پھر نکلا اور چکلی میں دبائے کھڑا رہا۔

دوسری طرف وہ آدمی جس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا تھا وہ سر سے پکھ کہنے لگا تھا۔ فعشہ وائی تھری ایسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے وہ انہیں پوری طرح دکھائی دیتا۔ انہوں نے اسے دیکھا اور ان کے رویوں کو نکل آئے۔

"تم جو پچھہ تلاش کر رہے ہو میرے پاس ہے۔" اس نے انہیں مناطب کر کے اوپھی آواز میں کہا۔

"نیچے آؤ...." ایک نے رویوں کی نال کو جہنس دی۔

وائی تھری پرو قار انداز میں چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور دو گز کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

"گریڈون؟" اس نے اس آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا، جو مثبت کے باہر نکلنے پر چو نکلا تھا۔ اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو اشتابی جہنس دی اور وائی تھری سے سوال کیا۔

"تم...؟"

"گریڈون۔" وائی تھری کا جواب تھا۔

"ثبوت۔"

وائی تھری نے شناخت کرنے والا آپ شیش نکال کر اسے دکھایا۔

دونوں کے رویوں جیبوں میں چلے گئے۔

اب وائی تھری نے وہ مثبت نکالا جو کرٹل بہرام کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔

"آئی ایس۔ آئی دلوں سے پہلے ہی میں یہاں پہنچا تھا اور اسے تلاش کر لیئے میں کامیاب ہو۔

چمکیل دھوپ دور تک پہاڑیوں پر چھلی ہوئی تھی۔ وائی تھری صبح سے سڑک کے قریب والی چنانوں میں چھپا بیٹھا تھا اس نے اوہر سے ملڑی کی گاڑیاں گزرتی دیکھی تھیں۔ پھر سفید چنان والی پہاڑی کی طرف سے ان کی واپسی کا بھی نظارہ کیا تھا جب وہ کرٹل بہرام کی لاش علیاً آبادے جائی جا رہی تھی۔ ان کی واپسی کے بعد وہ اپنی کمین گاہ سے نکلا تھا اور واٹر کول انہن والی موڑ سائکل پر بیٹھ کر سفید چنان والی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سڑک سنان پڑی تھی۔ منزل مقصود تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کیونکہ وہ موڑ سائکل کو خاصی تیز فمارے آگے بڑھا تھا۔

موڑ سائکل کو ایک جگہ چھپا کر سفید چنان والی پہاڑی کے آس پاس ہی اپنے لئے بھی کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر تاہم اسے یقین تھا کہ لاش کے علیاً آباد پہنچنے ہی وہ لوگ حرکت میں آجائیں گے جن کے لئے کرٹل بہرام اپنے ملک سے غداری کامر تکب ہوتا رہا تھا۔ کرٹل بہرام کے پاس سے برآمد ہونے والا زیرولینڈ والوں کا شاختی نشان "مثبت" اس نے جزیل سے واپس لے لیا تھا اور اس وقت بھی وہ اس کی جیب میں پڑا ہوا تھا۔

قریباً چار گھنٹے تک وہ پہاڑی کے قریب کی چنانوں میں چھپا رہا تھا۔ اپنے اندازے کی نظر میں افسوس کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ ایک بڑا سائز کٹھک ایک جگہ آکر رک گیا جہاں پچھلے دن کرٹل بہرام نے اپنی جیپ روکی تھی۔ اس پر سے دو آدمی اترے اور جھک جھک کر زمین پر کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کسی بہت چھوٹی چیز کی تلاش ہو۔

گیا تھا۔

”پھر واٹی تھری نے دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔

”اگر یہ تو....“ پہلے نے اس کے پارے میں وضاحت کی۔

”شہوت....“ واٹی تھری اسے گھورتا ہوا بولا۔

دوسرے آدمی نے ویسا ہی مثلث نکال کر اسے دیکھایا۔

”ٹھیک ہے۔“ واٹی تھری سر ہلا کر بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس نے گریڈون کے آس کہا۔ ”تم اسے باس کے پاس پہنچاؤ۔ اور گریڈو میرے ساتھ تھہرے گا۔“

”لیکن مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں مل۔“

”بجٹ نہیں....“ واٹی تھری نے سخت لمحے میں کہا۔ ”میں کرٹل کے قاتل کی علاش پر ما کیا گیا ہوں مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ یہ لو باس تک پہنچا دو۔“

اس نے کرٹل بہرام والا مثلث اس کی طرف بڑھا دیا۔

”یور آئینڈ ٹھی۔....؟“

”پی تھرٹی سکس۔“ واٹی تھری بولا۔

”اوکے.... میں ٹرک لے جارہا ہوں۔“

”فکرنا کرو۔ پہاں میرے پاس انتظام ہے۔“

گریڈون کا آدمی ٹرک پر بیٹھا اور والی سے روانہ ہو گیا۔ یہ دونوں کھڑے اسے اگلے مو غائب ہوتے دیکھتے رہے۔

پھر واٹی تھری نے گریڈو کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”یور آئینڈ ٹھی۔؟“

”ٹی ون تھر میں....؟“

”ٹھیک.... آؤ....“ واٹی تھری نے اس طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ جہاں واڑ کوں انہیں موڑ سائکل چھپائی تھی۔

دوسرा آدمی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا ہا۔

موڑ سائکل نکال کر اسٹارٹ کرتے ہوئے واٹی تھری نے اسے کیریئر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اسے وہیں لایا تھا جہاں خود مقیم تھا۔ ٹی ون تھر میں نے موڑ سائکل سے اترتے ہو جیت سے چاروں طرف دیکھا۔

عمارت میں پہنچ کر تو وہ اپنی زبان بند ہی نہیں رکھ سکا تھا۔

”تھ.... تم پہاں رہتے ہو؟“ وہ ہکلایا۔

”کیوں؟ تمہیں حیرت کیوں ہے۔“

”بب.... بن یو نہیں.... میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ ادھر کوئی عمارت بھی ہو گی۔“

”اب سوچو....“ واٹی تھری نے بد مرادی کا مظاہرہ کیا۔

”مم.... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا۔“

”کہاں نہیں دیکھا۔؟“

اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھیج لئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے اب احساس ہوا ہو کہ اس قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہئے تھی۔

”اب! تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم کمال بھیز نہیں ہو۔“ واٹی تھری کا بھج غونxoar تھا۔

”مم.... میں شہوت پیش کر چکا ہوں۔“

”اب میں تسلیم نہیں کر سکتا۔“

”لک.... کیوں؟“

”تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟“

”نہیں...“

”اس لئے میں خود ہی کرٹل بہرام کا قاتل بھی ہو سکتا ہوں۔“ مثلث اسی کی لاٹ سے برآمد کیا ہوا۔

وہ بوکلا کر واٹی تھری کو دیکھنے لگا پھر اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا تھا کہ واٹی تھری کا گھونسہ اس کے جہڑے پر پڑا اور پھر اس نے اس کی جیب سے روپ اور نکال لینے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“ واٹی تھری نے سرد لمحے میں کہا۔

”وہ جہڑا سہلا تا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔“

”اب! شہوت پیش کرو۔“

”اب میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایک اہر پا مست ہونے کے علاوہ اور کیا ہے۔“

”ٹھیک۔“ واٹی تھری سر ہلا کر بولا۔ ”تب میں یقین کر لوں گا۔ درست میرے ہاتھ سے ملے جاؤ گے۔“

”شہراہ جشیدی کی گیارہ ہویں عمارت۔“

”وہ دہاں تو نہیں رہتا۔“

”لک.... کیوں.... نہیں!“

”کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟“
 ”بہ... بہت کم، دیکھا ہے۔ زیادہ تر اس کی آواز سنتے ہیں اور آواز ایکیویریم سے آتی ہے جس میں بام مچھلی تیرتی ہے۔“
 ”وہ وہاں نہیں رہتا۔“
 ”تو پھر کہیں اور بھی رہتا ہوگا لیکن قسم کا حال معلوم کرنے کے لئے بڑے لوگ تو وہیں آتے ہیں۔“

”مان لیا کہ تم تھے ہو۔ آئندہ اختیاط رکھنا۔ غیر ضروری بکواس نہیں۔ مگر شاندھم نے معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ تمہیں تباہی۔ تم کب اور کس طرح تنظیم میں شامل ہوئے۔“

”لک... کیا یہ غیر ضروری بات نہیں ہے۔“

”شٹ اپ... گریڈ ون کو یہ حق حاصل ہے اور پھر ابھی میں تمہاری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوا ہوں۔ کمی طرح کے امتحان لوں گا۔“

”مم.... میں نے ایک قتل کیا تھا۔ باس کے علاوہ اور کوئی اس کا شاہد نہیں۔ اس نے صرف تحفظ دیا بلکہ پولیس آج تک مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ وینے باس جس وقت بھی چاہے میں اسی وقت پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔“

”اوہ.... تو تم پھانسی کے متعلق ہو۔“

”یقیناً... لیکن باس بہت گریٹ ہے۔“

”میں بھی اسی کی طرح گریٹ ہوں۔“

”لک... کیا مطلب؟“

”اپنے ہاتھوں سے تمہیں پھانسی دے سکتا ہوں۔“

”مم.... میں نہیں سمجھا۔“

”ارے تم تو ذرگئے۔ والی تحری کی بھی بہت خوفناک تھی۔“



رات کا ایک بجا تھا جب شاہراہ جشیدی کی گیارہویں عمارت کی کپاؤڈ میں کچھ عجیب کا ہٹر بوجگ سنائی دی۔
 کسی نے اوپنی آواز میں کہا ”لاش“ اور کئی آدمی عمارت کے مختلف حصوں سے نکل کر آواز کی طرف دوڑ پڑے۔

199

نارچ کی روشنی کا دائرہ لاش پر پڑا۔
 ”اے... یہ تو۔“ ایک آدمی کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر وہ بے تحاش عمارت کی طرف بھاگا
 نکل رہا رہا سے گذرتا ہوا وہ اسی کمرے میں پہنچا جہاں بام مچھلی تھی۔ ایکیویریم کے سامنے کھڑا ہو
 کر ہاپٹا ہوا بولا۔ ”باس کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں۔“
 ”کون ہے؟“ ایکیویریم سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔
 ”پی ون فورٹی ایٹ...“
 ”کیا بات ہے۔“
 ”کپاؤڈ میں اُن تھریٹیں کی لاش پڑی ہوئی ہے اور اس کے کوٹ کے کار سے اسی آدمی کی
 تصویر پین کی ہوئی ہے جس نے سفید چٹاں والی پہاڑی کے قریب اسے روک لیا تھا۔“
 ”اوہ... اچھا وہ تصویر اس کی لاش سے الگ کر لاؤ اور دوسروں کو لاش کے پاس سے بہت
 جانے کو کہو۔ کہنا باس کا حکم ہے کہ اپنے کروں میں چلے جاؤ اور بھول جاؤ کہ وہاں کوئی لاش پڑی
 ہوئی ہے۔“
 ”بہت بہتر باس۔“ اس نے کہا اور کمرے سے نکل کر دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں لاش پڑی
 ہوئی تھی۔
 ”تم سب اپنے کمرے میں جاؤ باس کا حکم ہے۔ اسے بھول جاؤ کہ کپاؤڈ میں کوئی لاش پڑی
 ہوئی ہے۔“
 ”وہ سب چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔ پی ون فورٹی ایٹ نے تصویر لاش سے الگ کی اور پھر
 دوڑتا ہوا عمارت میں داخل ہوا۔ ایکیویریم والے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ باس کی آواز آئی۔
 تصویر اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب میں رکھ لو۔“
 ”اوے کے.... باس۔“ اس نے حکم کی تعییل کرتے ہوئے کہا۔
 ”اب.... سنو.... فی الحال ہم اس عمارت سے دوسری عمارت میں منتقل ہو رہے ہیں لہذا تم
 اس بام مچھلی کو ایکیویریم سے نکال کر کپاؤڈ کے چھانک پر پہنچ جاؤ...“
 ”بہ... بہت اچھا باس۔“ اس نے بام مچھلی کو گھورتے ہوئے پر تشویش لجھے میں کہا۔
 ”جلدی کرو.... آواز آئی۔“
 ”کوئی ایسی چیز ملاش کرنے لگا جس پر کھڑا ہو کر ایکیویریم کے دھانے تک پہنچ سکتا تھا اور
 اس ایکیویریم کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔
 ”تمہری سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے سے ایک اسنول اٹھا کر پھر دیں والپس آگیا لیکن جیسے

ہی اس نے اسنوں پر کھڑے ہو کر ایک بیوی یہم میں ہاتھ ڈالا۔ مچھلی تیزی سے مڑی اور اس کی کلاں اپنے جبڑوں میں دبوچ لی۔ ایک بیساختہ قسم کی جیج سکرے میں گونجی تھی اور وہ اسنوں سے اچھل کر فرش پر آ پڑا تھا۔

پھر شاند اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کوشش جسمانی تنخ میں تبدیل ہو کر وہ کمی اس کے بعد جسم ایک جھیکے کے ساتھ سیدھا ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا۔ فضا پر بوجھلی خاموشی سلطان تھی۔

بام مچھلی پہلے ہی کی طرح بے نیازانہ تیرتی رہی۔

پھر ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی اس کرے میں داخل ہوا۔ اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک بیوی یہم کی جانب دیکھا اور مرنے والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جھک کر اس کی جیب سے وہی تصویرِ نکالی اور یکاکی اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔

تصویر کو ہاتھ میں لئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کرے سے نکلا اور راہداری میں پہنچ کر دائیں جانب مڑ گیا۔ کچھ دور جلنے کے بعد ایک دروازے پر رک کر دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو۔“ لبے آدمی نے اوپھی آواز میں کہا۔

”ب..... باس۔“ اندر سے آواز آئی اور جلد ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک سفید فام غیر ملکی کھڑا اسیلینگ گاؤں پہن رہا تھا۔

”لیں.... بب..... باس۔“

”ابھی اور اسی وقت اس تصویر کا شٹ کرا کے بتاؤ کہ یہ میک اپ ہے یا اصل چہرہ۔“

”او..... کے..... باس۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر لے لی۔

”اور شانوں سے کھو یہاں ایک لاش ہے اسے فوراً لٹکانے لگا دے۔“

”گک..... کہاں باس؟“

”مچھلی والے کرنے میں۔“

”اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔“



ہو ٹیکی میں داخل ہونے سے قبل ہی وائی تھری کا پہلا میک اپ اتر گیا تھا اور اب وہ ایک کھلنڈرے نوجوان کے روپ میں نظر آ رہا تھا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی تصویر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ

کہیں اس کا چیزہ ڈراؤٹا بھی رہا ہو گا۔ ہو ٹیکی میں اس نے اپنا نام لیکی رو لاں درج کر لایا تھا اور جب ٹارون کا ڈنٹر کلرک نے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں اسے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس ہو ٹیکی میں بہترین شامیں گذار سکے گا تو وہ نہیں کر بولا۔ ”میں تمہاری زبان میں تمہاری ہی طرف گفتگو کر سکتا ہوں۔“

”یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ کو قطعاً کوئی تکلیف نہ ہو گی۔“
”جانتی ہو ایسا کیوں ہے۔“

”نہیں... مجھے ضرور بتائیے...“ کا ڈنٹر کلرک بچھی جادی تھی۔

”مجھے تمہارے ملک اور زبان سے بڑی محبت ہے۔ میں نے بچپن میں تمہارے شراء کے کلام کا فرانسیسی ترجیح پڑھا تھا اور تھیہ کر لیا تھا کہ تمہاری زبان ضرور سیکھوں گا تاکہ تمہاری ذوبصورت شاعری کا صحیح لطف اٹھا سکوں۔“

”میں آپ کو جدید شراء کے مجموعے پیش کروں گی۔“
”بہت بہت... شکریہ...“

”ای شام کو جب وہ ڈائنکنگ ہال میں پہنچا تو کا ڈنٹر پر اس وقت بھی وہی لڑکی نظر آئی تھی تھی اسے دیکھ کر مسکراتی اور وائی تھری کا ڈنٹر ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔“

”تمہاری ڈبوبی بہت لبی ہے۔“

”ڈبوبی؟“ نہیں تو.... میں خود ہی یہاں بیٹھی رہتی ہوں۔ مجھے اس سے دیکھی ہے۔ دراصل یہ میرے پہنچا کا ہو ٹیکی ہے۔“

”اوہو.... تو تمہارا پچا بہت مالدار آدمی معلوم ہوتا ہے یہ یہاں کے بہت بڑے ہو ٹیکوں میں سے ہے۔“

”یہاں کے سارے بڑے ہو ٹیکی میرے پہنچا ہی کے ہیں اور وہ غالباً آباد کا سب سے بڑا آدمی ہے۔“
”اوہو.... تب تو تم بہت خوش قسمت ہو۔ کیا نام ہے تمہارے پچا کا۔“

”آقاۓ جواد حیدر۔“

”میرے لئے اپنے پچا کا آٹو گراف ضرور لے لینا۔ میری آٹو گراف بک میں ملکہ الزبہ تک کے دستخط موجود ہیں۔“

”ضرور.... ضرور.... مو سیور و لاں۔“

”کیا میں ماموز سیل کا نام معلوم کرتا ہوں؟“
”یا مکن فرخ زادو۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”تم میرا پہلہ نام لے سکتے ہو۔“

”تو پھر تم بھی مجھے لیجی ہی کہو گی۔“
”بڑی خوشی سے... کیا پیو گے۔؟“
”کافی...“

”میں منگوائے دیتی ہوں۔ میں آج تک فرانس نہیں گئی۔ مجھے پیرس دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔“
”آؤ... اور میری مہمان رہو۔ میرا باپ بھی ایک چھوٹا مونا سر ماہی دار ہے لیکن مجھے سرماہے داری سے نفرت ہے۔ میں تو حافظتیا عمر خیام بننا چاہتا ہوں۔“

”تمہارے خیالات بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت ہیں۔“

”ہا.... آ... اب میں تمہارے بارے میں کیا کہوں۔“

”کہو کہو... میں سن رہی ہوں۔“ وہ دلادیز انداز میں مسکراتی اور کاؤنٹر سے لگے ہوئے سونگا بورڈ کے ایک پشٹ ملن پر انگلی روکھ دی۔

”عمر خیام کی رباعیات کی کچھ پینٹنگز میرے مکان میں لگی ہوئی میں اس کے ایک ساقی کی ٹھل ہو، ہوتم سے ملتی ہے۔ میں صحیح سے اب تک تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔“

”شکریہ! میرا بھی یہی خیال ہے کہ میرے خدو خال کلائیکی میں۔ لیکن یقین کرو کہ آج تک تمہارے علاوہ اور کسی نے بھی مجھ سے یہ بات نہیں کہی۔“

”تمہاری ان نیم خوابیدہ سی آنکھوں میں مجھے ہزاروں سال پر انی کہانیاں دکھائی دیتی ہیں۔“
وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر قریب آکر مودب کھڑا ہو گیا۔

”کافی۔“ یاسکن نے اس سے کہا۔ ”میں لاو...“
ویشر واپس چلا گیا اور یاسکن وائی ٹھری سے بولی۔ ”تم کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔“

وائی ٹھری عین اس کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ گیا۔
وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ”میں تمہیں علیا آباد کے میوزیم میں اپنے یہاں کے مصروف دہ کے کارنا سے دکھا دیں گی۔ تم دیکھتا کہ انہوں نے کس انداز میں خیام کی رباعیات اور حافظہ کے اشعار کو نیاروپ دیا ہے۔“

”ضرور... ضرور... میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں پہنچتے ہی تم جیسی مہربان خاتون کے ملاقات ہو گئی!“

”میں تمہیں یہاں کاچھ چپہ دکھاؤں گی۔ یقین کرو تمہیں انی زبان اتنی روانی سے بولنے کے لئے بھی بجد خوشی ہو رہی ہے۔ میں تمہیں اپنے معزز بچپے سے بھی ملاؤں گی۔ تم خود ہی ان سے اٹو گراف لے لینا۔“

”مزید خوش قسمتی...“ وائی ٹھری نے طویل سانس لی۔

شائد اسے توقع نہیں تھی کہ بات اتنی جلد بن جائے گی۔ اس ہوٹل میں اس نے قیام ہی اس لئے کیا تھا کہ یہ جو ادھیر کی ملکیت تھا اور یہاں اس کی بھتیجی کا کاؤنٹر پر بیٹھتی تھی۔

کافی آئی اور دونوں کافی پیٹے رہے۔ تصویروں سے وہ پھولوں کی طرف آئے اور یاسکن اسے اپنے دنے سے آگاہ کرتی رہی۔

پھر اچانک وائی ٹھری بولا۔ ”اگر مجھ سے کوئی یہ تو قوی سرزد ہو جائے تو مجھے معاف کرو دینا۔“
”میں نہیں سمجھی۔“ یاسکن نے حیرت سے کہا۔

”میرے گھر والوں کا خیال ہے کہ میں اول درجے کا یہ تو قوف ہوں۔“
”لیکن میں تو ایسا محسوس نہیں کرتی۔“

”شکریہ! امیرے احباب بھی مجھے احتیت کہہ کر حمایط کرتے ہیں۔“

”یقیناً وہ برسے ہی لوگ ہوں گے۔ خیر... ہٹاو...“ میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اسی وقت سے تمہیں یہاں کی سیر کرنے کی شروعات کر دی جائے۔“

”یاسکن...“ میں تمہارا بھید شکر گزار ہوں گا۔ صبح سے تہائی نے مجھے تھکا دیا ہے۔“

”اچھا تو ہم گلبار چلیں گے اور ویس رات کا کھانا کھائیں گے۔ وہ بھی اپنا ہی ہے وہاں پھولوں کا پہاڑ دیکھا۔“

”پھولوں سے مجھے والہانہ عشق ہے۔“ وائی ٹھری بھرا ہوئی آواز میں بولا۔



جزل کی گاڑی کو تھی کی کپڑا نہ میں داخل ہوئی اور وہ گاڑی سے اتر کر صدر دروازے کی طرف ہعلکا اس کے چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں شدید ترین الجھن کے آثار تھے۔

سنگ روم میں پہنچ کر اس طرح صوفے پر گر پڑا جیسے ایک لمبی مسافت پیدل طے کر کے پہلی نک پہنچا ہو۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دروازے ہی لمحے میں ایک ملازم کر کے میں داخل ہو کر مودب کھڑا ہو گیا۔

”علی تھی کو بیچ دو۔“ جزل نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”کچھ دیر بعد علی نئی کرے میں داخل ہوا۔“
”تم نے دیکھا؟“ جزل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

علی نقی نے بوکھلا کر سر کو مقنی جبکش دی۔

”بینہ جاؤ۔“

”شکریہ جناب! وہ سبھے ہوئے انداز میں ایک طرف بیٹھتا ہوا بولا۔

”اس سے بڑی حمact اور کیا ہو گی۔“

”جج.... جی..... ہاں.... مگر۔“

”شام کا کوئی اخبار دیکھا ہے۔“

”ا بھی تک نہیں آقائی۔“

”والی تھری.... کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے پھر کسی کو مارڈا ال۔“

”یقیناً وہ دشمن کا کوئی ایجنت ہی ہو گا۔“

”پوری بات سنو۔ لاش پولیس اسٹیشن کے قریب پائی گئی ہے۔“

”اوہ....“

”پھر دوسرا حمact یہ کہ اپنی تصویر مقتول کے کوٹ کے کالر سے بن کر کے اس کی پشت پر لکھ دیا ہے۔“ مقامی پولیس کو چیلنج۔ اس کا قاتل میں ہوں۔“

”غدا کی پناہ جناب.... اس سے بڑی حمact تو ہو ہی نہیں سکتی۔“

”اوہ.... وہ.... جواد حیدر کے شہستان ہو ٹیل میں ٹھہر اہے۔“

”وہ تو آقائی آپ ہی نے اسے مشورہ دیا تھا۔“

”ولیکن میں نے یہ مشورہ تو نہیں دیا تھا کہ وہ پولیس کو چیلنج کرتا پھرے..... خد ہو گئی۔“

”واقعی بڑی عجیب بات ہے جناب!“

”معلوم کرو کہ وہ ان حالات میں بھی وہیں مقیم ہے۔ یا نہیں....“

”بہتر.... جناب....“

علی نقی کرے سے چلا گیا اور جزل پاؤچ سے تمباکو نہال کر پاپ بھرنے لگا۔ پانچ سلاکا کو

صوفی کی پشت گاہ سے نکل گیا۔ پھر پندرہ منٹ بعد علی نقی کی آمد ہی پر چونکا تھا۔

علی نقی بیحد خوش نظر آ رہا تھا۔ جزل نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ جلدی سے بول پڑا۔

”وہ وہاں سرے سے گیا ہی نہیں۔“

”یہ اور بھی برآ ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ وہ میری ہی نظر میں رہے۔“

علی نقی کچھ نہ بولا جزل پر تشویش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اچانک فون کی ٹھنٹی ہوئی۔ جزل نے رسیور اٹھایا۔

”ہاں.... کیا ہے؟“

”لاش پر پائی جانے والی تصویر سے متعلق ایک نئی خبر جناب۔ کسی پروفیسر تلگاوانے پولیس کو مطلع نہیں ہے کہ لاش کے ساتھ پائی جائے والی تصویر میں صاحب تصویر کا اصل چہرہ نہیں معلوم ہا۔ اگر پولیس اور بھل فوٹوگراف اس تک پہنچا سکے تو وہ اپنی تجربہ گاہ میں اپنے دعوے کا ثبوت بن لے سکے گا۔“

”پروفیسر تلگاوانا کیا بala ہے۔“ جزل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ایک فرائیسی ہے جو دس سال سے یہاں آباد ہے۔ سائنسیت ہے اپنی ذاتی تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔“

”کیا پولیس نے تصویر اس کے حوالے کر دی؟“

”بھی ہاں۔ اور پروفیسر نے ثابت کر دیا ہے کہ ناک اور موچیں مصنوعی ہیں۔“

”اوہ.... اچھا.... اور پکھ۔“

”بل اتنا ہی.... جناب۔“

”ٹھیک ہے۔“ کرمل نے کہہ کر رسیور کریٹل پر رکھ دیا۔ علی نقی اس دوران میں اسے بہت اسے دیکھا رہا۔ جزل اس کی طرف مڑک رکھا۔

”کوئی اچھی خبر ہے جناب؟“

”بہت اچھی علی نقی۔ کیا واٹی تھری کی ناک اور موچیں مصنوعی لگتی تھیں۔“

”نہیں جناب۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس کامیک اپ حیرت انگیز تھا۔“

”میک اپ؟“ علی نقی چوک پڑا۔

”ہاں میک اپ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی دوسرے میک اپ میں اسی ہو ٹیل میں مقیم ہو گا۔ لب ہم اس پر نظر رکھ سکیں گے۔“

”جب وہ اتنا کامیاب میک اپ کر سکتا ہے تو ہم اسے کس طرح پہچانیں گے جناب۔“

”ایک بات بھول رہے ہو۔ شہستان میں ٹھہر نے کامشوہ میں نے یہ دیا تھا اور اسے یہ بھی ملایا تھا کہ جواد حیدر کی ایک بھی زیادہ تر کاؤنٹر ہی پر بیٹھی رہتی ہے۔ اس سے ربط بڑھانے کی اور ٹھیک کرنا۔“

”اوہ.... جناب والقی میں تو بھول ہی گیا تھا۔“

”لہذا ہو ٹیل میں قیام کرنے والا جو شخص بھی لڑکی کے قریب زیادہ دیکھا جائے وہ والی تھری ہو گا۔“

”پھیلاتی رہو اپنی خوشبو۔ جب بھی تمہیں یاد کرتا ہوں۔ تمہاری باتوں کی خوبصورتے پرے وجود پر مسلط ہو جاتی ہے۔ باتمیں کرنے کا اتنا خوبصورت انداز میں نے آج تک کسی لڑکی میں نہیں پایا۔ بیٹھ جاؤ... کیا پوچھیں گے۔“

”بل، باہر ہی کھائیں گے۔“

”اچھا تو چلو۔“

دونوں کمرے سے نکلے۔ زینے طے کر کے ڈامنگ ہال سے گذرتے ہوئے پورچ میں آئے۔
یہاں یا سمن کی اسپورٹ کار ہٹری تھی۔

”تمہاری ڈرائیورگ بھی بہت عمود ہے۔“ عمران نے اس سے کہا۔ ”کل شام اس کا اندازہ ہوا
تھا۔ ہلکا دل کی شام یا سمن کے ساتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا۔“
”تم ان پھولوں کے درمیان ڈبریم لینڈ کے شہزادے معلوم ہو رہے تھے جب تم یہاں سے
جانے لگو گے تو میں تم سے نہیں ملوں گی۔“

”کیوں...؟“

”میں بہت جلد روپڑتی ہوں اور دوسرا سب میرا مٹھکہ اڑاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں
اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔“

”میرا بھی یہی دل چاہتا ہے۔“

”اچھا تو پھر ہم دونوں سمجھی کریں گے۔“

”ضرور... ضرور...“ عمران سر ہلا کر یو لا۔

اسپورٹ کار تیز رفتاری سے راستے طے کر رہی تھی۔ یا سمن ہی ڈرائیور کر رہی تھی اور عمران
انہا کے قریب میخاہون نقتوں کی طرح چاروں طرف دیکھتا جا رہا۔
”کیا دیکھ رہے ہو؟“ یا سمن بولی۔

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی دیکھ کاہوں حالانکہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔“
”ایسا ہوتا ہے۔ تم ایسی فضاؤں کے بارے میں سوچتے رہے ہو گے اسی لئے اجنیت
میں محسوس کرتے۔“

”تم ذین بن بھی ہو... خوبصورت پھول اور ذہانت کی خوبصورت مجھے بہت متاثر کرتی ہے کیونکہ
خواہ دوجے کا یو قوف ہوں۔“

”یو قوف نہیں بلکہ سادہ لوح کہو۔ مجھے ایسے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو چالاک بننے کی
کوشش نہ کرتے ہوں۔“

”آقا! سورج ہیں اور ہم سب حقیر ہیں۔ ہمیں آپ ہی سے تروشنی ملتی ہے۔“
”اب میری پریشانی رفع ہو گئی۔“ جزل نے طویل سانس لی تھی۔



دوسری صبح یعنی رول اس (والی تھری) نے اخبار کے پہلے ہی صفحے پر پروفیسر تلگاوا کا انکشاف
پڑھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بڑیلیا۔ ”پروفیسر تلگاوا...! میں اتنا حمق نہیں
ہوں کہ تمہیں قریب سے دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ اور پھر اسی حالت میں جب کہ میرے شکار
کی لاش پولیس اسٹیشن کے قریب پڑی پائی گئی ہو۔ کہاں شاہراہ جشیدی کی گیارہویں عمارت اور
کہاں پولیس اسٹیشن... ہونہہ... ڈفر...“
ناشہ اس نے کمرے ہی میں طلب کیا۔ کافی کی پیالی میں شکر گھوٹ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی
بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر یوسیور اٹھایا۔

”صحیح بخیر...“ دوسری طرف سے نسوں آواز آئی۔

”صحیح بخیر یا سمن۔ میں تمہاری مہک فون پر بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

”رات کیسی گذری۔“

”بہت خوبصورت! خواب میں پھول ہی پھول دیکھتا ہا۔ جن میں یا سمن سب سے نمیاں تھا۔“
”تم بڑی اچھی باتیں کرتے ہو۔ میں اس وقت گھر سے بول رہی ہوں۔ دس بجے تک پہنچا
گی۔ تم تیار رہنا میں تمہیں یہاں کی آرٹ گیلری دکھاؤں گی۔“
”میں بے چینی سے منتظر ہوں گا۔ اے بے داغ سفید پھول۔“
اس کے کان میں ایک پرشور قسم کا بوسہ گونجا اور پھر سلسہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔
ریسیور رکھ کر وہ کافی پینے لگا۔

ناشہ سے فارغ ہو کر وہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر مسکنے لگا اور پھر باہم آنکھ دا
کر یو لا۔ ”دیکھو میئے عمران! ذرا اختیاط سے۔ نادانستگی میں تم سے جو حماقتوں خواہ تنوہ مرزوہ ہوئی
رہتی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تھا ہواں پرائے دلیں میں... اچھا تو دن بھر کی مہنے
حماقتوں تھیں تھیں میں کیوں نہ کر بیٹھوں... اوہ... ہشت... دیکھا جائے گا...“
دس بجے یا سمن آپنی تھی۔ وہ بھی باہر جانے کی تیاری کر چکا تھا۔

”تم مجدد عجیب آدمی ہو۔“ وہ کمرے میں داخل ہوئی بھی بولی۔ ”کل ہی تو ہماری ملاقات ہوئی
تھی لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے تمہیں جانتی ہوں۔ ہے ناجیب بات!“

”میرا خیال ہے کہ تمہارے پیغمبر نے بھی شراب پینے کو منع کیا ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا۔“
”بن اب زیادہ بور مت کرو۔“

”وکھونا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کبھی کبھی بیو تو فن کی باشیں بھی کرنے لگتا ہوں۔“
”ویسے میرا خیال ہے کہ آج سے میں شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گی کیونکہ ایک عیسائی نے

پھرے پیغمبر کا حوالہ دیا ہے۔“
”کیا بر ایمان گئیں؟“ وہ بو کھلا کر بولا۔

”بالکل نہیں۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں۔ اللہ اس کا رسول اور شیخ خدا مجھے معاف کرے۔“
”واقعی میں نے تمہیں بور کر دیا۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ چلو۔ اب میں تمہیں ایک اور ایسے ہوشیں میں لے چلوں گی جو
یہاں کی بہترین تفریح گاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔“

”وہ بھی تمہارے پیچا ہی کا ہے۔“
”ہاں۔“

باہر نکل کر وہ پھر اسپورٹ کار میں بیٹھے اور عمران نے اس کے عقب نما آئیئے کو اس طرح

ایجاد کیا کہ وہ خود بھی اس پر نظر رکھ سکے کیونکہ شہستان سے نکلتے ہی اس نے محوس کیا تھا کہ
اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ نیلے رنگ کی ایک ووکسن ویگن مسلسل پیچھے گلی رہی تھی اور اب بھی وہ

اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے اس نے ہنکھیوں سے یا سمن کو دیکھا۔ وہ کچھ کھوئی کھوئی
کی نظر آرہی تھی۔

”میں نے واقعی تمہارا مودو چوپٹ کر دیا۔ معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔
”چھوڑو... ختم کرو۔ پرانی بات ہوئی۔“

”ویسے میں ایک بڑی عمدہ بات سوچ رہا تھا۔“
”کیا بات؟“

”تم خود اپنا ایک انسنیک بار کیوں نہیں کھوں دیتیں۔ اسے مشرقی طرز پر سجاو اور خود ہاں وہی
تدمیں لباس پہن کر بیٹھو جس میں تم عمر خیام کو شراب دے رہی تھیں۔ یقین کرو، وہاں مغرب کے

سیاحوں کی بھیڑ رکھے گی، کیونکہ وہ مشرق میں مشرقیت دیکھنے آتے ہیں۔“

”خیال اچھا ہے لیکن میرے باپ اتنے مالدار نہیں ہیں۔ تمہیں سن کر حیرت ہو گی کہ ہم
گزارہ بھائی بھیں ہیں۔ اتنے بڑے کنبے میں ایسی بچت کیسے ہو سکتی ہے جسے کسی بڑے کاروبار میں لگایا

”تم خود بھی تو ایسی ہی ہو۔“

”چالاک بن کر کیا کروں گی۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ سیدھے سادھے آدمیوں کی طرح زندہ
رہو اور خوشیاں سمیئتے رہو۔ دوسروں کی چالاکی ہمیں اسی لئے دل گرفتہ کر دیتی ہے کہ ہماری
چالاکی مات کھائی۔“

”واقعی بہت ذہین ہو۔“

آرٹ گلری میں پہنچ کر وہ بچوں کی طرح متیر انہ انداز میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے
پھر رہے تھے۔ قدیم اور جدید مصوروں کے پیشہ کار نامے بیہاں بکھرے ہوئے تھے۔

عمران تصاویر کے قریب رک کر ان سے متعلق انہمار خیال کرتا۔

”تصوری کے بازے میں تمہارا تقدیمی شور ہی جیرت انگیز ہے۔“ یا سمن بولی۔

دفتہ عمران عمر خیام کی ایک رباعی کے قریب رک کر اس کی طرف مڑا۔

”یہ دیکھو۔ ذرا اس ساقی کو دیکھو۔ کیا تم سے مشابہ نہیں ہے۔“

”میرے خدا۔“ یا سمن چوک ہڑی۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔“

”میری خوابگاہ میں اسی کی نقل آؤ یہاں ہے۔ میں نے تم سے جھوٹ تو نہیں کھا تھا۔“

”تو آج تم نے مجھے دریافت کیا ہے۔“ یا سمن اس کی سمجھی گی پر نہ ہڑی۔

”مکاش میں تمہیں ایسے ہی لبادے میں دیکھ سکتا اور تم میری طرف شہنشہ پانی کا گاس بُغا
رہی ہوتی۔“

”شہنشاہی کیوں۔“ وہ نہ ہڑی۔

”ایسے موقع پر شہنشاہی ہی بینا پڑتا ہے۔“

”میں نے ابھی تک تمہیں شراب طلب کرتے نہیں دیکھا۔“

”میں نہیں پتتا۔“

”یہ بھی میرے لئے حیرت انگیز ہے۔“

”یسوع مسیح نے منع کیا ہے اس لئے نہیں پتتا۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اتنے نہ ہی ہو گے۔“ یا سمن نے ماہوی سے کہا۔

”کیا مدد ہی ہونا بری بات ہے۔“

”نہیں! یہ بھی نہیں کہتی۔“

”کیا تم پتی ہو؟“

”بھی بھی پورٹ یا خیری پی لیتی ہوں۔“

جاسکے۔

”ہاں یہ بات تو ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم گیارہ ہو۔ میرا باپ تو مجھے ایک کو بھی نہیں برداشت کر سکتا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر دوبارہ اضھلال طاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”میرا چھا ان گیارہ میں سے صرف مجھے پند کرتا ہے۔ باپ سے بھی اس کی لڑائی ہے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔“

”یہ تو بری بات ہے۔ ہاں تو تم مجھے اپنے بچا سے کب ملاوگی۔“

”میں ان سے ذکر کروں گی۔ یہ مصروف آدمی ہیں۔ مجھے سے اس لئے خوش ہیں کہ میں ان کے کار و بار میں دلچسپی لیتی ہوں۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“

گاڑی پھر ایک ہوتیں کی کپاؤٹڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں سوئنگ پول کے چاروں کناروں پر میزین گلی ہوئی تھیں جن کے اوپر بڑے بڑے سائبان تھے عمران نے دو کس و میکن کو بھی کپاؤٹڈ میں پارک ہوتے دیکھا۔ اس میں سے ایک طویل قامت نوجوان برآمد ہوا تھا۔

”میں ایک کال کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے یاسمن سے کہا۔

”یہاں کے کال کرو گے۔ میرے علاوہ اور کسی کو جانتے ہو۔“

”ایسٹ پورٹ۔ میرا ایک سوٹ کیس رہ گیا تھا۔ معلوم کرتا ہے ملایا نہیں.... مل گیا ہو گا تو شبتان کے بنے کہہ دوں گا۔“

”وہ سامنے بو تھے ہے۔ تم کال کرو۔ میں اندر فیجر کو کچھ ہدایات دوں گی۔“ یاسمن نے کہا اور عمران کو دیں چھوڑ کر چلی گئی۔

بو تھے میں پہنچ کر عمران نے دروازہ بند کیا اور جزل کے نمبر ڈائل کئے۔

”وائی ٹھری۔“ جواب ملنے پر اس نے ماڈ تھے پیس میں کہا۔

”اوہ.... تم کہاں ہو؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”تھوڑی دیر بعد آپ کو اطلاع مل جائے گی۔“ عمران نے ناخوشنگوار بھیجے میں کہا۔ ”نیلی دو کس و میکن پہنچا نہیں چھوڑ رہی۔“

”لیا مطلب!“

”دیکھنے جزل صاحب! اگر نادانستگی میں آپ کا کوئی آدمی میرے ہاتھوں مارا گیا تو ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔“

”آخر تم نے وہ احتمان حرکت کیوں کی تھی۔“

”فون پر اس کے متعلق گفتگو نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو یہ طریقہ ترک کرنا پڑے گا۔ نیلی دو کس و میکن واپس ملکوں لے جائے۔“

”غیر... اچھا... اچھا۔ مجھے سے جلد ملنے کی کوشش کرو۔“

”میکریا! جلد ہی ملوں گا۔“

”سلسلہ منقطع کر کے وہ بو تھے سے باہر نکل آیا۔ نیلی دو کس و میکن والا بو تھے کے قریب ہی کمرا نظر آیا تھا۔“

عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر واپس جانب والے سائبان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سوئنگ پول میں نوجوان لوگ ڈائیو کر رہے تھے۔ ان میں خوش رنگ اور مناسب جسموں والی لڑکیاں بھی تھیں۔

”وہ سائبان کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ یاسمن واپس آتی دکھائی دی۔ اس کے پیچے ایک آدمی مود بانہ چلا آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے عمران سے پوچھا۔ ”کس طرف بیٹھنا چاہتے ہو؟“

”جہاں دل چاہے میٹھے جاؤ۔ میرے پاس سوئنگ ڈر لیں ہوتا تو میں بھی غسل کا لطف اٹھا سکتا تھا۔“

”وہ بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ تو پھر پہلے غسل ہی کرلو۔ پھر کھائیں گے۔ میں بھی تھوڑی سی ڈائیوگ کرنا چاہتی ہوں۔“

”وہ پھر چلی گئی تھی۔ شائد غسل کا لباس فراہم کرنے کے لئے۔ عمران سائبان کے نیچے ہی بیٹھا رہا۔ نیلی گاڑی والا پھر دکھائی دیا۔ وہ بھی اسی سائبان میں چلا آیا تھا۔ عمران کے قریب ہی کی ایک بیٹکے سامنے میٹھے گیا۔

یاسمن واپس آتی تو عمران آہستہ سے بولا۔ ”پہلے میری ایک بات سن لو۔“

”ہاں۔ کیا ہے۔“ وہ رازدار نہ انداز میں اپنا کان اس کے منہ کے قریب لے گئی۔

”اگر میں نے تمہیں غسل کے لباس میں دیکھ لیا تو پھر میرا افرانس واپس جانے کو دل نہ چاہے گا۔“

”سید گھی کھڑی ہو کر نہس پڑی اور پھر بولی۔“ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں تمہیں غسل کے لباس میں دیکھ کر مجھے تھے ہو جائے۔ مرد اسی وقت تک ابھیچھے لگتے ہیں جب تک وہ پورے پکرے پہنچے ہوں۔ بھلان کے جسموں میں خوبصورتی کی کون سی چیز ہوتی ہے۔“

”بالکل نہیک۔ بڑی عمدہ بات کہی تم نے.... مردوں سے زیادہ بے ہنگم جانور خدا نے پیدا

نہیں کئے۔ میں نے ایک بار پرس میں ایک ایسا لبما اور دبلا پتلا آدمی دیکھا تھا جو پانی میں تیرتے وقت بالکل بام مچھلی معلوم ہوتا تھا۔

”اگر تم کہو تو یہاں بھی تمہیں ایک ایسا آدمی دکھا سکتی ہوں۔“ وہ ایک بہت بڑا پامست اور نجومی ہے، جو حکم لگادیتا ہے وہی ہوتا ہے اور بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے ایک بام مچھلی بھی پال رکھی ہے۔“

”تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں بھی اس سے پچھہ پوچھا؟“

”نہیں۔ مجھے تو وہ بہت سور معلوم ہوتا ہے۔ ویسے میرے چچا اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی مافق الفطرت ہستی ہو۔“

”بام مچھلی کی کیا بات کہی تھی؟“

”میں نے چچا سے سنا تھا کہ اس کے بیباں ایک بہت بڑے ایکیویریمیں ایک چار فٹ لمبی بام مچھلی تیرتی رہتی ہے اور اس کا جسم بھی بام مچھلی ہی کی طرح چلکیلا ہے ایسا لگتا ہے جیسے جسم میں بڑیاں ہیں ہوں.... خود چچا کا خیال ہے کہ وہ اس بام مچھلی سے بہت مشابہ رکھتا ہے۔“

”اب تو اسے دیکھنے کو دل چاہنے لگا ہے۔ واقعی عجیب ہوگا۔ وہ کہاں رہتا ہے۔“

”یہ تو نہیں بتایا چکانے۔“

”خیر ہوگا۔۔۔ اب کیا پروگرام ہے۔“

”کھانا کھا کر نیہیں آرام کریں گے۔“

”جہاں آرام کرنا ہے۔ وہیں کھانا کیوں نہ کھائیں۔“ عمران نے ہمکھیوں سے نیلی کار والے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسے مایوس کر دینا چاہتا تھا۔

”چلو یہی سہی۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔



پروفیسر تلکاوا کی تجربہ گاہ شہر سے باہر تھی۔ دس گیارہ سال سے وہ یہاں مقیم تھا اور یہاں کی حکومت نے اس کے تحقیقی کاموں کے سلسلے میں آسانیاں فراہم کی تھیں۔

تلکاوا پنگالی تھا۔ لیکن عام طور پر لوگ اسے فرانسیسی سمجھتے تھے کیونکہ وہ فرانسیسی بھی بڑی روانی سے بول سکتا تھا۔

اس کے ساتھ اس کی جوان العمر بیوی ماریانا بھی تھی۔ پچھے نہیں تھے۔ خود پروفیسر چچا سال سے کم کاشہ رہا ہوگا۔

پروفیسر اس وقت اپنی تجربہ گاہ میں واٹی تھری کی تصویر پر پچھہ مزید تجربات کر رہا تھا۔ مقامی پولیس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ کسی طرح اس تصویر کے صحیح خدو خال کی بھی نداندی کرنے کی کوشش کرے۔

وھنچ تجربہ گاہ کا دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی اندر داخل ہو۔ پروفیسر چوک پڑا نہ صرف چوک پڑا تھا بلکہ اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار بھی نظر آئے تھے۔

”تت.... تم.... اندر کیں طرح آئے۔“

”مسرتلکاوا کوڈھوڈتا پھر رہا ہوں۔“

”مجھے بیہودہ مذاق پسند نہیں ہے۔ بتاؤ اندر کیسے آئے۔ سارے دروازے مغلیق تھے۔“

”میں ہوا ہن کر دروازوں کے رخنوں سے بھی گذر سکتا ہوں۔ مگر ماریانا کہاں ہے۔“

”بکواس مت کرو تکل جاؤ یہاں سے۔“ پروفیسر نے اسے لکارنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز میں خوف کی لرزش بدستور موجود تھی۔

”میں تمہارا بیاس ہوں تلکاوا۔ میرا احترام کرو۔“

”میں ٹی تھری بی کے علاوہ اور کسی کو جو بداہ نہیں۔“

”تم سنگ ہی کے غلام ہو تلکاوا۔ مجھے درمیان میں لائے بغیر تم ٹی تھری بی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔“

”میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے گندے پلیے سو۔“

”میں تمہاری بد کلامی کا بر انبیاء مانوں گا کیونکہ تم ایک بہت خوبصورت بیوی کے شوہر ہو۔“

سنگ نے سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

تلکاوا ایک بڑا سا ہتھواڑاٹھا کر سنگ کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ہتھواڑا تو چھل کر دور جا گرا اور سنگ کسی آٹکو پس کی طرح اس سے چھٹا ہوا بولا۔ ”گرفت بتر تھی تھت ہوتی جائے گی اور بالآخر تمہاری پسلی کی بڑیاں چٹا چٹا ٹوٹنے لگیں گی۔ میری گرفت میں بتر ریجی دباؤ محسوس کرنے کی کوشش کرو تلکاوا۔“

ذرا ہی کی دیر میں تلکاوا اس طرح چینخے لگا تھا جیسے پچھے موت کے ٹکنے سے پچھے نکلنے کے لئے دیوانہ دار جدوجہد شروع کر دی ہو۔

” بتاؤ... ماریانا کہاں ہے؟“

”بیدروم... بیدروم کے نیچے والے تہہ خانے... وہ تم... سے ڈرتی ہے اس پر رحم کرو۔“

”آخروہ کون ہے؟“
 ”تمہیں کسی نہ کسی طرح اس کے صحیح خدو خال واضح کرنے نہیں۔“
 ”کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔“
 ”سنگ اسے ہال میں لا یا جہاں پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔“

”یہ بھی مثلث ہی کی وجہ سے مارا گیا کیونکہ اس نامعلوم آدمی کے پاس ایک آئینہ شی فائز موجود ہے۔ لہذا اب تم گریٹر ٹو کے سارے آدمیوں سے مثلث واپس لے لو۔“

”ب... بہت اچھا۔“ تلگاوا ہکلایا۔

”اور کبھی ماریانا کو ساتھ لے کر باہر بھی نکل جائیا کرو۔ ورنہ مقامی حکام خواہ مخواہ تم سے متعلق شہبات میں بتلا ہو جائیں گے۔“

”مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔ میں درخواست کرتا ہوں۔“

”آخر کیوں؟“

”تم سے مطلب پروفیسر حلق چھڑا کر دہاڑا۔ سنگ کی مسکراہت غصہ ہی دلانے والی تھی۔“

”وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ لکن بار کھوں۔ اس گھٹے ہوئے ماحول میں وہ اپنی تازگی کو پیشے گی۔“

”او... خدا۔“ پروفیسر دانت میں کراپن اس پیٹا ہوا بولا۔ ”میں نے اس نطفہ نا تھیں کو بلکہ کیوں نہیں کر دیا۔“

”اب کو کوشش کر دیکھو۔“ سنگ بالکل بچوں کے سے انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا۔
 پروفیسر پاگلوں کی طرح جیتا اور اپنے ہال نوچتا رہا۔



رات کے دس بجے تھے۔ ڈائیگ ہال سے اٹھ کر عمران اپنے کمرے میں آیا۔ یا سمن گھر جا چکی تھا۔ رات کا کھانا بھی اس نے عمران ہی کے ساتھ کھایا تھا۔

سر شام ان کی واپسی ہوئی تھی اور عمران اسی کے ساتھ ڈائیگ ہال ہی میں بیٹھا رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف متینانہ نظر ڈالی اور سوت کیس پر نظر پڑتے ہی اندازہ کر لیا کہ اس کی عدم موجودگی میں کسی نے کمرے میں داخل ہو کر سامان کی تلاشی لی تھی۔

ٹھیک یا سمن کے ساتھ جانے سے پہلے اس نے اپنے سامان پر کچھ ایسی نشانیاں چھوڑی تھیں جن کے ایک آدھ اچھ اور ہر یادو ہونے کی بناء پر وہ آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا کہ اس کی عدم موجودگی میں اسے ہاتھ لگایا گیا ہے۔

سنگ اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔
 تلگاوا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑا اس طرح جھوم رہا تھا جیسے بہت زیادہ پی گیا ہو سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ پھر وہ دفتار فرش پر آرہا نگ خاموشی سے باہر نکل گیا پس بھر کے لئے مزک بھی نہیں دیکھا تھا کہ تلگاوا پر کیا گذری۔

تلگاوا چند لمحے آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر کسی زخمی جانور کی طرح گھستتا ہوا ایک جانب بڑھنے لگا۔ کھڑے ہونے کی سکت شائداب بھی نہیں تھی۔

بائیں جانب والی دیوار کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ذیلی سونچ بورڈ کا سرخ پیش مبنی دیا۔ ہلکی سی سرسر اہم ہوئی اور سونچ بورڈ کے رابر ہی دیوار سے ایک خانہ برآمد ہوا جس میں سیارہ مگ کی چھوٹی سی مشین نصب تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ایک سونچ آن کیا۔ ہلکی سی آواز جو ہواں کے مدھم سے شور سے مشابہ تھی کمرے میں گوٹھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ایک چھوٹی سی چرمی کو گردش دینے لگا۔ ساتھ ہی کہتا جا رہا تھا۔ ”بلوما دام....!“ تھری بی ہلو.... نادم فی قری بی....“

اچانک اس مشین سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتنے بھوک رہے ہوں۔
 پھر اس نے پشت پر تھیکی کی آواز سنی اور کسی جوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح پلت پڑا۔

سنگ ہی دروازے میں کھڑا اہل رہا تھا۔ تلگاوا اسے متفر آمیز نظر وہی دیکھتا رہا۔

”پروفیسر!“ سنگ مضموناً انداز میں بولا۔ ”میری ہربات پر یقین کرتا ہیں کھود ورنہ غارت ہو جاؤ گے۔“

تلگاوا کچھ نہ بولا۔ سنگ نے آگے بڑھ کر اس انوکھی وضع کے ٹرانسیمیٹر کا سونچ آف کر دیا۔ اس کے بعد تلگاوا کو سہارا دے کر اٹھا تھا ہوا بولا۔ ”بالکل خوب ہو... ماریانا جہاں تھی دیں ہے۔ میں نے اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اب کوئی بھی براہ راست مادام سے گفتگو نہیں کر سکتا، جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہو۔ ماریانا مجھے اچھی لگتی ہے میں اسے تم سے جدا نہیں کر دیں گا۔ تم دراصل وہی ہو۔ اس ڈر سے اس کو باہر نہیں نکلنے دیتے کہ کہیں؟“ کسی جوان آدمی سے متراثنہ ہو جائے۔“

”یہ جوٹ ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے۔“ سنگ اسے سہارا دیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میرے آدمیوں میں سے ایک اور مارا گیا اس کی لاش ہال میں موجود ہے اور اس لاش کے ساتھ بھی وہی تصویر پائی گئی ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ انہیں میری اور تمھاری دوستی پر حیرت ہے۔“
”ہمیں! کیوں.... کیا میں اس قابل نہیں ہوں۔“

”نہیں یہ بات نہیں! اور دراصل میں بہت ہی چچڑی اور بد دماغ مشہور ہوں۔ آج تک میں نے کسی مرد کو اس حد تک منہ نہیں لگایا تھا کہ اُس کے ساتھ گھومتی پھروں۔“
”اب تو مارے گئے۔“ عمران ماڈ تھے پیس کو ہٹھلی سے بند کر کے بڑا بڑا۔
”بیلو.....“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”بیلو۔“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”وہ اسی وقت ملنا چاہتے ہیں اس لئے تمہیں ملنا پڑے گا ورنہ وہ اپنی سخت توپیں محسوس کریں گے۔“

”کیا وہ قریب ہی کہیں موجود ہیں۔ تم کہاں سے فون کر رہی ہو....؟“
”کافی دور سے.... وہ کسی دوسرے کمرے میں ہیں اور وہاں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ تم اس بدہیت آدمی کو بھی دیکھ سکو گے جو باہم مجھی سے مشابہ ہے۔ وہی نجومی اس وقت پچاکے ساتھ ہے۔“

”تو پھر میں کہاں آؤں۔“

”گھاڑی بھیجنے دی گئی ہے۔ عنقریب کوئی تمہارے کمرے کے دروازے پر دستک دے گا۔“
”اچھا میں منتظر ہوں گا۔“ عمران نے کہا اور رسیور رکھ کر سوت کیس کی طرف چھپتا اور اس میں سے واٹر ریکارڈر نکال کر اسے بڑی بھرتی سے پلاسٹک کی ٹھیکی میں پیک کرتا ہوا اپارٹمنٹ میں آگیا۔ دروازے کی بائیں جانب کا گلار کھا ہوا تھا۔ فوراً ہی واٹر ریکارڈر اس کی گلی میں میں دن کر دیا گیا۔ جزل نے اُسے ڈسٹ بن میں ڈالنے کا وقت دوسرا صبح آٹھ بجے میں کیا تھا۔ اس لئے اس کی عدم موجودگی میں وہ سوت کیس میں بھی نہیں چھوڑا جاسکتا تھا اور ساتھ رکھنا بھی ظریفے سے خالی نہ ہوتا کیونکہ وہ ایک ایسی بجگہ جانے والا تھا جس سے اس کی اطلاع پہلے ہوئے مل چکی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے میک اپ کا جائزہ لیتے گا۔ عمران کو یقین تھا کہ سنگ ہی اسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ ایک حیرت انگیز لوشن نے اس کی آنکھوں کی بیاؤٹ تک بدل دی تھی۔

والی تھری کے میک اپ میں بھی آنکھیں عمران کی آنکھوں کی حیثیت سے شاخت نہیں کی جا سکتی تھیں۔ تلگاوا بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

دو روازہ بولٹ کر کے وہ سوت کیس کے قریب آیا اور اس کا ڈھکنا اٹھاتے ہی وہ چیز بھی نظر آگئی جو شے تو اس کی ملکیت تھی اور نہ پہلے سے سوت کیس میں موجود تھی۔
یہ ایک چھوٹا سا وائز ریکارڈر تھا۔

”ہوں۔“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا ”تو یہ بات ہے۔ کیوں حقائقیں کر رہے ہو پیارے۔ تم باز نہیں آؤ گے۔“

واٹر ریکارڈر اٹھا کر اس نے اس کا ڈسپلے بٹن دبایا اور پھر اسے کان کے قریب لے جا کر سنتے لگا۔ آواز آرہی تھی۔ ”بیلو وائی تھری۔“ تم اس پروفیسر تلگاوا کے متعلق ضرور کچھ جانا چاہو گے لہذا سنو یہ دس سال قبل پر چھال کی ایک یونیورسٹی سے یہاں آیا تھا۔ ماہر بر قیات ہے۔ ہماری حکومت سے بھی وظیفہ لے رہا ہے لیکن اس کا اس طرح اچانک سامنے آتا مجھے شہے میں ڈال رہا ہے تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے اگر مناسب سمجھو تو اسے چیک کرو۔ کوئی پیغام مجھے دینا چاہو تو اسے ریکارڈ کر کے اس ریکارڈر کو کسی روڈی کانگڈ میں پیٹ کر کل صبح ٹھیک آٹھ بجے ہو ٹیل کے پوری وائل ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔ اور۔“

عمران نے جزل کی آواز بیچان لی تھی اس نے واٹر کوریو اسٹنڈ کیا اور ریکارڈر کو منہ کے قریب لا کر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ ”تجھ کا شکریہ! پروفیسر نے جس لاش کے ساتھ پائی جانے والی تصویر کے بارے میں اٹھا کر خیال کیا تھا وہ پولیس اسٹیشن کے قریب نہیں چھینکی گئی تھی۔ وہاں کس طرح پہنچی اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے میرے میک اپ کا سراغ پالیتا ممکن ہے البتہ کیرہ فوٹو کا الکٹرونک ڈسٹ میک اپ کی نشاندہی کر سکتا ہے لہذا وہ لاش تصویر کو ٹھٹ کر لینے کے بعد ہی پولیس اسٹیشن کے قریب پھیکنکوادی گئی ہو گی جہاں میں نے اسے پھیکا تھا وہ جگہ پولیس اسٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل یہ حرکت اسی لئے کی گئی ہے کہ میں پروفیسر پر دھاوا بول کر ان لوگوں کے جاں میں چھنس جاؤں۔ اس لئے فی الحال آپ لوگ بھی اس سے دور رہیے میں مناب وقت پر اسے بھی دیکھ لوں گا....“

واٹر ریکارڈر کو اس نے پھر سوت کیس میں ڈال دیا اور کچڑے اتارنے ہی والا تھا کہ فون کا گھنٹی بھی۔ اس نے رسیور اٹھا کر ہمراہ اسامنے بیٹھا اور ماڈ تھے پیس میں کراہ۔ ”بیلو۔“

”ہمیں.... کیا تم بیمار ہو۔“ دوسرا طرف سے یا سکن کی آواز آئی۔

”اوہ ہو.... تم ہو.... نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں کیا تم گھر پہنچ گئیں۔“

”نہیں! پچاکے گھر سے بول رہی ہوں۔ وہ تم سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“

پدرہ منٹ بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔
”اندر آجاؤ۔“ عمران نے اوپنی آواز میں کہا۔

ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا لیکن وہ رائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔
”موسیو... لیکی رو لاں...؟“ اس نے فرانسیسی ہی کے سے لجھے میں کہا۔ عمران نے کسی
قدر خم ہو کر اس کے خیال کی تصدیق کی۔

”آپ کو ماموز میل یا سمن کا بیغام ملا ہو گا؟“
”یقیناً... میں تیار ہوں۔“ عمران خوش ظاہر کرتا ہوا بولا۔ ”ڈا... ایک منٹ تم بیٹھو...“

”میں با تھہ روم تک....“

وہ تیزی سے با تھہ روم میں داخل ہوا تھا اور کوئی چیز واش میں کے نیچے سے نکال کر کوٹ کر
اندرونی جیب میں ڈال لی تھی۔

واپسی پر اس نے نوار دے کہا کہ اسے اپنا طبقی معاونہ کرانا پڑے گا۔ کیونکہ آب و ہوا کی
تبدیلی نے اس کے مثاثے پر برا اثر ڈالا ہے۔

”ضرور جتاب!“ نوار نے کہا اور اس کے لئے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

”شکریہ...“ عمران نے باہر نکل کر دروازے کو مغلل کرتے ہوئے کہا۔ ڈانگک بال میں کچھ
کاؤنٹر کلر کے حوالے کر کے وہ پورچ میں آیا۔ یہاں ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ نوار
نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور عمران اندر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کرنے کے نوار ڈرائیور کے برادر
بیٹھا تھا۔

گاڑی حرکت میں آگئی لیکن عمران محسوس کر رہا تھا کہ وہ جو آدھیر کے محل کی طرف نہیں؟
رہی۔ یا سمن اسے پہلے ہی محل دور سے دکھا چکی تھی۔ عمران خاموش بیٹھا رہا۔ لیکن جب گاڑی
شہری آبادی چھوڑ کر ویرانے میں نکل آئی تو اسے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تباہ
ہو جاتا پڑا۔ اس کی خاموشی اور ماحول سے لائقی کے مظاہرے میں فرق نہ آیا۔ بالکل ایسا معلوم
ہو رہا تھا جیسے وہ یا سمن پر انداھا عنایتار کھتا ہو۔

اندھیر اتنا گہرا تھا کہ ہیڈ لائنس کی زد میں آنے والے سڑک کے حصے کے علاوہ اور کچھ بھی
نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر اچانک گاڑی با میں جانب سے کسی کچھ راستے پر مڑ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے؛
کسی عمارت کی روشن کھڑکیاں اندھیرے میں عجیب سے پیڑن بھڑکی تھیں۔

گاڑی کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ عمارت کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب ہوتی رہیں۔ راست
ناہموار تھا اس لئے گاڑی میں بیٹھنے والے بار بار جھکو لے کھا رہے تھے۔ اسی دران میں عمران

پیال ہاتھ اٹھنی کی گردن پر پڑا اور داہنہ ہاتھ کپٹی پر... پھر جتنی دیر میں ڈرائیور کچھ سمجھنے کی
روشن کرتا اس کی گردن سے پسول کی نال جاگی۔

”اتھاطا...“ عمران خونوار لجھے میں بولا۔ ”گاڑی عمارت کے قریب کھڑی کر کے انہیں بند
رہا اور کنجی میرے حوالے کر دینا۔ پسول بے آواز ہے۔“
اسٹرینگ پر ڈرائیور کے ہاتھ کا نپ گئے۔

”ہوشیار... ورنہ اس سے پہلے مر جاؤ گے۔“ عمران نے اس کی گردن پر پسول کا دباؤ ڈالتے
ہوئے کہا۔

umarat کے قریب بیٹھ کر اس نے گاڑی روکی اور کنجی عمران کے حوالے کر دی۔ دوسرے ہی لمحے
ہنزا کا دست اس کی کپٹی پر پڑا اور وہ بھی بیہو ش ساتھی پر ڈھیر ہو گیا پھر عمران گاڑی سے اترنا تھا اور
ادمیرے میں مدغم ہو گیا تھا۔



اس وقت تجربہ گاہ میں تلگاؤ کی سمن اور خوبصورت بیوی ماریانا بھی موجود تھی اور تلگاؤ
ہنزا انداز میں چاروں طرف ٹھہلات پھر رہا تھا۔ ماریانا اسے گھوڑے جارہی تھی کبھی کبھی کچھ کہنے
کے لئے ہوتیں کو جنتش دیتی اور پھر رک جاتی۔
دفعہ چار آدمی تجربہ گاہ میں داخل ہوئے یہ بھی اُسی کی طرح سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان میں
نے ایک نے کہا۔

”پروفیسر! گاڑی میں دو آدمی بیہو ش پڑے ہیں اور تیسرے کا پتا نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ پروفیسر چونک پڑا۔

”مطلوب یہ کہ وہ آدمی گاڑی میں موجود نہیں جس کے بارے میں چھان بین کرنی ہے۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟“ تلگاؤ نے غصیلے لجھے میں کہا۔

”م... مطلب یہ کہ.... باس۔“

”خاموش رہو۔ اس ولد الحرام کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔“

”پھر ہم کیا کریں۔“

”اپنے بارے سے پوچھو۔“

”تم نہیں جانتے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔“

”تم بھر جاؤ... تم بھی کہیں جا کر سور ہو۔“

”کوئی... دوسرا بولا۔“ پروفیسر ٹھیک تو کہہ رہے ہیں انہیں ان معاملات سے کیا سرد کار۔“

بیوں سے غداری کی ہے۔ مادام کے حکم پر اپنی شخصیت کو فو قیت دیتے ہیں۔“
”لیل... لیلی... رولاں۔“ پروفیسر بکلایا۔ ماریانا اس کے ہاتھ میں نظر آنے والے پستول

مہورے جاری تھی اور چاروں کے ہاتھ اور اٹھ گئے تھے۔
”تم دونوں اپنے ہاتھ نیچے گرا دو۔“ عمران نے پروفیسر سے کہا۔ ”مجھے علم ہے کہ تم دونوں
ڈار نہیں ہو۔“

”مکریہ!“ پروفیسر نے طویل سانس لی۔
”اور تم دونوں باہر چلو۔“ اس نے پستول کو جبکش دی۔ ”چلو ورنہ سچ یعنی یہیں ختم کر دوں گا۔“
”لک... کہاں جانا ہے...؟“

”اپنے باس کے پاس لے چلو۔“

”ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ یقین کرو۔“

”اچھا تو وہیں لے چلو جہاں تم رہتے ہو۔“

”یہ ہو سکتا ہے... چلو۔“

”و دونوں دروازے کی طرف مڑ گئے۔“

ان کے باہر نکل جانے پر ماریانا بڑا بڑا۔ ”مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے سہارا دو۔“
پھر وہ لڑکھڑائی بھی تھی۔ پروفیسر نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا ہی تھا کہ باہر سے پے در پے
”جنہیں ایک بار پھر سنائی دیں۔“

”او... خدا...“ ماریانا خود بخود سُنجھل گئی۔

”شش... شائد وہ بھی مارے گئے۔“ پروفیسر بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔

”لیں... رولاں... مادام ہی کامنا نہدہ معلوم ہوتا ہے یہ بہت اچھا ہوا... بہت بہت ہی اچھا۔“
عمران پھر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

”تم اس کس طرح مطلع کر دے گے کہ لیکن رولاں چار کو قتل اور دو کو بیہوں کر کے نکل گیا۔“

مگر ان نے پروفیسر سے پوچھا۔

”شائد کچھ دیر بعد وہ خود ہی فون پر رابطہ قائم کرنے میں تو نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہو گا۔
ہو سیکر رولاں...“

”عمران نے ماریانا کی طرف دیکھ کو پوچھا۔ ”مادام تلکاوا...؟“
”ہاں...!“

”اچھا تو پروفیسر انہیں خوابیگاہ میں چھوڑ آؤ۔ ہم کچھ ضروری باتیں کریں گے۔“

”پلو... تو پھر تلاش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی بیہوں کا باعث وہی ہو گا۔ اور گاڑی کے
بغیر یہاں سے واپس نہیں جاسکے گا لہذا اگاڑی وہی کی نگرانی کرتے رہو۔“

وہ چاروں واپس چلے گئے اور پروفیسر قہر آکوں نظر وہی سے دروازے کو گھوڑا تراہا۔

”کیا قصہ ہے۔“ ماریانا نے پروفیسر کے قریب آکر پوچھا۔

”اس کے نے کسی کو بھجوایا تھا جس کے بارے میں چجان بین کرنی تھی کہ فرانسیسی ہے
نہیں... میک اپ تو نہیں ہے۔“

”تو پھر کیا ہوا۔“

”جو کچھ ہوا اسکی سن چکی ہو۔“ پروفیسر نے ناخوٹگوار لمحے میں کہا اور پھر یہ بیک اچھل پڑا۔
کیونکہ پے در پے دو جیھیں سنائی دی تھیں۔

”یہ... یہ کیا ہوا..؟“ ماریانا ناخوڑدہ لمحے میں بولی۔

”ہو گا کچھ... جہنم میں جائے۔ اس کے نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا ہے...“

حد تک کہ میں اپنی آواز بھی مادام تک نہیں پہنچا سکتا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ ان چاروں میں سے دو آدمی ان
داخل ہوئے جو کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے۔

”کیا بات ہے۔“ پروفیسر نے پوچھا۔

”کوئی... اور ٹیوک مارے گئے۔“

”کیا مطلب؟“

”فائز... سائنسنر لگے ہوئے پستول کے فائز وہ اندر ہیرے میں بھیڑیوں کی طرح ٹکٹک
رہا ہے۔“

”تلاش کرو۔“ پروفیسر غریبا۔

”ہرگز نہیں... باہر گہرا اندر ہیرا ہے۔ ہم اندر ہے کون میں میں چلا گئے نہیں لگا سکتے۔“

”اچھا تو... یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اپنی تجربہ گاہ میں اس کے کے حلیفوں کو دیر یک بڑا
نہیں کر سکتا۔“

”کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مارڈا لے جائیں۔“

”سنڈوار لگ۔“ ماریانا پروفیسر کو مخالف کر کے بولی۔ ”اگر وہ اس طرح مرنے مارنے
گیا ہے تو پھر ہم بھی تو خطرے میں ہیں۔“

”نہیں۔“ دفتار دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ ”خطرے میں صرف وہی میں جنہوں

تلگاوانے ماریانا کی طرف دیکھا۔

”نن... نہیں... میں تھا نہیں رہوں گی۔“

”اچھی بات ہے تو میں کسی طرف بیٹھ جاؤ۔“ تلگاوا بولا اور عمران سے کہا۔

”ماریانا... رازدار ہے۔ میں نے تنظیم سے باہر شادی نہیں کی تھی۔“

”ٹھیک ہے... کوئی حرج نہیں... روشنی بجھاؤ، ہم آہستہ آہستہ گفتگو کریں گے۔“

محسوس کر رہا ہوں کہ مادام تلگاوا اسی خبیث سے خائف ہیں۔“

”تم ٹھیک سمجھے موسیرو لا۔“ تلگاوا غصباںک ہو کر بولا۔ ”تنظیم ایسے گندے سوروں کو

برداشت نہیں کر سکتی۔ پتا نہیں مادام نے اس پر کیسے اعتماد کر لیا۔“

”تمہیں مادام پر کتنا چینی کا حق نہیں پہنچتا۔“ دفعۃ عمران غرایا۔

”معافی پاہتا ہوں موسیو۔ دراصل حالات نے میری عقل چوپت کر دی ہے۔“

”ہر حال میں محتاط رہو۔ اچھا باب لائٹ آف کر دو۔ ہم سونچ بورڈ کے قریب کھڑے ہو کر

گفتگو کریں گے۔“

پھر تجربہ گاہ میں اندر ہیرا ہو گیا۔ اس سے قبل تلگاوانے دروازے کو اندر سے مقفل کیا تھا۔

”گک.... کہیں وہ دونوں ہوش میں نہ آ جائیں جن کا ذکر ان چاروں نے کیا تھا۔“ تلگاوا

آہستہ سے بولا۔

”ان کی فکرنا کرو۔ اب وہ گاڑی میں نہیں ہیں اور کئی گھنٹے تک گھری نید سوتے رہیں گے۔“

”اور وہ چاروں بیچ مرجئے۔“ تلگاوانے بھراں ہوئی آواز میں پوچھا ”بالکل“ عمران نے مرد

لہجے میں کہا۔ ”وہ دونوں بھی مر جاتے اگر مقامی آدمی نہ ہوتے کیونکہ ان کے بارے میں مجھے یعنی

نہیں کہ وہ معمولی ملازم ہیں یا تنظیم ہی سے متعلق ہیں۔“

”میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”اگر وہ تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دینا کہ تم نے بہشکل اپنی اور اپنی بیوی کا

جان بچائی ہے۔“

”تو کیا وہ تصویر والی لاشیں بھی...؟“

”وہ میرے لئے بھی حیرت کا باعث ہیں۔ نہیں میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

سنو.... اسے میری اصلاحیت نہ معلوم ہونے پائے۔ میں تم سے ملتا ہوں گا۔ تم یہ معلوم کرنے کے

کوشش کرو کہ وہ کن مقامات پر قیام کرتا ہے۔ میں اسے زندہ گرفتار کر کے مادام کی خدمت میں

پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے بھی حکم ملا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں مادام کا خادم ہوں۔ انہی کے لئے زندہ ہوں اور انہی کے لئے مروع

”پھر ذہن نشین کرلو۔ اسے ہر گز نہ معلوم ہونے پائے کہ میں مادام کا فرستادہ ہوں۔“

”اطمینان رکھو موسیرو لا۔“

”اچھا بیس.... میں چلا۔“

تلگاوانے سونچ آن کر کے تجربہ گاہ میں روشنی کر دی۔ پھر اس نے دروازے کا قفل کھو لاتا

اور عمران باہر نکلا چلا گیا تھا۔

”چلو۔“ اس نے ماریانا سے کہا ”ہم خوابگاہ والے تہہ خانے میں چلتے ہیں تاکہ اسے ہماری بات

پہنچ آسکے۔“

بشكل تمام وہ ماریانا کو وہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ وہ تو اتنی خوفزدہ تھی کہ اپنی

ہاتھ سے کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

خوابگاہ میں پہنچ کر اس نے مسہری کے نیچے کسی میکنزیم کو حرکت دی تھی اور مسہری ایک

ٹاف سے اٹھی تھی اور پچھر ڈگری کے زاویہ پر رک گئی تھی۔

تہ خانے کا راستہ خلار ہو گیا۔ گیارہ نیٹر ہیماں انہیں نیچے لے گئیں پھر جیسے ہی پروفیسر نے روشنی کا

لٹا آن کیا مسہری اپنی جگہ پردا بیسی کے لئے آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگی۔



سُنگ ہی بار بار فون پر کسی کے نمبر ڈائل کے جا رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے جواب

نکالا رہا تھا۔ بالآخر مسیور کریڈل پر کھکھل کر وہ خالی نظر وہن سے خلا میں گھورنے لگا۔

لکاں نے رات کا ایک بھیلا۔ ساتھ ہی فون کی گھٹنی بھی بھی۔ سُنگ نے جھپٹ کر مسیور اٹھا لیا۔

”باں.... تھرٹی سکس میں پہنچے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کوئی بڑی خبر ہے۔“

”تم سب گولی مار دینے کے قابل ہو۔“ سُنگ دہڑا۔

”گک.... کیوں...؟“

اس سے پہلے کبھی میں نے پے در پے اتنی بڑی خبریں نہیں شیں۔“ سُنگ نے کہا اور مسیور

کریڈل پر کھٹک دیا۔ پھر وہ بہت تیزی سے باہر نکلا تھا۔ گاڑی برآمدے ہی سے لگی کھڑی تھی۔ سڑک

کاٹا گراہ کاٹی طوفانی رفتار سے مشرق کی طرف روانہ ہو گئی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ انہیں

کام سائیں میں کر رہا تھا۔

عزم سے پورچ کی روشنی بجادیتے کو کہتا ہوا نیچے اتر گیا۔
جواد حیدر شب خوابی کے لباس میں اس کے استقبال کو موجود تھا۔ آنکھیں نیند کے خمار سے
اپری ہی تھیں۔

رے میں پہنچ کر سنگ بولا۔ ”تمہارے دونوں آدمی گاڑی میں بیہو شپڑے ہیں۔“
”لگ۔ کیا.... ہوا...؟“

”بہاں اسے پہنچا تھا وہیں اس نے انہیں بے لب کر دیا۔ پتا نہیں تھا ری گاڑی کا کیا ہوا۔“
”یہ تو بہت بُرا ہوا۔ آخر وہ ہے کون...؟“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ ویسے تم ہو میل میں چیک کراؤ کہ وہ اپس آیا تھا نہیں۔“
جواد حیدر نے فون پر کسی سے اس کے متعلق گفتگو کی تھی اور رسیور کھ کر بولکھائے ہوئے
ہمیں بولا تھا۔ ”ارے آپ تشریف رکھئے۔ ابھی تک کھڑے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ سنگ ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا خنک لجھے میں بولا۔
”ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی واپسی ہوئی یا نہیں۔“ جواد حیدر نے بھی اس صوفی
لانچ پر نکلتے ہوئے کہا۔ ”آپ اس وقت کیا پہنچا پسند کریں گے۔“
”زوائی جنم.... نیٹ۔“

جواد حیدر نے گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور جواد حیدر سے ہدایات لے کر
پہنچا گیا۔

”اپنی بھتیجی کو بھی بلو۔“ سنگ نے پر تکر لجھے میں کہا۔
”اس وقت بیجد مشکل ہے۔ وہ یہاں اس کی منتظر ہی تھی پھر ہو میل جانے کا رادہ کیا تھا لیکن
لانے اسے تھنی سے منع کر کے گھر بھجوادیا تھا۔“

”خیر جانے دو۔“ سنگ خنک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ”صرف پندرہ دن تھمارے
لئے بہت کٹھن ہیں۔ اس کے بعد حالات ساز گار ہو جائیں گے۔ بہت مختاط رہنے کی ضرورت
ہے۔“

جواد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم سنگ کے لئے ثراب اور اس کے لوازمات لے کر آگیا۔ میر
لارڈ گل۔ ملازم کے واپس ہو جانے پر جواد نے کہا۔

”تو بھریے سمجھا جائے کہ وہ خوفناک چبرے والا اور یعنی رو لال ایک ہی شخص کے درود پر
نہار۔“

”اولاد کھا جائے گا۔“ سنگ نے گلاس خالی کر کے طویل سانس لی اور دوبارہ انٹھیتے لگا۔

دشمن کے اندر اندر شہری آبادی پیچھے رہ گئی۔

قرٹی سکس... ویرانے میں دو کروں کی ایک مختصر سی عمارت ثابت ہوئی جہاں کیر و میں
لیپوں کی دھنڈی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اس کمرے میں ایک سفید قام غیر ملکی سو گواری شکل بنائے کھڑا تھا۔
”میا خبر ہے شاٹو...؟“ سنگ نے پر سکون لجھے میں کہا۔

”دوسرے کمرے میں چلنے پا۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
دوسرے کمرے میں چار لاکھیں اور دو بیہو ش آدمی پاٹھیں کب سے اس کے منتظر تھے۔

”اوہ...“ سنگ شاٹو کی طرف مڑا۔ ”ان دو مقامی آدمیوں کو میں نہیں جانتا۔“ شاٹو بولا۔ ”یہ صرف بے ہوش ہیں اور اپنے
آدمیوں کے گولیاں لگی ہیں۔ بھٹنڈے ہو چکے ہیں۔ تلاگا و اور اس کی بیوی کا کہیں پاٹھیں۔ علات
ستھان پڑی ہے۔“

”میں دیکھوں گا۔“ سنگ نے سرد لجھے میں کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر دروازے کی طرف
مڑتا ہوا بولا۔ ”بیہو ش آدمیوں کو انھا کر گاڑی میں ڈال دو اور ان کی لاشوں کو اس طرح ٹھکانے
لگاؤ کہ ان کا سراغ نہ مل سکے۔“

”اوے کے بسا۔“ شاٹو گلوگیر آواز میں بولا۔ شائد وہ اپنے ساتھیوں کو پورے اعزاز کے ساتھ
دن کرنا چاہتا تھا۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر گاڑی پھر علیا آباد کی طرف جا رہی تھی۔ سنگ کے ہونٹ پہنچے
ہوئے تھے اور ان پر کسلی پٹر پر دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔ گاڑی کے پچھے ہتھے میں دونوں بیہو ش آدمی پر
تھے اور ان پر کسلی ڈال دیا گیا تھا۔ علیا آباد پہنچ کر گاڑی کا رخ جواد حیدر کے محل کی طرف ہو گا۔

رفار بھی اب معنوی ہی تھی۔

کچھ دیر بعد چھانک پر پہنچ کر گاڑی روکی ہی تھی کہ چوکیدار جھپٹ کر اس کی طرف آیا۔

”آقائے جواد حیدر کو جگاؤ... میرے آنے کی اطلاع دو۔“

”بہت بہتر آقائی...!“

وہ چھانک سے ملختہ کیben میں واپس چلا گیا۔ شائد فون پر سنگ کی آمد کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔
چھانک کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی اور سنگ گاڑی اندر لئے چلا گیا تھا۔

اتر رات گئے جواد حیدر کاٹھایا جانا آسان کام نہیں تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جو کہ ارکل
فون کال نے پورے محل کو جگایا ہو۔ سنگ نے گاڑی پورچ میں کھڑی کر دی اور قریب کر لئے۔

فون کی لگھنی بیجی۔ جو اودھیر نے جھپٹ کر ریسیور انھیاں۔ دوسری طرف سے بولنے والے بات سننا ہاں۔ اس کے چہرے پر حمرت اور جھنجھلاہست کے آثار تھے۔ ریسیور رکھ کر وہ سنگ کی طرف مڑا۔
”وہ نکل گیا جتاب عالی۔“

”مجھے یقین تھا۔“ سنگ مسکرا کر بولا۔ ”اول درجے کا حرامی ہے۔“

”نہایت اطمینان سے رخصت ہوا ہے۔“ جو اوس تساندے لججے میں بولا۔

”ہوشیں کا حساب بے باق کیا۔ سامان سنبھالا اوزی کہہ کر رخصت ہو گیا کہ وہ بارہ تیس والی فلانٹ سے شہزاد جا رہا ہے۔“

”اور وہ کہیں نہیں گیا۔ صبح کسی دوسرے روپ میں دندناتا پھر رہا ہو گا۔ یقین کو دو جو اودھیر.... اگر وہ عورت ہوتا تو میں اس سے شادی کرنے کے لئے اپنی گردن نکل کنڈا دیا اور ہمارے پچھے اتنے ذہین ہوتے کہ دنیا تہہہ والا کر کے رکھ دیتے۔“

”تو آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”غوب اچھی طرح۔“ سنگ نے طویل سانس لی۔ ”لیکن تمہاری بھتیجی خطرے میں ہے۔ اول تو اس طرح اس کی جدائی اسے پاگل کر دے گی اور پھر وہ کسی نہ کسی روپ میں دوبارہ اس سے لئے کی کوشش کرے گا۔ لہذا بھتیجی پر کڑی نظر رکھو۔ اگر وہ کپڑا اجا۔ کا تو آنسا یا سمن ہی کے توطے پکڑا جائے گا۔“

”اب وہ گھر سے باہر قدم نہ نکال سکے گی۔“

”یہ سب سے بڑی غلطی ہو گی جو اوسے پہلے سے بھی زیادہ آزادی دو۔ اسے بادر کرانے کی کوشش کرنا کہ جو کچھ بھی ہو اس کا علم تمہیں نہیں تھا۔ تم تو جو ٹھیک اس سے مل کر یہ بتانا چاہتے ہے کہ تم اسے اس کے دوست کی حیثیت سے پسند کرتے ہو۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”شاند تم ابھی تک سمجھ نہیں سکے۔“

”میا نہیں سمجھ سکا۔“

”اس نے تمہاری بھتیجی سے اسی لئے دوستی بڑھائی تھی کہ اسے تمہارے ہمراں نے تعلیم کیا۔“

”اوہ۔“ جو اودھیر کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے اور سنگ نہیں پڑا۔
”ذور و مت۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔“ اس نے کہا۔ ”تم پر آج نہیں آنے پائے گی۔“

اس سے نپٹ لوں گا۔“

”آپ ایسے ہی ہیں جناب۔ مجھے یقین ہے۔“ جو اودھیر کھھھیا۔



صح ہوتے ہی یا سمن تیر کی طرح ہوشیں شہستان پہنچی تھی۔ یعنی کا کمرہ خالی تھا۔ ابھی تک اس کی صفائی بھی نہیں ہوئی تھی۔

پتا نہیں کیوں اس کے ذہن میں یہ خیال جنم سا گیا تھا کہ یعنی نے اس کیلئے کوئی پیغام ضرور چھوڑا ہوا لیکن اس طرح اچانک غائب کیوں ہو گیا۔ کیا کسی بڑی دشواری میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچتی اور کمرے میں چکراتی رہی۔ نیبل لیپ اٹھا کر دیکھا شاند اس کے پیچے کوئی تحریر چھوڑ گیا ہو۔ لیکن اسے مایوس ہی ہوئی۔ بڑی دیر تک کمرے کی چیزیں اللئی پلٹتی رہی۔ پھر قلیں بھی اتنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ ایک پورٹر کمرے میں واخل ہوا۔

”آپ کی فون کاں ہے۔“

”اوہ.... اچھا.... وہ چونک پڑی۔“

ڈائینگ ہال میں پہنچ کر اس نے ریسیور کاں سے لگایا تھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز کر اس کا چھرہ چمک اٹھا۔ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”خاموشی سے سنتی رہو۔ خود کچھ نہ بولو۔ میں اس وقت دیس ہوں جہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ سیدھی چل آؤ... وہیں بینچ جانا جاں ہم بینچے سٹھے اور پھر میں پہنچ جاؤں گا۔“ بس اب ریسیور کو دو... اور ہاں تمہاری گاڑی کی رفتار تیزیدہ تیزیدہ ہو... وہیں آل۔“

یا سمن کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ باہر نکل کر وہ اپنی اسپورٹ کار میں بینچ گئی اور اس کا رخ اسی سمت کر دیا، جہاں انہوں نے پہنچے دن دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔

اس کے بعد ہی ایک اور اسپورٹ کار اسٹارٹ ہوئی تھی اور تھوڑے فاصلے سے اس کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ اسے ایک خوش رہ جوان ڈرائیور کر رہا تھا۔ شاند اسے علم نہیں تھا کہ اس کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیچے سبز رنگ کی ایک جیپ تھی جسے ایک بوڑھا آدمی ڈرائیور کر رہا تھا۔ پارک گلگ شیڈ میں پہلے یا سمن کی گاڑی داخل ہوئی تھی۔ تعاقب کرنے والے نے اس کے برابر علاپی گاڑی پارک کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے دوسری طرف لیتا چلا گیا تھا۔ بڑی گاڑیوں کے درمیان اس کی چھوٹی سی اسپورٹ کار غائب ہو کر رہ گئی۔ وہ انہیں بند ہی کر رہا تھا کہ برابر کی

جگ پر بزرگ کی جیپ آرکی بوڑھے نے اسے لکھوں سے دیکھ کر چاروں طرف دیکھا۔ اور ان دونوں کے علاوہ آس پاس اور کوئی نہیں تھا۔

بوڑھا بڑی پھرتی سے جیپ سے اتر اور نوجوان کی پائیں کپٹی پر ایک بھرپور باتھہ رسید کر دیا۔ اس نے اسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ پھر وہ اسٹرینگ پر ڈھلک گیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے اس کی گردان پر بھی کسی قدر دباؤ ڈال کر جوں کا توں چھوڑ دیا تھا۔ پھر جیپ پر بیٹھ کر اسے دوبارہ اسٹارٹ کیا اور ہوٹل کی حدود سے باہر نکلا چلا گیا۔ کچھ دور چل کر سڑک کے کنارے ایک جگہ جہاں اور بھی گازیاں کھڑی تھیں اسے پارک کر کے انہن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔

اب وہ پیدل ہی ہوٹل کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے ایک مخصوص سین بن کا پر دہ ہٹایا تو اندر بیٹھی ہوئی یا سمن نے غصیل بیٹھے میں کہا۔ ”میا ہے؟“

”آپ کادوست لیکی رو لاں...“
”وہ کہاں ہے؟“ یا سمن بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھ جائیے اور مجھے بھی بیٹھنے کی اجازت دیجئے۔ لمبی کہانی ہے۔“

”بب.... بیٹھ جاؤ۔“

بوڑھا بیٹھتے وقت اس طرح کراہ رہا تھا جیسے اس کے گھنٹوں پر تکلیف ہو۔ پھر اس نے اپنے گھنے سفید بالوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چلا کر چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی۔

”اوہ.... تم....“ یا سمن اچھل پڑی۔ ”کمال ہو گیا.... مگر کیوں؟“
”اب تھیسیں سچی بات بتا دوں گا۔“

وہ اسے بتانے لگا کہ کس طرح دو آدمی اسے ایک دیران مقام لے گئے تھے اور وہ ان سے چھکارا پا کر بھاگ نکلا تھا۔ ان چار آدمیوں کا ذکر نہیں کیا جو اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

”حیرت انگریز۔“ وہ طویل سافن لے کر بولی۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسا کیوں ہوا۔ کیا وہ تھیں کسی عمارت میں لے گئے تھے۔“

”نہیں! میں شہر کے باہر ایک دیران میں لے گئے تھے۔“

”آخر مقصد کیا تھا...؟“

”مقصد میں جانتا تھا۔ اس لئے ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی تھی۔ نہ میں تھیں تنا چاہتا ہوں کہ تھمارے چھا ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔“

”مم.... میں نہیں سمجھی۔“

”وہ حرام خور.... بام مچھلی.... انہیں کسی سازش میں ملوث کر کے خود صاف نکل جائے گا اور تمہاری پشت بات پشت کی گرد نہیں قوم کے آگے شرم سے جھکی رہیں گی۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم....؟“

”وہ ایک بین الاقوامی مجرم ہے اور میری حکومت کی سال سے اسے ختم کر دینے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔“

”تو تم....؟“

”میں کہہ چکا ہوں کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ ہاں! میں فرانس کے لئے اپنی گردان تک کٹا سکتا ہوں۔ پورے ایک سال سے اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔“

”تو تم فرانس کے سرکاری سرا غرساں ہو؟“

”نہیں! میں ایک معمولی شہری کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میرے خاندان کو بھی اسی شیطان کے ہاتھوں بڑے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ میں انقاصل بھی اس سے پشتا چاہتا ہوں۔ پچھلی رات تمہارے بیان کے مطابق وہ آقائے جواؤ کے محل میں موجود تھا۔“

”ہاں.... وہ وہیں تھا۔“

”بس تو پھر اسی نے مشورہ دیا ہو گا۔ دراصل وہ انہیں کسی سازش میں ملوث کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے کسی بھی عربی کے قریب کسی اجنبی کو دیکھ کر ضرور چوکے گا اور تم یقین کرو کہ وہ سازش تمہارے ملک کے خلاف ہو گی۔“

”نہیں....! میرے چچا نعد اور نہیں ہیں۔“

”میں بھی جانتا ہوں کہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں، لیکن انہیں معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ وہ ان کے ملک کے مفاد کے خلاف کوئی کام کر رہا ہے۔ وہ تو آخر میں خود کو چاروں طرف سے گھرا ہوا پائیں گے اور وہ سور کسی دوسرے ملک کی راہ لے چکا ہو گا۔“

”تو پھر کیوں نہ ہم انہیں آگاہ کر دیں۔“

”بچوں کی سی باشیں نہ کرو۔ وہ بھی یقین نہیں کریں گے۔ اس کے لئے ہمیں خاموشی سے کام کرنا پڑے گا اگر تم اپنے خاندان کو سر خود دیکھا جائی ہو تو بس میری مدد کرتی رہ اوہ ہاں! یہ بھی کن لوک کے میں نے دیدہ و دانستہ تم سے قریب ہونے کی کوشش کی تھی مجھے معلوم تھا کہ تم آقائے جو اذی خیز کی بھتیجی ہوا اور فرصت کے اوقات میں شہستان کے کاؤنٹر پر بیٹھی رہتی ہو۔“

”ہونہے.... وہ بُرا سامنہ بنا کر بولی۔“ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم سے پہلا سا خلوصی برتوں یا صرف معاملے کی بات کروں۔“

”اوہ... تب تو مجھ سے غلطی ہی سرزد ہوئی۔“ وہ شکات آمیز لمحے میں بوا۔

”میں نے تو خلوص ہی کی بنا پر تمہیں بھی بات بتا دی ہے۔“

”غلط نہ سمجھو۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”ڈاڑھی دوپارہ لگاؤ... میں نہیں چاہتی کہ کسی خطرے میں پڑ جاؤ۔“

”شکریہ! میں تو سمجھا تھا شاہزاد تم میرے چہرے پر ڈاڑھی کسی خال میں بھی پسند نہ کرو۔“

”تو پھر اب ہم کس طرح ملیں گے۔“

”بن اسی طرح... جب موقع دیکھوں گا تمہیں مطلع کر دوں گا۔“

”ہوں... اس لئے مجھے گھر تک مدد و رہنا پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اسی میں آسانی بھی ہوگی۔ بہر حال تمہارے تعادن کے بغیر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ آپسے آہستہ تمہیں سازش کی فویت سے بھی آگاہ کر دوں گا۔“

”اچھا دوست...! میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم پر اعتماد کر دوں گی۔ اس صورت حرام ہام پھر جل کو خاندان کا کوئی فرد پسند نہیں کرتا۔ مچا ضعیف الاعتقاد ہیں۔ ستاروں کے پکر میں پڑ گئے۔“



آج بھی پروفیسر تلگاؤ اور علم نہ ہو سکا کہ سنگ کس طرح تجربہ گاہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھا پھر ماریانا کی طرف دیکھنے لگا۔ سنگ کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور اسی مسکراہٹ نے تلگاؤ کو پھر غصہ دلا دیا۔

”میں کہتا ہوں اس طرح نہ آیا کرو۔“

”پروفیسر! وہ راستہ تلاش کر کے بند کر دو جدھر سے آتا ہوں۔“

”میں نہیں جانتا تم شاہزاد کوئی خبیث روح ہو۔ حالانکہ میں اسی ارواح پر یقین نہیں رکھتا۔“

”صرف روح نہیں... جسم خبیث ہوں۔“

”پچھلی رات شاہزاد ہم بھی مارے جاتے۔“ تلگاؤ نے پھر خوفزدگی اختیار کر لی۔

”یہی میں معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم پر کیا گذری۔“

”بیڈروم والے تھے خانے میں چھپ کر جان بچائی تھی۔“

”تفصیل۔“

”تمہارے چاروں آدمی اسے پکڑ کر اندر لائے تھے۔ اپاٹک وہ ترپ کران کی گرفت سے تک گیا۔ خاصی ہاتھا پائی ہوئی۔ پھر وہ باہر بھاگا۔ چاروں اس کے پیچے شے۔ میں نے دو چینیں سین اور

ان میں سے دو پھر اندر آگئے انہوں نے بتایا کہ ان کے دونوں ساتھی مارے گے۔ اس کے بعد میں لواریا باندھ روم والے تھے خانے میں جا چھپے۔ میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوا۔

”کوئی ہے؟ کوئی بھی نہیں مارا گیا۔ وہ جاروں محفوظ ہیں۔“ سنگ ماریانا کو گھر تباہوا بولا۔ ”بہر حال تم نے اُسے جس مقصد کے تحت پہنچا تھا وہ حاصل نہ ہو۔ کا۔“

”مقصد حاصل ہو گیا۔“ سنگ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ ”میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے۔ سو میں نے معلوم کر لیا ہے۔“

”کون ہے...؟“

”وہی خوفناک چہرے والا... تھیں کا ایک بہت بڑا وحش... میں بہت جلد اسے موت کے گھٹ اتار دوں گا۔“

”اگر وہی تھا تو میک اُپ کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔“ تلگاؤ اٹھک ہونٹوں پر زبان پھیز کر بولا۔

”اُبھے... چھوڑو ختم کرو۔“ سنگ نہیں کر بولا۔ ”میں بہت جلد اسے ٹھکانے لگادوں گا۔“ پھر اس نے تلگاؤ کی نظر بچا کر ماریانا کو آنکھ ماری تھی اور وہ یوکھا کر دوسرا طرف دیکھنے لگی تھی۔ سنگ فون کی جانب بڑھا کسی کے نمبر ڈائل کرنے اور ماڈ تھہ چیزیں میں بولا۔ ”میں بول رہا ہوں۔“

”پھر بری خبر ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”بے فکر ہو کر سناؤ۔“

”یا کمن کا تعاقب کرنے والا اپنی گاڑی میں بیویوں پایا گیا ہے ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا۔“

”ہماب یہو شپ پایا گیا ہے؟“

”ہو۔ نیل ارم کے پار سنگ ہٹھ میں۔“

”اچھا... اب میں ہی اپنے آدمی لگادوں گا۔ تم بے فکر ہو۔“

”میری بھتیجی کے تحفظ کا خیال رکھئے گا۔“

”بالکل... بالکل۔“ سنگ باسیں آنکھ دبا کر شیطنت سے مسکرا یا اور سلسلہ منقطع کر کے پھر تلگاؤ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”پروفیسر آدمی بنو۔ کبھی کبھی تفریخ بھی کر لیا کرو۔ خود نہیں کرتے اس بیچاری کو تو آسمان دیکھنے دو۔ آج میں اسے اپنے ساتھ بابرے جاؤں گا۔ کیوں! جلوگی۔“

”نہیں...!“ ماریانا نے اس کی طرف دیکھے بغیر تاگواری سے کہا۔

”پچھتا گی۔ یہ راکھ کاڈھیر تمہیں بھی راکھ بنا دے گا۔“

”کون نیا ملازم؟“
 ”اس کے بارے میں بھی کچھ نہ بتا سکوں گا۔“
 ”یہ بہت نہ اے۔“
 ”کبھے تو منظم کو بلاؤ کر معلومات فراہم کروں۔“
 ”نہیں.. اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود دیکھ لوں گا۔ ویسے تم نے یا سکن سے اس سلسلے میں
 کوئی گفتگو تو نہیں کی۔“
 ”کوئی خاص نہیں۔ بس اسے بتایا تھا کہ اس کا دوست میرے پاس آنے کی بجائے شہر ان چلا
 گیا۔ اس نے بھی اس پر حیرت ظاہر کی تھی۔“
 ”اس شخص کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ جس نے آج یا سکن کا تعاقب کیا تھا۔“
 جواد حیدر نے تعاقب کی کہانی دہرانی اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”وہ کوئی بوڑھا آدمی تھا۔
 بزرگ کی جیپ میں، اس کی کپٹی پر گھونسہ مار کر بیکار کر دیا تھا۔“
 ”تم نے یا سکن سے یہ تو نہیں پوچھا کہ وہ ہو ٹھیں ارم کیوں گئی تھی۔“
 ”اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔“
 ”بہت اچھا کیا۔ اب مجھے یا سکن کی تاریخ پیدائش بتاؤ تاکہ اس کا راجح تیار کر کے کچھ تدبیر
 کروں۔“
 ”تاریخ پیدائش تو مجھے نہیں معلوم۔ اس کی ماں سے معلوم کرنی پڑے گی۔“
 ”غیر چھوڑو تاریخ پیدائش کو۔ میں اس کا ہاتھ دیکھوں گا۔“
 اس کرے میں مختلف رنگوں کے چار فون تھے۔ اس نے نیلے رنگ کے افسرو منٹ کار یسیور اٹھا
 کر ایک بارہڈائیں کیا۔ دوسرا طرف سے جواب ملنے پر کہا۔ ”یا سکن کو شامیل بازو سے بھیج دو۔“
 پھر وہ ریسیور رکھ کر سنگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو آکھیں بند کئے بیٹھاں طریقہ جھوم رہا
 تھا جیسے عالم بالا سے غیب کے اسرار و رموز واروں ہو کر اس پر مخفف ہو رہے ہوں۔ جو آدمی خاموش
 بیٹھاں سے دیکھتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی اور سنگ چوک کر بولا تھا۔
 ”آگئی...!“
 جواد حیدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ لیکن یا سکن کی بجائے غالباً وہی آدمی تھا جسے فون پر اس
 نے یا سکن سے متعلق ہدایت دی تھی۔
 ”لیا بات ہے؟“ جواد حیدر نے تاخوٹ گوار لجھے میں پوچھا۔
 ”آقا۔ وہ گھری نینڈ سوری ہی ہیں۔ کسی طرح بھی بیدار نہیں ہو سکیں۔ کری پر بیٹھے بیٹھے

”چلے جاؤ یہاں سے۔“ تلکاوا حلقت پھاڑ کر دہڑا۔
 ”یہ تھی بُری بات ہے۔“ سنگ نے مازیاں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”کیا میں ایسے ہی نمرے سلوک
 کا مستحق ہوں۔“
 ماریانا کچھ نہ یوں۔ تلکاوا چیختا رہا۔ ”میں کہتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں ہاتھ
 لگائے بغیر مارڈا لوں گا۔“
 پھر ایک جانب بڑھاہی تھا کہ سنگ نے اس پر چھلانگ لکھی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔ پروفیسر کی
 گھنی گھنی سی چینیں تھیں تجھ پر گاہ میں گوئی رہیں۔ ماریانا بوكھلا ہٹ میں چاروں طرف ناچتی پھر رہی تھی
 اور اس کے منہ سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں۔
 دفعہ تالکاوا خاموش ہو گیا اور جیسے ہی سنگ نے اپنی گرفت ڈھیلی کی، بے جان سا ہو کر فرش پر
 ڈھ گیا۔
 ”مارڈا لا... کیا تم نے اسے مارڈا لا۔“ ماریانا چینتی ہو کی اس کی طرف جھپٹی اور دوزانوں بیٹھ کر
 تلکاوا کو آوازیں دینے لگی۔
 ”صرف دو گھنٹے کے لئے بیہوش ہو گیا ہے۔ ہماری تفریح کیلئے اتنا وقت بہت ہے۔“
 ”تم درندے ہو۔... چلے جاؤ یہاں سے....“ ماریانا نے اٹھتے ہوئے اس پر دھمک جلایا۔
 ”جتنا چاہو مارڈا۔“ سنگ نہیں کر بولا۔ ”مگر چلو میرے ساتھ۔“
 ”میں تمہیں مارڈا لوں گی۔“ وہ لے سے بے تھاشہ چینتی ہوئی چینی۔ سنگ نہیں کر اس کے
 ہاتھوں پٹھار رہا۔
 تلکاوا فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔

◆

جواد حیدر بہت پریشان تھا۔... وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب یا سکن گھر سے باہر قدم نکالے۔ لیکن
 سنگ برابر ہی کہے جا رہا تھا کہ اس کے بغیر وہ اس انجامی دشمن پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ جواد
 حیدر نے اس سلسلے میں یا سکن سے برادر است کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ آج شب اس نے یا سکن کو
 محل میں ہی روک لیا تھا۔ اور یہ بھی سنگ کی ہدایت ہی کے مطابق ہوا تھا۔ دس بجے کے قریب
 سنگ بھی دیہیں پہنچ گیا اور وہ دونوں محل کے ایک دور افراطہ حصے میں جا بیٹھے۔

”یا سکن کو کیوں روک لیا ہے؟“ جواد نے اس سے پوچھا۔
 ”تمہارے ملازمین کو چیک کروں گا۔ کیا وہ سب تمہارے جانے پہنچانے...؟“
 ”میں ان کی صحیح تعداد تک سے واقع نہیں۔“ جواد حیدر مسکرا کیا۔

سوگنی ہیں۔ ”

”نممکن۔“ جواد حیدر کے لیج میں خیرت تھی۔

”کیا ہوا۔“ سگ امتحانا بولا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ جواد حیدر نے اس کی طرف مز کر کہا۔ ”وہ بیٹھے شیخے سوگنی اور کچھ طرح بھی بیدار نہیں ہو رہی۔ حالانکہ اس کی نیند بڑی کچھ ہے۔ کوئی دبے پاؤں بھی قریب سے گذرے تو نیند اچٹ جاتی ہے۔“

”پھر چوت دے گیا۔ خیر کہاں تک... میں اسے دیکھوں گا۔“

”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”کچھ نہیں۔ چلو انھوں میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح سوئی ہے۔“

”چلے۔“ جواد حیدر امتحانا بولا۔

سگ کے ہونٹ سختی سے بھیچے ہوئے تھے اور وہ پوری قوت سے قدم رکھتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کر کے میں پیچ کر جہاں یا سکن کر سی پر بیٹھی گہری نیند سوری تھی۔ سگ نے جک کر اسے دیکھا اور پیشانی پر تھکی دی پھر پلکیں الٹ کر پتھروں کا جائزہ لیا۔

”یہ نیند نہیں بیہو شی ہے۔“ اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”لیکن.... کیسے کس طرح...؟“

”دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو خود ہی اس نے کوئی الٹی چیز استعمال کی ہے۔ یا کسی دوسرے کے ہاتھوں اس حال کو پہنچی ہے۔ مقصد بہر حال یہی ہے کہ اس سے پوچھ چکھنے کی جائے۔“ جواد حیدر پر ٹکر انداز میں یا سکن کو گھورتے جا رہا تھا۔

”واپس چلو۔“ سگ اس کے شانے پر تھکی دے کر بولا۔ ”توے فیصلہ اسی کا امکان ہے کہ اس نے خود ہی...“

”لل... لیکن.... بات سمجھ میں نہیں آئی۔“

”وہ اسی طرح لاکیوں کے ڈھنوں پر قبضہ جاتا ہے۔ میں اسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔“

”پھر بھی آپ نے اسے ذمہ دہنے دیا۔ مجھے اس پر حیرت ہے۔“

”میری ہی طرح اس کے سترارے بھی بہت گریٹ ہیں۔ لیکن کسی دن میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔“

وہ کر کے سے باہر نکل آئے اور سگ نے جواد سے کہا۔ ”تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ لڑکی کو بالکل نہ چھیڑو۔ البتہ اس پر دھیان رکھو کہ کوئی نیا آدمی تمہارے محل

پالنہ ہونے پائے اور اسی وقت سے چیلگ شروع کر دو کہ پچھلے پدرہ دنوں میں کسی نے ہی کو تملاز مت نہیں دی گئی۔ ڈاڑھی والوں کی ڈارھیاں پکڑ کر ہلاو۔ کیونکہ وہ میک آپ کا بھی ہے۔“

”میں دیکھ لوں گا۔ لیکن میرا اصل معاملہ....“

ہیا کر دوں جواد.... تمہارے ستارے فی الحال گڑ بڑ ہیں۔ ورنہ پڑو سی ملک سے تعلقات ہیں کہ اوسیے والی سازش تمہیں ہر حال میں باقتدار بنادیتی۔“

”ہیں وہ موقع باتھ سے نکل گیا.... لیکن پھر....“

”تم نکلنہ کرو.... جلد ہی ایک اور موقع نصیب ہو گا جس کا انتظام میں نے پہلے ہی سے کر لائیں۔“

”وہ کیا ہے؟“ جواد مختار بان انداز میں بولا۔

”اگر نہیں بتاؤں گا۔ بہر حال.... اس کے بعد تمہارا بیر سراقتدار آنا لازمی ہے۔“

”میں آپ کی ہدایت پر سختی سے عمل کر دوں گا۔“



پروفیسر تلگو اے سے حس و حرکت بیٹھا خالی میں گھورے جا رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے ماریانا کے لئے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رہا تھا۔

دنیوں لئے کی رو لالاں تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ پروفیسر اس کی آہٹ ہی پر چونکا تھا۔ مٹ کر اس کی اندیکھا اور کر سی سے اٹھ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ خاموشی سے اسے دیکھتا ہے۔ لیکن رونے کی آواز کا لارج متوجہ ہو گیا تھا۔

”وہ... وہ... کیوں بورہ ہی ہے۔“ لیکن (عمران) نے آہٹ سے پوچھا۔

”اگر اس کی رگوں میں کسی شریف آدمی کا خون دوڑ رہا ہے تو زندگی بھر روتی رہے گی۔“

”لوہو... تو کیا....“

”لیں....“ پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں! میرا اب تنظیم سے الی تعلق نہیں۔ میں ٹی تحری بی کا وفادار نہیں رہا کیونکہ وہ اب ایسے کئے پائے گئی ہے جو اپنے ہائے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ لیکن تم اندر کیسے پہنچے؟“

”اکی طرح چیزے وہ پہنچتا ہے۔ میں نے راستہ دریافت کر لیا ہے۔“

”نچاہاب اس سے بھی دلچسپی نہیں۔“

نم سے دو گز کے فاصلے پر کھڑا مسکراتا ہے گا۔
بہت بناو کیا کروں۔ میرے سینے میں بھی سلگ رہی ہے... پروفیسر جیسا بھی ہو میرے
پکھ تھا۔ میں نے کبھی اس کی خواہشات کے خلاف زندگی نہیں برس کی۔
میں سمجھتا ہوں۔ تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں کہ تم ایماندار ہو۔
لبکن اب تو میں پکھ بھی نہیں رہی۔
وہم ہے تمہارا... تم درندگی کا شکار ہوئی ہو... اور بن مظلوم ہو۔ تمہاری معصومیت
نہیں ہوئی۔

ٹانکوں کا ہو... اس کا جیتا جائیا لہو میری آگ بجھا سکے۔
میں کہتا ہوں بند کرو یہ بکاؤ۔ دروازے کی طرف سے پروفیسر کی دہائ سنائی دی۔ ”چلے
بیہاں سے....“

تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ عمران نے سرد لبجھ میں کہا۔
کیوں؟“

”تمہیں اس لئے زندہ نہیں چھوڑے گا کہ تم اس کی شکایات مادام تک پہنچا سکو۔“
مچھے اب کسی سے کوئی سر و کار نہیں۔“

کنک کہہ دینے سے تو مطمئن نہیں ہو سکے گا۔ اس نے ابھی حال ہی میں مادام کے ایک
سے ڈال فاگان کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔“
اُس سے بخوبی واقف ہو گے۔“

کیوں.... نہیں.... کیوں نہیں.... وہ بیہاں تین سال تک مجھے اسٹ کر چکا ہے۔
لااب اس دنیا میں نہیں اور سنو... پروفیسر تمہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔ اس
نامہ کام ہے۔ صرف ماریانا کی مدد کافی ہو گی۔“

پروفیسر نے اپنی ہی نظر ماریانا پر ڈالی اور کمرے سے چلا گیا۔
اُس تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ عمران نے آہستہ سے ماریانا کو مخاطب کیا۔ ”اُسے اپنے قریب
دیکھ لیں اس بارہہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“

نہیں! قطعی نہیں۔ میں اس سے پہلے اُسے ختم کر دوں گی۔ مجھے وہ راستہ بناو۔ جدھر سے
شمیں دا غل ہوتا ہے۔ میں اسے الکٹری فائی کر دوں گی۔ اس نے وہاں قدم رکھا اور ختم۔“
اُر مادام کا یہ حکم نہ ہوتا کہ اُسے زندہ بیش کیا جائے تو میں ہی اسے گولی مار دیتا۔“
جسکے مادام اس کے حکم سے کوئی سر و کار نہیں۔“

”مگر یہ ہوا کیسے...؟“

”اس نے کسی طرح مجھے بیووش کر دیا تھا۔ ہوش آنے پر معلوم ہوا کہ میری سب سے
مترست مجھ سے چھپتی جا چکی ہے۔“

”مجھے بے حد افسوس ہے پروفیسر۔ کاش میں تھا ہوتا۔ یہاں سب اسی کے آدمی ہیں
راست اسی کا حکم مانتے ہیں۔ گریڈ ون اور گریڈ ٹو کے لوگوں کو مادام کی شخصیت کا علم نہیں۔“

”میں کہتا ہوں کہ مجھے اب ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ میں اس کی بوئیاں نوچ
چاہتی ہوں۔ لیکن روؤں! میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”پروفیسر کی مترست تو اس سے چھپن پچکی حالانکہ میں نے اپنی مرضی سے پروفیسر کی مز
اس کے حوالے نہیں کی۔ بہر حال اب میر او بجود پروفیسر کے لئے کوئی منی نہیں رکھتا۔“

پروفیسر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپیا۔
”تم مجھے وہ راستہ دکھادو... جدھر سے وہ اس عمارت میں داخل ہوتا ہے۔“ ماریانا نے
سے کہا۔

”فی الحال میں پروفیسر سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”جاو... اسی سے باتیں کرو۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“
”میرے ساتھ چلو۔“ ماریانا نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

عمران نے پر تشویش انداز میں سر کو جبڑ دی۔
وہ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔ ماریانا کہہ رہی تھی۔ ”پروفیسر ہمیشہ کا بودا ہے
کوئی نئی بات نہیں۔ شادی کے چھ ماہ بعد ہی سے وہ میرے متعلق ٹکٹوک و شبہات میں جلازو
اس نے دینا نہیں دیکھی۔ برقيات کے مسائل میں الجھار ہا ہے۔ اپنے موضوع سے ہٹ کر مذہ
بانگل کا مطالعہ کرتا ہے۔ خیر میں کہہ رہی تھی کہ میں اس سور کے سلسلے میں تمہاری کیا،
کر سکتی ہوں۔“

”میرے سورے پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو بناوں۔“
”میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔“

”بس تو پھر معاملات جوں کے توں رہنے دو۔“

”نہیں ہو سکتا۔“ ماریانا بیچر گئی۔ ”اب وہ میرے قریب بھی آیا تو اسے گولی مار دوں گا۔“

”یہاں آسان نہیں۔ مکار آدمی ہے۔ مکاری ہی سے مار کھائے گا۔ تم اپنے سوچ خالی کر دیا۔“

پھر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔
”یہ کیا ہوا... کیا ہوا۔“ وہ اس کاباز و پکڑ کر جھنچھوڑتا ہوا بولا۔
”فاتر ہو گیا... میں اس سے رویا اور چیزیں رہی تھی۔“
عمران نے بچک کر دیکھا۔ تلگا وادم توڑ کا تھا۔
”یہ بہت نرا ہوا۔“ وہ سیدھا کھڑا ہو کر ماریانا کو گھوڑتا ہوا بولا۔
”مم... میں بھی مر جاؤں گی۔“ وہ رویا اور اٹھانے کیلئے بھی ہی تھی کہ عمران نے ٹھوکر مار کر
انے دور بچینک دیا۔ پھر ماریانا کے شانے پر زری سے تھکی دے کر بولا۔ ”ہونے والی بات ہو کر رہتی
ہے۔ لیکن اب تمہیں مقامی پولیس کے پکڑ سے بچانا بھی میرے فرائض میں شامل ہو گیا ہے۔“
”بچھے... مر جانے دو۔“ وہ کسی بخشنی پرچی کی طرح روتی ہوئی اس کے بازو پر جھوٹ گئی۔



شانو، سنگ کے مقربین میں سے تھا۔ اُسے اس کے بارے میں پل پل کی خبر رہتی تھی۔ وہ
جاننا تھا کہ سنگ کس وقت کہاں ہو گا۔ لہذا وہ اُسے پھر ایک بڑی خبر سنانے کے لئے چل پڑا تھا۔
لیکن سنگ کو اس وقت اس کی دخل اندازی گراں گذرا کی گیا۔ وہ ایک مقامی مالدار اور بہت
نو بصورت عورت کو ششی میں اترانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسے ڈرانگ روم میں چھوڑ کر شانو
کے ساتھ دوسرا کرنے میں آیا۔

”کوئی اچھی خبر نہ لائے ہو گے۔ تمہاری شفل بیار ہی ہے۔“ سنگ اسے گھوڑتا ہوا بولا۔
”تلگا ومارڈا لایا اور اس کی لاش پر بھی وہی تصویر۔“
”بڑی اچھی خبر لائے ہو۔“ سنگ نے یہ جو خوشی ظاہر کرتے ہوئے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا
”میں نہیں سمجھتا۔“
”تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ماریانا کہاں ہے۔“

”پولیس ہیئت کو اثر پہنچنے گئی ہے۔ وہ خوابگاہ میں اوٹنگ رہی تھی۔ فاتر کی آواز سن کر تجربہ گاہ
میں بیچی تو تلگا وارکی لاش پری دیکھی جس کے کوٹ کے کارے اسی خوفناک آدمی کی تصویر برین
کی ہوئی تھی۔“

”ہوں۔“ سنگ کے چہرے پر دفعہ تشویش کے آثار آنے لگے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے
کے بعد اس نے پوچھا۔ ”کیا خود ماریانا نے پولیس کو مطلع کیا تھا؟“
”بھی ہاں...“

”تب تو معاف کرنا میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ مادام کے حکم سے سرتائبی کی جرأت نہ
رکھتا۔“
”اچھی بات ہے تو میں خود ہی اس سے نیٹ لوں گی۔“
”تمہاری مرضی۔“ عمران نے خنک لہجے میں کہا اور کمرتے سے نکل گیا۔
پروفیسر تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ جب عمران وہاں سے گذرنے والا تو اس نے ہاتھ میں
کہا۔ ”ٹھہرو! میں بھی چل رہا ہوں۔ مجھے وہ راستہ دکھاو۔“
”کیوں۔ اب تمہیں اس سے کیا سر دکار؟“
”اگر میری زندگی خطرے میں ہے تو میں اپنا تحفظ مխوبی کر سکتا ہوں۔“
”میرے تعاون کے بغیر تم کچھ نہ کر سکو گے۔“
”میں.... سب کچھ....“

”اُس راستے کو الکٹری قائم کرنے کا خیال ماریانا بھی ظاہر کر چکی ہے۔“ عمران ہاتھ اٹھا
بولا۔ ”لیکن ہر حال میں مادام کے حکم کو برتری حاصل رہے گی۔ مجھے اُسے مادام کی خدمت میں
زندہ بیش کرنا ہے۔“
”تو جہنم میں جاؤ۔“
”سنوتم.... تھا اُس کا کچھ نہیں باڑ سکتے۔ میں جا رہا ہوں اور اس وقت اُس راستے سے
نہیں ہو گی۔ علاوہ یہ صدر دروازے سے گزروں گا۔“
”میں تمہیں اس پر مجبور کر دوں گا۔“ پروفیسر نے کہتے ہوئے اچانک ریو اور نکال لیا۔
”کیوں حماقت کا شکار ہو رہے ہو۔“ عمران نہیں پڑا۔
”میں گولی مار دوں گا۔ ورنہ مجھے راستہ دکھاؤ....“
”یہ کیا کر رہے ہو؟“ ماریانا کی چیخ پھر سنائی دی۔ وہ پاگلوں کی طرح چھپتی تھی اور انہیں
در میان آگئی تھی۔

”تم ہست جاؤ سامنے سے۔“ پروفیسر دہائی۔
”تم پاگل ہو گئے ہو۔“ ماریانا نے اس کے ہاتھ سے رویا اور چھین لینے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا اور پھر اچانک فاتر ہوا۔ گولی پروفیسر کے بائیں جڑے کو توڑتی ہوئی گدی سے نکل گئی۔ اس
بعد پل بھر کا بنانا برا بھیانک تھا۔
پھر ماریانا نہیں اندراز میں پیختے گئی تھی۔ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور ماری

عمران دوہرے میک اپ میں ماریانا کا تعاقب کرتا رہا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھی۔ پولیس ہڈ کوارٹر سے اس کی چھوٹی سی اسٹینشن ویگن بر آمد ہوئی جسے وہ خود ہی ڈرائیور کر رہی تھی۔ عمران نے دیکھا کہ ایک اور گاڑی بھی اس کے پیچھے پلکی جس کا ذرا سیور کوئی سفید فام غیر ملکی تھا۔ اس نے پہنچنے والے انداز میں سر کو خفیف سی جنگش دی اور اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگادی۔

عمران کی ہدایت کے مطابق ماریانا تجربہ گاہ کی طرف واپس جا رہی تھی۔ ماریانا کا تعاقب کرنے والے سفید فام غیر ملکی کی گاڑی تجربہ گاہ کے قریب سے گذر کر آگے بڑھتی چلی گئی اور یونٹن لے کر پھر شہری آبادی کی طرف روائی دوائی نظر آئی۔ اب عمران صرف اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ ماریانا کی گاڑی تجربہ گاہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی تھی۔ کسی قدر اندر ہیرا پھیل گیا تھا اور اس وقت اس سڑک پر صرف سیکی دو گاڑیاں نہیں تھیں۔ اس لئے عمران اطمینان سے تعاقب کرتا رہا شہر پہنچ کر الگی گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ عمران نے پکھا اور آگے بڑھ کر اپنی گاڑی کمپاؤنڈ والی میں لگادی۔ اس عمارت کا پائیس باغ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہیں کہیں کھڑکیوں کے رہنڈے لے شیشے روشن نظر آرہے تھے۔ اپنی گاڑی کی اوٹ میں رہ کر وہ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ کسی چھپکی ہی کی طرح دیوار پر سرسر اتا ہوا دوسرا طرف اتر گیا۔ پکھ دی اسی جگہ کھڑکے رہ کر اندازہ کرنا پڑا تھا کہ عمارت میں کتنے تو نہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر دو گاڑیاں کھڑی ظریفیں یہاں اتنا گہر اندر ہیرا بھی نہیں تھا کہ وہ انہیں گاڑیوں کی حیثیت سے شناخت نہ کر سکتا۔ یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ عمارت میں کتنے نہیں ہیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔ تھیک اسی وقت برآمدے سے کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ پھر جہاں تھا وہیں دیکھ گیا۔ پھر ایک تحرک ہیولی گاڑی کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ عمران بڑی پھر تی سے ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہ بروقت احتیاط کام ہی آئی۔ کیونکہ گاڑی کے ہڈیں یہ پر روشن ہوتے ہیں کمپاؤنڈ میں اتنا جالا ہو گیا تھا جو عمران کے لئے دشواری پیدا کر دیتا۔ وہ گاڑی ریورس گیئر میں پھانک سے گذر کر باہر نکل گئی۔ اب پھر وہی پہلے کا سامنا احوال پر مسلط تھا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اصل عمارت تک جا پہنچا۔ روشن کھڑکیوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک جگہ اسے رک جاتا پڑا۔ وہ آواز ہی ایسی تھی جس نے اس کے قدم روک دیے تھے۔ ادا یا سکن کی تھی اور زبان ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی۔۔۔ وہ کسی سے کہہ رہی تھی۔ ”تم لوگوں کی سوری میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”جاو۔۔۔ اس پر نظر رکھو۔ ہو سکتا ہے اب وہ اس عمارت میں واپس نہ جائے۔“

”تو پھر کہاں جائے گی بس؟“

”جہاں بھی جائے تم سائے کی طرح اس کے پیچھے گے رہنا لیکن اگر اس کی منزل تجربہ گاہی ہو تو واپس آکر مجھے مطلع کر دینا۔“

”او۔ کے بس۔“

شاٹو چلا گیا۔ سنگ پھر ڈر انگ روم میں واپس آگیا۔ عورت کے چہرے پر آتا ہے کہ آثار تھے لیکن سنگ کو دیکھ کر اس نے پھر اپنے چہرے پر خوش دلی کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ”کل اسی وقت تم مجھ سے دوبارہ مل سکتی ہو۔ میں تمہارے مسائل حل کرنے کی کوشش کروں گا۔“ سنگ بولا۔

”اوہ۔۔۔ اچھا۔“ عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں خود اجازت طلب کرنے والی تھی۔ بہر حال میں چاہتی ہوں کہ مجھ پر سے نہیں اثرات جلد دور ہو جائیں۔“

”اسی کیلئے کوئی خاص تدبیر کروں گا۔“ سنگ مصالغہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ اس کے رخصت ہو جانے پر سنگ نے فون پر جواد ہیر کے نمبر ڈائل کے لیکن دوسری طرف سے کوئی لڑکی بولی تھی۔

”کون ہے۔“ سنگ نے پوچھا۔

”تم کون ہو؟“ دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

”اوہ۔۔۔ تو تم ہو۔۔۔ میں لیکی ہوں۔۔۔ مجھے موقع نہیں تھی کہ تم فون پر ہو گی۔“ پھر وہ ماڈ تھبیں میں کھانے لا تھا۔ ”معاف کرنا۔“ وہ پانچا ہوا بولا۔ ”مجھے زکام ہو گیا ہے۔“

”ای لئے میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکی تھی۔ لیکن تم نے یہاں فون کرنے کی نعلیٰ کیوں کی ہے۔“

”کوئی اور رسیور اٹھاتا تو میں تمہاری سیکلی بن جاتا۔ لو سنو۔۔۔“ سنگ نے کسی شوخ لڑکی کی آواز میں کہا۔ ”میں نیلو فریول رہی ہوں۔ کیا یا سکن وہاں موجود ہے۔“

”مکال ہے۔“ ہکلتی ہوئی نہیں کے ساتھ کہا گیا۔ ”تمہارا اتفاقی جواب نہیں ہے۔“

”اچھا تو ہوشیل ارم کے کیبن نمبر سترہ میں پہنچ جاؤ۔ میرا ایک آدمی وہاں سے تھیں جسکے پہنچا دے گا۔“

”بہت اچھا۔۔۔ میں دس منٹ میں روانہ ہو جاؤں گی۔“

سنگ سلسلہ منقطع کر کے مسکرا لاتھا۔

”اے سمجھنے کے لئے ایک مخصوص انداز فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔“ کسی سرد نے اہل زبان کی طرح فرانسیسی ہی میں جواب دیا تھا۔

”یہ کہاں ہے؟ مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔“ یا سکن کی آواز آئی۔

”بس آیا ہی چاہتا ہے۔“ جواب ملا ”تم کافی کیوں نہیں پتیں... ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ عمران نے اپنے رواتی احتجانہ انداز میں دیدے نچائے اور آہستہ پیچھے ہٹکنے لگا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس میں سے تیز قسم کی روشنی باہر آ رہی تھی۔

سید حاکم را ہو کر کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا تو دیکھ لیا جاتا۔ بہر حال یا سکن کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں دھوکے سے لائی گئی ہے اور خود اس کی منتظر ہے۔

روشنی کی زد سے نکل جانے کے بعد وہ پھر سید حاکم را ہو گیا۔ اب جس کھڑکی کے قریب تھا اسے ٹوٹ کر دیکھا۔ اتفاق سے وہ بھی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن روشن نہیں تھی۔ آہستہ سے دونوں پاٹ کھول کر اس نے جیب سے پہلی تاریخ نکالی اور اسے روشن کر کے اس اندر ہیرے کرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اچاک پشت سے کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ پہلی تاریخ باتھ سے گزر گئی اور وہ ان میں سے ایک کی کپٹی سہلاتا ہوا ان کے نزغ سے نکل گیا۔ حملہ آور تنہ تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں سائیلنسر لگا ہوا آٹو میک پستول بھی نکل آیا۔ ایک پہلے ہی بیویوں ہو گیا تھا۔ دوسرے کو خاموش گولی چاٹ گئی۔ تیراں چھل کر بھاگا ہی تھا کہ اس کی کھوپڑی میں بھی سوراخ ہو گیا۔ دوسری چیز پہلی سے بھی زیادہ کریباک تھی۔ عمران تیزی سے اسی کھڑکی کی طرف چھپتا۔ جس سے تاریک کمرے کا جائزہ لیتے وقت اس پر تمہلہ ہوا تھا۔ کھڑکی سے گذر کر کمرے میں پہنچا اور اسے بند کر کے بولٹ کر دیا۔ اور اب انداز سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بیندل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا لیکن ہر طرف اندر ہیرا ہی نظر آ رہا تھا۔ اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنی لیکن وہ کوئی ایک ہی آدمی تھا۔

”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ یا سکن کی آواز تھی۔ لیکن جواب میں کچھ بھی سنائی نہ دیا۔ وہ شام کا اب بھی رابرہی کے کمرے میں تھی۔

”لیکن اتم کہاں ہو۔ اندر ہیرا کیوں ہو گیا؟“ یا سکن پھر چینی تھی۔

اس بار بھی عمران نے دوسری کوئی آواز نہ سن۔ بہر حال وہ جہاں تھا وہیں دم سادھے کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے پھر کھڑکی ہی کا رخ کیا۔ اندر ہیرے میں مکان میں گھس کر یا سکن والے کمرے تک پہنچنے سے زیادہ بہتر بھی تھا کہ وہ کھڑکی سے دوبارہ باہر نکل جاتا۔ اور کمرے کی کھڑکی سے یا سکن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ دوسری کھڑکی کے

زب پہنچاہی تھا کہ یا سکن کی آواز پھر آئی۔ ”اوہ رشت...! تم کہاں ہو۔ روشنی کرو... یہ کیا پیدا گی ہے۔“

عمران کھڑکی کے ذریعے پہ آہنگ کمرے میں اتر گیا اور دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ وہ اندازہ کرنا پہنچاہا کہ یا سکن اس اندر ہیرے کرے میں کس جگہ ہو گی۔ اس نے دیوار پر ہاتھ مارا اور تیزی سے اپنی جانب سر کر گیا۔

”کون ہے؟“ یا سکن خوفزدہ آواز میں چینی اور عمران نے اندازہ لگایا کہ وہ کس طرف ہے لیکن ساتھ ہی کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔ سامنے ایک لمبا اور بد ہیست آدمی نظر آیا۔ یہ بوہمنیں تم کا کوئی فرانسیسی آرٹسٹ معلوم ہو رہا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بڑھے ہوئے بالوں سے صرف ہاں اور آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ لیکن اس کے چہرے سے بھی زیادہ خوفناک چیز اس کے ہاتھ میں تھی۔ اعشار یہ چار پانچ کے ریو اور کارخ عمران ہی کی طرف تھا۔ آرٹسٹ نے بائیں ہاتھ کے اٹارے سے یا سکن کو اپنے قریب بلایا۔ وہ بھی حیرت سے آنکھیں چھاڑے عمران کو گھورے جا رہی تھی۔ پہچان نہ سکی کیونکہ اس نے بھی یعنی رو لاں والے میک آپ پر گھنی ڈاڑھی اور دہانے کو چھپانے والی موچھیں استعمال کی تھیں۔ لوشن کے اثر سے سے پکلوں نے متورم ہو کر آنکھوں کی ہاتھ پر اڑا۔

”تم کون ہو؟“ آرٹسٹ نے کٹک کر پوچھا۔

”بھی میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔“ عمران نے کہا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اور راخادیے تھے۔

”باتو۔“ وہ ریو اور کو جبکش دے کر دہاڑا۔

”کوہاں بند کرو۔ باہر تین لا شیں پڑی ہوئی ہیں۔“ تم میری جیب سے میراثناخت نامہ نکال کر دیکھتے ہو۔“

”کیا مطلب؟“

”میں نہیں حکم دیتا ہوں کہ ریو اور زمین پر ڈال دو اور بتاؤ کہ لا شیں کس کی ہیں۔ دو چھین کا کر میں پکاؤندہ میں داخل ہو اتھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ لا شیں کس کی ہیں چھینیں میں نے بھی سنی تھیں اور کسی خطرے کا احساس کروئے ہی روشنی بجھادی تھی۔“ آرٹسٹ بولا اور ساتھ ہی اس کے ریو اور سے ایک فائر ہوا اور کمرہ پر تاریک ہو گیا اس نے بلب پر فائر کیا تھا۔

”خبردار... خبردار۔“ عمران نے ہاٹک لگائی۔ پھر کوئی گرا تھا اور یا سکن کی چیز اندر ہیرے میں گھنی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دور ہوئی گئی۔ یا سکن کی موجودگی میں عمران کوئی خطرہ

مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ورنہ سنگ اس طرح نکل جانے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔
”یا من....“ اس کی تیز قسم کی سرگوشی اندر ہیرے میں گوئی۔
”گک.... کون ہے؟“ خوفزدہ سی اواز سنائی دی تھی۔

عمران آواز کی سست بڑھ لے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ عمران نے ٹول کر اسے اٹھانے کی کوشش کی
”لیں....“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”چپ چاپ نکل چلو“

”کیا تم نے مجھے یہاں نہیں بلایا تھا۔“

”ہرگز نہیں۔ جتنی جلد ممکن ہو۔ یہاں سے نکل چلو۔“

ایک گھنٹے بعد یا من عمران کی قیام گاہ پر اسے اپنی کہانی سناری ہی۔

”ہو تسلی ارم سے ایک آدمی مجھے دہاں لے گیا تھا۔ لیکن تم نہ ملے وہ منہوس آرٹسٹ ایک تصویر
بنارہ تھا کہنے لگا تھی کہ گلی ہے وہ آدمی گھنٹے میں واپس آجائے گا۔ تم یہیں بیٹھ کر انتظار کرو۔ لیکن
خبردار مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ میں پینٹ کرتے وقت بولنا پسند نہیں کرتا۔“

”میں نے تمہیں فون نہیں کیا تھا۔ دراصل یہ تمہیں دہاں ملا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب
کرتا ہوں یا نہیں۔“

”اور تم نے کیا۔“ یاسین بخ پڑی۔

”ہرگز نہیں! یہ محض اتفاق تھا کہ کسی اور کا تعاقب کرتا ہو اور ہر جا کلا تھا۔“

”آخر وہ تھا کون؟“

”جیسیت ہے کہ تم نہ پیچان سکیں۔ اتنے لمبے آدمی کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔“

”اوہ.... تو کیا.... وہ نجومی۔“

”سو فیصد! محض تمہاری وجہ سے اسے چھوٹ دینی پڑی ورنہ وہ اس طرح مجھے سے پیچانہ چڑا
سکتا۔ مجھے ذر تھا کہ کہیں تم تازی نہ ہو جاؤ۔“

”میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی تھی۔“

”مکریہ....“

”اور سنو! پچھلی رات میں خواب آر دوا کھا کر بیہو ش ہو گئی تھی۔ اس ذر سے کہ کہیں پیچا
اپنے اس آدمی کے سلسلے میں مجھ سے پوچھ گچھ نہ شروع کر دیں۔ جسے تم نے ہوتی ارم کے
پار کنگ ڈنڈ میں بیہو ش کر دیا تھا۔“

”لیکن انہوں نے تمہارے ہوش میں آنے کے بعد بھی اس کے بارے میں نہ پوچھا ہوا۔“

”اسی پر تو مجھے جیسیت ہے۔“

”ہالکل حیرت نہ کرو۔ وہ دونوں ہی میرے خون کے پیاسے ہیں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح تمہاری مدد کروں۔“ یا من بوئی۔

”تم میرے لئے بہت کچھ کر سکو گی۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ اب میں تمہیں کہاں پہنچا دوں اور
ہاں اشنازدہ آج کے واقعے کا ذکر تمہارے پیچا سے نہ کرے۔ لہذا تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔ اسی
بن جاؤ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔“

”جو تم کہو گے.... کروں گی۔“

”مکریہ! تمہارے ملک کی بہتری اسی میں ہے۔“



جزل نے اس ہلکتے حال بھکاری کو گھوڑ کر دیکھا جو اس کی گاڑی کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

ڈرائیور نے اسے ایک طرف ہٹا کر جزل کے لئے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔

”ٹھہر... الگ ہٹ جاؤ۔“ جزل نے بھکاری کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر نظر جما کر ڈرائیور سے کہا۔

وہ اگلی نشست کے دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ بھکاری کی ہتھیلی پر قلم سے کچھ گاڑی

تڑھی لکیریں کچھی گئی تھیں جن کے درمیان لکھا ہوا تھا۔ ”ٹھیک آٹھ بجے شب۔“ جزل نے

ایک سکہ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر جیسے ہی وہ گاڑی کے پاس سے ہٹا اس نے ڈرائیور کو

دوبارہ گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”سران کی طرف چلو اور مجھے دیں چھوڑ کر واپس

چلے آئیں۔“

وہ اس طرف شاپنگ کے لئے آیا تھا لیکن فقیر کے ہاتھ پر تحریر دیکھتے ہی پروگرام میں تبدیلی

کر دی تھی۔

شام کے پانچ بجے تھے اور اسے ٹھیک آٹھ بجے مقررہ مقام پر پہنچا تھا۔ سر ان ایک وسیع

ملادرات تھیں جہاں مجھے کے مہماں ٹھہراتے جاتے تھے اور اس کا ایک حصہ جزل کی بعض

مسرووفیات کے لئے وقف تھا۔ گاڑی اسی حصے کے سامنے رکی تھی اور جزل کے اترتے ہی ڈرائیور

اسے عمارت کی کپڑا ٹنڈ سے باہر نکال لے گیا تھا۔

جزل ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ملبوسات کی الماری کھوئی اور بس تبدیل کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر ایک فوجی ڈرائیور کی وردی میں ملبوس نظر آیا تھا۔ پھر سر ان

کی کپڑا ٹنڈ سے ایک جیپ نکلی تھی جسے جزل ایک معمولی ڈرائیور کی وردی میں چلا رہا تھا۔ اندر ہیرا

بھیٹے لکھا اور جیپ ویرانے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ سنان سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی

دور تک پھیل رہی تھی۔

آٹھ بجے سے پہلے ہی ویرانے کی اس تھا عمارت میں پہنچ گیا تھا جہاں دائیٰ تھری سے پہلی بار ملا تھا۔ قفل کھول کر عمارت میں داخل ہوا اور جہاں جہاں روشنی کی ضرورت تھی کبر و سین یپر روشن کر دیئے۔

ٹھیک آٹھ بجے بند دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بدلتی ہوئی آواز میں پوچھا تھا کہ دستک دیے والا کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

”دائیٰ تھری۔“ باہر سے آواز آئی اور جزل نے دروازہ کھول دیا۔

”میرے آداب قبول فرمائے۔“ ذرا ورنے چھرے والے نے اندر داخل ہو کر کسی قدر تم ہوتے ہوئے کہا۔

”اندر چلو۔ اور میں منٹ کے اندر اندر اس لاقات کا مقصد بیان کر دو۔۔۔۔۔“

”بہت بہتر۔۔۔ میرے پاس بھی وقت بہت کم ہے۔“

وہ ایک جگہ آبیٹھے اور عمران نے کہا ”سب سے پہلے تو ان لوگوں کی لست لیجئے جو آپ کے حکمے کی کالی بھیڑیں ہیں۔“

”کیا اور بھی ہیں؟“ جزل کے لمحے میں حرمت تھی۔

”کئی عدد۔۔۔ کرتل بہرام تو بالکل سامنے کی چیز تھا۔“ عمران نے کہا اور اپنی ڈائری کا ایک ورق پھاڑ کر اس کے حوالے کر دیا۔

”میرے خدا۔“ جزل اس پر تیزی سے نظر ڈال کر بولا۔ ”تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔“

”اور اب سننے کے اصل کھلیل کیا ہے۔ موجودہ وزیر اعظم عنقریب ہی معتمب ہو کر اپنے عہدے سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور پھر جواد حیدر کے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ جواد حیدر عرصہ سے اسی ٹگ و دو میں ہے۔“ جزل نے ٹک لجھ میں کہا۔

”لیکن اس سے لاعلم ہیں کہ یہ کیونکر ہو گا۔“

”بالکل۔۔۔ بھلا اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔۔۔ تین سال پہلے کسی بڑی طاقت سے آپ کا کوئی خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔“ عنقریب اس طاقت کا ایک نمائندہ اس معاہدے کی تجدید کے لئے یہاں آنے والا ہے۔

”اچھا تو پھر۔۔۔؟“

”اس معاہدے کے کاغذات کا فائل وزیر اعظم کی تحمل میں ہے۔“

”کہتے رہو۔“ جزل اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

”فائل کا نام بتاؤ۔“

”جلدی سے کہہ چکو۔“ جزل کے لمحے میں کس قدر جھنگلاہت تھی۔

”تھری ایکس زیر و فور آبلیک ون۔ اسٹر کلکی کو نفیڈ نشل۔“

”اوہ۔“ جزل کی آنکھیں حرمت سے پھیل گئیں۔

”آپ کو علم ہو گا کیونکہ معاہدہ فوجی نوعیت کا تھا۔ بہر حال اس دوران۔ وہ فائل اس طرح اڑایا جائے گا کہ وزیر اعظم کو خبر نہ ہو سکے گی۔ اب آپ خود سوچنے کے اس نمائندے کی آمد پر جب اس فائل کی ضرورت پیش آئے گی تو وزیر اعظم کا کیا حال ہو گا۔ کیا وہ دربار کے عتاب سے حکومت رہ سکیں گے۔“

”اوہ۔۔۔ میرے خدا۔ جلد کچھ کرنا چاہئے۔“ جزل مضطرب بانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”فکر نہ کیجئے۔ اس فائل کی نقل آج رات بھر میں تیار ہوئی چاہئے پھر اسے اصل کی جگہ رکھوا دیجئے۔ اس کے بعد میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔ جواد حیدر اور زیر و نینڈ کا ہد نمائندہ ورنے کے ہاتھوں نہ پکڑے گے تو مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔“

”تت۔۔۔ تم۔۔۔ ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ یہی ہو گا۔۔۔ اور کچھ؟“

”نہیں بس۔۔۔ اب آپ جلد از جلد روانہ ہو جائیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جواد حیدر کے آدمی ہاتھ صاف کر جائیں۔“

”دوست میں تمہیں بیشہ یاد رکھوں گا۔ تم حرمت انگیز ہو۔ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تم سے ان معلومات کا ذریعہ پوچھ سکوں۔“ وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولा۔

”عمران نے مصافوہ کرتے ہوئے کہا۔“ سب کچھ بتا دوں گا۔ فی الحال خدا حافظ۔“



ماریانا خاموش کھڑی اور سنگ اسے مسلسل چھیڑے جا رہا تھا۔ آخر وہ جھلک کر بولی۔ ”تم سے ہلاور نہ آج تک میری نظر سے نہیں گزر ل۔“

”خمنہ دل سے قبول کرلو تو مجھے فرشتہ پاؤ گی۔ میں تو بیحدے ضرر آدمی ہوں۔“

”تم تلگاوا کو اپنی راہ کا پتھر سمجھتے تھے۔ میں اب آزاد ہوں۔ مجھ سے شادی کرلو۔“

”شادی کرنے کے بعد میں بھی تلگاوا ہی کی طرف بور ہو جاؤں گا۔“

”تو تم شادی نہیں کرو گے۔“ وہ غضبنماں ہو کر چین۔

دروازہ کھوں کر آہستہ سے آواز دی۔ ”شاٹو... شاٹو۔“
”لیں بس۔“ شاٹو کی طرف سے برآمد ہوں
”تم سب چوکس ہونا؟“
”لیں بس۔“
”بس اس پر نظر رکھنا کہ کوئی اس کا تعاقب کرتا ہوا تو نہیں آیا۔ ایسے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑتا۔“

”اوکے بس... مطمئن رہئے۔“

سنگ نے دروازہ بند کیا اور پھر تجربہ گاہ میں آبیٹھا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر تشویش کے آہنے تھے۔ بوتل سے تھوڑی سی گلاس میں انڈیل کر چکیاں لیتارہا۔ وفعہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے رسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔ ”سب ٹھیک ہے بس، دور دوڑ تک کسی کا ہے نہیں۔“

”پوری طرح جاتے رہو، جو شخص میری آنکھوں میں وصول جو گوک جائے اس کے لئے تمہاری کیا حقیقت ہے۔“ سنگ بولا۔

”ہم ہوشیار ہیں بس۔“

سنگ رسیور رکھ کر پھر صدر دروازے کی طرف آیا اور شاٹو کو آواز دی۔ اس بار اسے اندر بلا لیا تھا۔

”کتنے آدمی ہیں۔“ اس نے اس سے پوچھا۔

”ستاکس... بس۔ سڑک تک پہلے ہوئے ہیں۔ لمبی گاڑی کے پیچے اگر کوئی دوسری گاڑی کھالی دی تو نے چھلپی کر دیا جائے گا۔“

”لمبی گاڑی کی ڈیگی کھلوا کر بھی دیکھ لینا۔“

”اوے کے بس۔“

”وہ بے حد حرارتی ہے۔ اس رات میں اسے کوئی سیکورٹی آفیسر سمجھ کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔“ شاٹو اس نے مزت دنگا و کا تعاقب کیا تھا اور پھر تمہارا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت تک پہنچا تھا۔

”لیکن باس یقین نہیں آتا کہ وہ تھا ہے۔“

”تم اس فکر میں نہ ہو۔“ اس کام پر نظر کھو، جو تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔“

”وہل یو گذلک بس۔“ شاٹو نے کہا اور باہر چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں بزر کی پلکی سی آواز گوئی تھی اور سنگ دوڑتا ہوا صدر دروازے کی

”نہ میرے باب نے میری باب سے شادی کی تھی اور نہ میں کسی کا باب کھلانا پسند کروں گا۔“
”میں تمہیں مار ڈاؤں گی۔ ایک پادری کی بیٹی ہوں۔ خود بھی مر جاؤں گی۔ گناہ کا داغ لے رے زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”کسی پادری کا داماد بننے سے تو بہتر ہو گا کہ پھر سے رحم نادر میں لوٹ جاؤں۔“

”خاموش رہو اور یہاں سے چلے جاؤ!“ وہ حلک پھاڑ کر چینی۔

”سنو۔ میں اب تمہیں یہاں اس ویرانے میں تھا نہیں رہنے دوں گا۔“

”میں کہیں نہ جاؤں گی۔“

”میں کب کہہ رہا ہوں کہ کہیں جاؤ۔ میں سبھیں رہوں گا۔ تمہارے ساتھ ایک پل کے لئے بھی تمہیں تھا نہیں چھوڑوں گا۔ سارے کام سبھیں بیٹھے بیٹھے کروں گا۔“

”تب تو اسی خوفناک چہرے والے کے ہاتھوں مارے جاؤ گے کیونکہ وہ یہاں آپکا ہے۔“

”اوہ۔ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ چلو خواب گاہ میں چلیں... گیراہ نہ رہے ہیں۔“

”آخر تھو...“ ماریانا نے جھلائیت میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”شکریہ!“ سنگ نے جیب سے رومال نکال کر پچھہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”میں اپنی لٹکتی تسلیم کرتا ہوں۔ تھا خواب گاہ میں جاؤ اور دروازہ اندر سے مغلل کر کے سو جاؤ۔ میں باہر رہ کر تمہاری حفاظت کرتا رہوں گا۔“

ماریانا نے لاپرواں ظاہر کرنے کیلئے شاٹوں کو جبنش دی اور تجربہ گاہ سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد سنگ نے وہ دروازہ بند کیا تھا جس سے گذر کر دوسری طرف گئی تھی۔ پھر وہ فون کی طرف بڑھا اور کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جواد حیدر کی آواز سنائی دی تھی۔

”کیا رہا۔“ سنگ نے پوچھا۔

”کام بن گیا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”بہت اچھے... جہاں کا پتہ بتایا تھا وہیں بیٹھ جاؤ۔ اپنی بھتیجی کو بھی لانا کیونکہ اس شخص کا انتظام کرنا بھی بجد ضروری ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ بنا بنا لیا کھیل بگڑ جائے۔“

”بہت بہتر... میں اسے ضرور لااؤں گا۔“ جواد حیدر کی آواز آئی۔

”روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے۔ آج سے تمہارا استارہ عروج پر ہو گا۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ رسیور رکھ کر ماریانا کی خواب گاہ کی طرف آیا تھا اور یہ دیکھ کر دروازہ اندر سے مغلل کر لیا گیا ہے۔ چپ چاپ صدر دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔

"جواد حیدر اپنے ہاتھ ہھکڑیوں کے لئے پیش کرو۔ کھلی ختم ہو گیا۔" جزل غریباً۔ "اور تم ہیں۔" اشارہ سنگ کی طرف تھا۔

سنگ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ لیکن اس کی نظراب بھی یعنی ہی پر تھی۔ وہ لیکن جچکائے بغیر اسے گھورے جا رہا تھا۔ اچاک اس دروازے کی طرف سے وحشیانہ قہقہے سنائی باجوہ ماریا تاکی خواب گاہ کی جانب تھا۔ ماریا کھڑی بے تحاشہ ہنس رہی تھی اور پھر اس وقت تو قہقہے اور زیادہ بلند آہنگ ہو گئے تھے جب سنگ کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں ڈالی جا رہی تھیں۔ "دیکھا" وہ یہ یہک اٹھی روک کر بولی۔ "میں جانتی تھی۔ کہ یعنی رو لاں اس راستے سے واقف ہو گیا ہے جس سے تو اچاک آجیا کرتا تھا۔"

"تو اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔ گندی کتیا۔" سنگ نے پر سکون لجھے میں کہا۔ جواد حیدر کی حالت غیر ہورہی تھی۔ جیسے ہی اس کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں پڑیں پھر اکر گرا اور یہوش ہو گیا۔

سنگ یعنی رو لاں سے کہہ رہا تھا۔ "میں فی الحال تم سے پیچا چڑانے کے لئے گرفتار ہو رہا ہوں اُسے ہبہ شی یاد رکھنا....."

عمران خاموش کھڑا رہا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھیخے ہوئے تھے۔ یاسمن کے چہرے پر اب ہو ایسا اثر رہی تھیں۔ وہ دیدہ دانستہ اپنے چچا کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا اور آہستہ سے بولا۔ "تم اپنے ملک کی لیمی ترین خاتون ہو۔"

اچاک یاسمن نے اس کے شانے پر سر کھدیا اور بھوٹ بھوٹ کر رونے لگی۔ "لڑکی خاموش رہو۔" جزل غریباً۔

"جزل....! پلیز۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اے یہاں سے ہٹالے جاؤ۔" جزل نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔

"نہیں۔ ایہ میرے ساتھ رہے گی۔" یہک عمران کا لبھہ سخت ہو گیا۔ "اُسی کی مدد سے میں تمہارے ملک کو ایک بڑے نقصان سے بچا سکا ہوں اور میں اس عظیم لکھنی کو سلام کرتا ہوں۔"

جزل کا منہ جیرت سے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو یہوش جواد حیدر سے لعلک کر کھدیاں دیں اور وہاں سے رواگی کی تیاری کرنے لگا۔

"واہیں اور ہر ہی سے ہو گی جدھر سے آئے تھے۔" عمران بولا۔

طرف چلا گیا تھا۔ دروازہ کھوالا۔ جواد حیدر اور یاسمن باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیچے شانوخت جواد حیدر کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ سگ اٹھیں اندر لایا۔ شانو باہر ہی رہ گیا تھا۔

تجھے پہاڑ میں پیچ کر سنگ نے بریف کیس جواد حیدر کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔ "درائیور تو نہیں ہے تمہارے ساتھ؟"

"نہیں.... میں خود ہی ذرا بیو کرتا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... بیٹھ جاؤ۔ اب میں اس پیچی کے ہاتھ دیکھوں گا۔ یہ اپنے وقت کی بہت بڑی عورت بننے والی ہے۔"

یاسمن اسے کہہ تو ز نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ سنگ نے اس سے پوچھا۔ "یعنی رو لاں اس وقت کہاں ہو گا؟"

"اہ.... وہ.... یا سمن نہ پڑی۔" میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت اسی عمارت میں ہے۔

"کیا مطلب؟" جواد حیدر کری سے اٹھ گیا۔

یاسمن اور زور سے ٹھی اور جواد بڑا۔ "اے کچھ نہیں کہتے جو مجھ سے ایسے احقانہ سوال کر رہا ہے۔" یاسمن نے بھی ناخنگوار لجھ میں کہا۔ "میا اس کی روشن ضمیری یعنی کے معاملے میں سو گئی ہے۔ میں کیا جانوں وہ کہاں ہو گا۔"

"بہت حاضر جواب ہو۔ میں خوش ہوں۔" سنگ بولا۔ "کچھ سوال احقانہ تھا لیکن میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں۔ آؤ.... میرے قریب آؤ۔"

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے۔" یاسمن نے چچا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چپ رہو! بد تہذیب کا مظاہرہ مناسب نہیں۔ یہ دنیا کے بہت بڑے آدمی ہیں۔"

"آدمی؟" یاسمن پھر نہ پڑی۔ "یادو ٹانگوں والی بام مچھلی۔"

"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔" جواد آپے سے باہر ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت باہمیں جانب والا دروازہ کھلا اور کئی مسلیع آدمی اندر گھس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں اٹھیں گئیں تھیں۔

یعنی رو لاں پیش چیز تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ خالی تھے۔

جزل نے سنگ کو لکرا۔ "بریف کیس فرش پر ڈال دو۔"

سنگ نے چپ چاپ تعیل کی۔ لیکن وہ صرف یعنی رو لاں کو گھورے جا رہا تھا۔ اپنی طرف اٹھی ہوئی اٹھیں گنوں سے متاثر نظر آتا تھا اور نہ اس اچاک بدلتے ہوئے نقشے سے۔ ایک آدمی

آدمی نے جزل کے اشارے پر بریف کیس اٹھایا تھا۔

"یعنی کے بارے میں غلط تو نہیں کہا تھا میں نے گندی بام مچھلی... یاسمن پھر نہ پڑی۔"

ران نے کہتے ہوئے دروازے میں چھلاگ لگائی۔



اس پوشیدہ سرگ کے دہانے کے قریب پہنچ کر عمران رک گیا جس کا علم تلگاڈا کو بھی نہیں لے شاہزادی سنگ کے مخصوص کارپرودازوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ عمارت کی پشت پر بکھری ہوئی ہاؤں کے درمیان اس کا دہانہ عمران کو اتفاقاً مل گیا تھا۔ ایک رات تلگاڈا کی تجربہ گاہ کے آس پاس پہنچنے کے لئے کسی معقول سی جگہ کی تلاش میں بھکلت پھر رہا تھا کہ یہ جگہ دریافت ہو گئی تھی۔

وہ قدرتی غار کا دہانہ سمجھا تھا لیکن یہ راستہ اسے عمارت کے ایک اندر ونی حصے تک لے گیا۔

بہر حال سنگ اس وقت اسی راستے سے فرار ہوا تھا اور یہاں ان چنانوں میں اسے اس وقت بکپوری بنا لینے بھی تلاش کر لینے میں ناکام رہتی کیونکہ مطلع ابر آلود ہونے کی بنا پر تاروں کی پھلوں تک میر نہیں تھی۔ جزل اور اس کے تین آدمی عمران کے پیچے کھڑے تھے۔ وہ ادیبوں کو وہ بیہو ش جواد حیدر کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا۔

”یہ کیسے ہوا تھا کہ تو فہم؟“ دفعہ جزل نے اپنے پیچے کھڑے ہوئے کسی آدمی کو مخاطب کیا۔ ”پکھ پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں نے بھٹکیوں کے فرش پر گرنے کی آواز سنی تھی جتنی دیر لہم خنثیت وہ نکل چکا تھا۔ بس اب اس معلوم ہوا تھا جیسے اُنہاں دروازے سے گزر گیا ہو۔“

”یہ بہت بُرا ہوا بہت بُرا۔“ جزل عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”آؤں... ہاں۔“ عمران چوک پڑا۔ ”لیکن اب خود کو بچائے رکھنے کی کوشش میں وہ دوبارہ اسی طرف بہلہ بول سکتا ہے۔ اس کے متعدد مسلح آدمی عمارت کے سامنے موجود ہیں۔ خدا! کہیں دروازہ نہ توڑ دیں... وہ عورتیں۔“

عمران تیرتی سے پلانا اور سرگ میں دوڑتا چلا گیا۔ وہ پلانا ہی تھا کہ مختلف سمت سے کسی فائز کو۔ جزل وہ آدمیوں کو سرگ کے دہانے پر چھوڑ کر ایک آدمی کے ساتھ عمران کے پیچے ٹھاپا تھا۔ عمران نے جیسے ہی عمارت میں قدم رکھا آئنجی محسوس کی۔ ”اوہ! میرے خدا۔“ وہ مژ رہا۔ ”تواب تم سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔“

قائچیاں چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس نے عورتوں کی چینیں سنیں اور بے خانہ اماریاں کی خوابگاہ کی طرف جھپٹا۔ پڑوں کی بُو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف جزل کے آدمی جواد حیدر کو تجربہ گاہ سے نکال لے جانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اسی ہکلے کے دوران میں فارتوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ عمران ان سب سے بے پرواہ اماریاں کی خوابگاہ میں جا گھسا۔ یا سمن دہشت کے مارے ہے ہوش ہو چکی تھی۔ اس نے اسے اٹھا کر کاندھے

”کیوں؟“ جزل چوک کر اسے گھوڑنے لگا۔

”umarat کے سامنے اس کے آدمی سڑک تک بکھرے ہوئے ہیں۔“

عمران نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر جزل سے کہا۔ ”اس کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی بھٹکیوں پر اعتماد نہ کیجئے گا... ذرا ہوشیاری سے۔“

”یہ میرے مچھے کی بھٹکیوں ہیں۔“ جزل کے لجھ میں بختی تھی۔ ”ہر معاملے میں دغل اندازی مت کرو۔“

اس پر سنگ عمران کو آنکھ مار کر مکرایا۔ عمران نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنسش دی اور یا من کا بازو پکڑ کر اسے دروازے کی طرف لے چلا جہاں ماریانا کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے کچھ کہا تھا اور ماریانا سے اپنے ساتھ لئے ہوئے دروازے سے گذر گئی تھی۔

”یہ تم نے کیا کیا؟ لڑکی بھی ساتھ ہی جائے گی۔“ جزل نے کہا۔

”نہیں۔ وہ اپنے سینے پر کوئی تنفس نہیں سجانا چاہتی۔ اس کا راتا سے کو اپنی ہی کار کردگی تک محدود رکھئے۔“ بُر ان کا لبج بے حد خشک تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟“

”میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اُس کی اس وطن دوستی کی پہنچی نہیں کی جائے گی اور یہ میں نے اس اعتماد کی بنا پر کیا تھا کہ آپ مجھے سے متفق ہو جائیں گے۔“

جزل نے تکر آمیز انداز میں سر کو تھیسیں جنسش دی اور اپنے آدمیوں کو قیدیوں سے روائی کا حکم دیا۔ پھر یک بیک انہیں زکنے کا اشارہ کر کے عمران کے قریب آیا اور آہستہ بولا۔ ”تواب تم سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔“

”میرا کام ختم ہو گیا جزل، مجھے صرف اس سازش کی جزوں کا پالگنا تھا جس کے تحت میرے اور آپ کے ملک کے تعلقات خراب ہو سکتے تھے۔ جواد حیدر ثبوت سمیت آپ کے قبیلے میں ہے، رہا سنگ کا معاملہ تو وہ ایک غالی مسئلہ ہے۔ اگر میں کہوں کہ آپ اسے میرے حوالے کر دیں تو۔“

”یہ نہ ممکن ہے کیونکہ یہ ہماری مملکت میں پکڑا گیا ہے۔“

”میں جانتا تھا کہ آپ کا بھی جواب ہو گا لہذا میں اپنی حکومت کی طرف سے کوئی اتنا درخواست نہیں کر سکتا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ ایک دن بھی اسے اپنی قید میں نہ رکھ سکے۔“ دونوں گفتگو میں محو تھے کہ اچانک انہوں نے کمی جبرت ذرہ سی آوازیں سنیں۔ چوک کر پلے تو سنگ غائب تھا اور جزل کے آدمی بائیس جانب والے دروازے پر پلے پڑ رہے تھے۔

”بھٹکیوں کا جوڑا بیہو ش جواد حیدر کے قریب پڑا نہیں منہ چڑا رہا تھا۔“ ہٹوایک طرف

”میں تھا جاؤں گی۔ ہوش و حواس میں ہوں پچھلی رات میں اور پچھا ایک پوشیدہ راستے سے
لے سے باہر نکلے تھے۔ میرے گھر دالے بکھر رہے ہوں گے کہ میں محل ہی میں ہوں گی۔“

”اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔“
وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماریانا نے اس سے پوچھا تھا۔ ”میں چلوں تمہارے ساتھ۔“
”میں شکریہ!“

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔ مڑ کر عمران کی طرف دیکھا۔ وہ چہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔
اس کی آنکھوں سے دو قطرے ڈھلنے تھے اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ عمران سر جھکائے
کر ارہا۔ ماریانا سے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔

ایسے پھر کو سفید چنان والی پہاڑی کے قریب مختلف سوتون سے دو جیپیں آکر رکی تھیں۔
اک جپ سے عمران اتراتھا اور دوسرا جپ سے جزل۔

”تجھے گاہ کے ملے سے چار لاشیں برآمد ہوئی ہیں لیکن ایسی حالت میں کہ شناخت کرنا ممکن
نہیں۔“ جزل اس سے مصافی کرتا ہوا بولا۔ ”ہو سکتا ہے سنگ بھی.....“

”اس وہم کو دل سے نکال دیجئے وہ چوہوں کی طرح نہیں مر سکتا۔“ عمران نے طویل سانس
لے کر کہا۔ ”لیکن وہ عورت ماریانا اس کے بعض ساتھیوں کی نشاندہی کر سکے گی۔ وہ بخششیت انسان
لئے برتاو کی مستحق ہے۔ سختی کے بغیر اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا اور میری
خوبصوری درخواست یا سمن کے سلسلے میں ہے۔“

”تھاک! اس کے سلسلے میں کیا چاہئے ہو...؟“

”اپ کی رپورٹ میں اس کا نام نہ آنے پائے۔ جواد حیدر اسے بہت چاہتا تھا۔ اس کے باوجود
الانسان ملک قوم کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کیا۔ اگر وہ میرے لئے ان دونوں کی آگٹگو ٹیپ نہ کرتی
الآن تو اس فائل والی سازش سے کبھی آگاہ نہ ہو پاتا اور وہ فائل ایک دشمن ملک کے ہاتھ لگتا۔“
”تم مطمین رہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے طریقوں سے
اکن کو ملک میں اس کا صحیح مقام دلانے کی کوشش کروں گا۔“

”مہت بہت شکریہ! اچھا خدا حافظ۔“ عمران نے پھر مصالحت کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
”میں یہیں کوپڑ کی آواز سن رہا ہوں اور ہاں! کبھی تو کبھی آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دوں
اگر آپ میری اصل خلخل دیکھ سکیں۔“

ختم شہ

پر ڈالا۔ اور ماریانا کا ہاتھ پکڑ کر پوشیدہ راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اب اسے نہ جزل کی فکر تھی
اور نہ جواد حیدر کی۔ وہ ان دونوں کو ہر حال میں چالے جانا چاہتا تھا۔ سرگ سے گذرتے وقت اس
نے عقب میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی اور ایک طرف ہٹ کر داہنے ہاتھ سے ریو اور
نکال لیا۔ دوڑ نے والے اُن کے قریب سے گذر گئے۔ ماریانا دم بخود تھی اور یا سمن عمران کے
کاندھے پر بیوشاں پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھر سرگ کے دہانے کی طرف بڑھنے لگے اور وہاں پہنچ کر
معلوم ہوا کہ کچھ دیر پہلے آنے والے جزل اور اس کے بقیہ ساتھی تھے۔

”جواد حیدر کا جسم انہوں نے چھلپا کر دیا۔ میرا بھی ایک آدمی مارا گیا۔“ جزل کہہ رہا
تھا۔ ”اُن کی تعداد زیادہ ہے۔ اب شاکدہ و اصر بھی آنکھیں۔“

”میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کے ساتھ صرف یہی پانچ آدمی ہوں گے۔“ عمران
آنکھ لجھ میں بولا۔ ”مجھے تو کسی طرح ان دونوں کا حفظ کرتا ہے۔ اس طرف سے فائزگ بند ہو
گئی۔ لہذا اب نکلا چاہئے۔“ اس نے ایک پھر کو ٹھوکر لگائی اور وہ کچھ دور پھسلنے کے بعد میںے ہی
نشیب میں لوٹنے لگا۔ دوسری طرف سے پھر فائزگ شروع ہو گئی۔ ٹھیک اسی وقت سرگ
کے اندر دوں دہانے کی طرف دھاکہ ہوا تھا اور ان پر دھوکیں اور تپش کی یلغار ہو گئی تھیں۔

”میرے پیچے پیچے چل آؤ۔“ عمران دہانے سے باہر نکلا ہوا بولا۔ ”میں یہاں کے پیچے پیچے
سے واقف ہوں۔“

باہر سے اب بھی فائزگ ہو رہے تھے۔ عمران آوازوں کی سوت کا تین کر کے ایک طرف بڑھنے
لگا تھا۔


صح ہوتے ہوتے عمران اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا۔ ماریانا اور یا سمن اس کے ساتھ تھیں۔
یا سمن کو اب ہوش آچکا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ عمران نے اُسے ابھی تک نہیں بتایا تھا کہ
جواد حیدر ہمدردی کے ہاتھوں مارا گیا۔

”اس کا کیا ہوا.... وہ کہاں ہے۔“ ماریانا نے سنگ سے متعلق پوچھا۔
”میرا خیال ہے کہ وہ بھی وہیں جل کر جسم ہو گیا۔“ عمران نے کہا لیکن اُسے یقین نہیں تھا
کہ وہ حق بول رہا ہے۔ بہر حال کسی طرح اسے بھی مطمین کرنا ہی تھا۔ وہ جو سنگ کے خون کی پیاسی
ٹھیکیں۔ یا سمن ایک نک عمران کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر
رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔ ”میں گھر جانا چاہتی ہوں۔“

”ضرور۔ ضرور۔ میں ابھی پہنچا دوں گا۔“

عمران سیریز نمبر 67

پیشہ س

تصویر کی موت بھی ناممکن ہے اور موت کی تصویر بھی نہیں
صیخی جا سکتی لیکن جس طرح بہتیرے مصور موت کی تصویر کشی کی
کوشش کر رکھے ہیں اسی طرح میں نے بھی تصویر کی موت پیش
کرنے کی کوشش کر دیا ہے۔

بہتیرے دوستوں کی خواہش تھی کہ کسی کہانی میں بھرباپ بیٹے
کا سامنا ہو جائے لہذا عمران کے ساتھ رحمان صاحب سے بھی ملنے۔
سلیمان اور جوزف کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔ بعض
کہانیوں کا پھیلاوہ عمران کی پوری ٹیم کو پیش کرنے کی اجازت نہیں
دیتا۔

دیگر احوال یہ ہیں کہ خواہ آپ کتنے ہی بور کیوں نہ ہوں کاغذ
کی بات ضرور کروں گا۔ مشرقی پاکستان کی عیحدگی سے پہلے اس کتاب
میں بتیں روپے رم کاغذ لگاتا تھا اور اب 30×20 سانتز کے ایک رم
کاغذ کی قیمت ۱۰۰ روپے سے بھی زیادہ ہے اس کے باوجود کتاب کی
قیمت میں اضافہ نہیں کر رہا۔ میری اس "قومی خدمت" کو یاد رکھنے گا
اور آئندہ انتخابات کے موقع پر مجھے زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کر

تصویر کی موت

(مکمل ناول)

مزید خدمت کے موقع فراہم کیجئے گا۔ کیونکہ میرے سیاست میں آئے بغیر کافند ستانیں ہو سکتا اگر آپ نے مجھ پر یہ نوازش نہ فرمائی تو پھر ملکا بجانے کی مشق ہم پہنچاؤں گا۔ یہ بھی ہماری ثقافت کا اہم جزو ہے۔ نج سکا تواہ وہاہ۔ نج سکا تو کم از کم شہنشاہی ہی مہیا کرتا رہے گا۔ ملکا پھر ملکا ہے (اس کا چکنے گھر سے سے کوئی تعلق نہیں)۔

بہترے دوست مجھے اپنے مسائل لکھ کر بھیجتے ہیں اور حل بھی طلب کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ جو شخص اپنے ہی مسائل حل نہ کر پاتا ہو وہ کسی دوسرے کی رہنمائی کیا کر سکے گا۔ ایک صاحب کو یہی لکھ بھیجا تھا ناراض ہو کر جواب الجواب پر اتر آئے اور یہ سوال ٹھوک بھیجا کہ آپ کیسے دانشور ہیں کہ میری اتنی ذرا سی مشکل کا حل آپ کے پاس نہیں۔

لاحوال ولا قوہ۔ کیا میری شکل ایسی ہی ہے کہ آپ مجھے دانشور کہہ بیٹھیں بھائی! کسی ”دانشور“ سے رجوع فرمائیے۔ ”دانشور“ تو مسائل پر مسائل کھڑا کرتا چلا جاتا ہے کہ دانشوری ذہنی بیٹر بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ بہتر صورت یہ ہو گی کہ آپ خود ہی اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ نہ حل ہو سکیں تو انہیں ایک طرف رکھ کر ملکا بجائیے، بجاتے رہئے۔ بجاتے رہئے۔ یا تو اس دوران میں آپ کو حل نصیب ہو جائے گا۔ یا پھر۔ آپ ملکا ہی بجاتے رہ جائیں گے۔ دونوں ہی صورتیں عافیت کی ہیں۔

والسلام

ابن سفیان

۳۰، اپریل ۱۹۷۴ء

جزیرہ موبار کے مشرقی ساحل پر وہ بڑی ہی دخانی کشتی کئی دن سے لنگر انداز تھی۔ ایک معمولی ہی دخانی کشتی... ایسی لا تعداد کشتیاں موبار کے دوسرے ساحلوں پر لنگر انداز ہی ہوں گی... لیکن اس کشتی کی طرف توجہ مبذول کرانے والا وہ بھاری بھر کم اور خوف ناک کتا تھا جو ہر وقت عرضے پر بیٹھا اپنی لال لال زبان نکالے ہامپاڑتا تھا۔ اگر کوئی بحری پر نہ بھی اس کشتی کے قریب سے پرواز کرتا تو وہ یک لخت اپنی زبان جڑوں میں سمیت کر اس طرح غرانے لگتا جیسے اس نے اس کی توہین کی ہو۔

ان اطراف میں نی الوقت یہی ایک کشتی لنگر انداز تھی۔ یوں بھی مشرقی ساحل زیادہ تر دریاں ہی رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ حصہ آبادی سے دور تھا اور اس طرف مایہ گیری بھی نہیں ہوتی تھی لیکن یہ کوئی غیر معموم علاقہ تو تھا نہیں کہ اس کشتی کو مقامی لوگ شہنے کی نظر سے دیکھتے۔ اکثر تہائی پسند سیاح بھی اپنی کشتیاں اسی ساحل سے لگادیا کرتے تھے۔

اس کشتی پر اس خوف ناک کتے کے علاوہ تین آدمی بھی تھے۔ ان میں سے جب بھی کوئی کتے نکے قریب سے گزرتا تو اسے بھی اس کی غراہت سننی پڑتی اور وہ آواز دے کر گویا اس کی اور اپنی نشامائی کے حوالے سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور سمندر کی طرف سے چلنے والی نم آلود نیکیں ہوائیں اپنے ساتھ کی لانچ کے اجن کی آواز بھی منتشر کر رہی تھیں۔

دیکھتے، دیکھتے ایک چھوٹی ہی لانچ دخانی کشتی کے قریب آکر رکی اور اس پر سے ایک آدمی دخانی کشتی پر جا چڑھا۔

کتے کی غراہت پھر سنائی دی تھی۔ لیکن ان تینوں میں سے کسی نے اسے آواز دے کر چپ کر دیا تھا۔

لائق سے اتنے والا دنخانی کشتی کے کیبن میں داخل ہوا۔ یہ ایک سفید قام غیر ملکی تھا۔ کشتی کے تینوں آدمی معمولی خادموں کے سے انداز میں ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے نظر آئے۔ یہ تینوں دیسی ہی تھے لیکن روانی سے انگریزی بول سکتے تھے۔

”سب سامان تیار ہے....؟“ غیر ملکی نے سوال کیا۔

”یہ باس....!“ ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تم کچھ سست نظر آرہے ہو....!“ غیر ملکی اُسے گھوٹا ہوا بولو۔

”نہیں تو باس.... میں بالکل ٹھیک ہوں!“

”آس پاس کوئی اجنبی تو نہیں دکھائی دیا تھا!“

”نہیں باس....!“

”ٹھیک ہے.... گوشت لاو!“

وہ آدمی کیبن کے کسی گوشے سے ایک برا ساطحت اٹھا لایا جس میں کچھ گوشت کے بڑے بلکڑے پڑے ہوئے تھے۔

غیر ملکی نے اپنے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک چھپی سی شیشی نکالی، جو سرخ رنگ کے کسی سیال سے لبریز تھی۔

شیشی کا ذہن لالگ کر کے اس نے سارے سیال گوشت کے طشت میں الٹ دیا۔ بھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے گوشت کے بلکڑوں کو مسلنا شروع کر دیا۔

”کتے کو لاو....!“ غیر ملکی نے دوسرے آدمی سے کہا اور تیرے سے بولا۔ ”تم لٹکر اٹھا دو اور کشتی کو بلیک پوائنٹ کی طرف لے چلو....!“

اس دوران میں کتے کی بلکل بلکل غراہٹ مسلل سنائی دیتی رہی تھی۔

”اب تم ہاتھ صاف کر کے اسکرین لگادو....!“ غیر ملکی نے اس آدمی سے کہا جو گوشت کے بلکڑوں کو مسل رہا تھا۔

کتا اندر لایا گیا.... وہ اب بھی غرائے جا رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر گوشت کے طشت پر پڑی غراہٹ کا سلسلہ یک لخت ختم ہو گیا۔ پھر وہ گوشت کے بلکڑوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

غیر ملکی اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا جو سامنے والی دیوار پر سفید سکرین فکس کر رہا تھا۔ کتابہ پر اپنے اٹھاک سے گوشت چٹ کر تارہا۔

”اب تم پرو جیکٹ پر ریل چڑھا دو....!“ غیر ملکی نے اس آدمی سے کہا جو کتے کو کیبن میں لایا تھا۔

انتہے میں کشتی بھی حرکت میں آئی وہ ساحل چھوڑ رہی تھی اور اب اس کا رخ شمال کی طرف ہو گیا تھا۔

سامنے والی دیوار پر سکرین فکس ہو جانے کے بعد غیر ملکی اس آدمی کی طرف مڑا جو پرو جیکٹ فلم کی رویل چڑھا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کیبن میں بیٹھ کر کوئی فلم دیکھیں گے۔ کئے نے جلد ہی گوشت کے بلکڑوں کا صفائی کر دیا اس کی غراہٹ قطعی طور پر مددوم ہو چکی تھی۔ ”اب فلم چلاو!“ غیر ملکی نے کتے کو پر تھکر نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیبن میں اندر ہی رہا ہو گیا اور پرو جیکٹ کی روشنی اسکرین پر پڑنے لگی۔ یہ جزیرہ موبار کا لانگ ٹارٹھ تھا اور آہستہ آہستہ بلیک پوائنٹ نامی ساحل قریب آتا جا رہا تھا۔

اب بلیک پوائنٹ سے بھتی کی طرف جانے والی سڑک کا منظر تھا۔ پھر سڑک سے کیسرا ایک گلی میں ٹرکیا۔ درودیہ عمارت کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک بڑی سی عمارت کا بلکڑ آپ قرباً ایک منٹ تک اسکرین پر رہا تھا پھر ایک آدمی کی غیر متحرک تصویر کا بلکڑ آپ اتنی ہی دیر تک نظر آتا رہا اس کے بعد فلم ختم ہو گئی مزید تین بار یہی فلم دکھائی گئی تھی پھر کیبن میں روشنی ہوتے ہی کشتی بھی بلیک پوائنٹ نامی ساحل سے جا گئی۔

کتنا بالکل خاموش تھا۔ اس دوران میں بلکل سی غراہٹ بھی نہیں سن گئی تھی بلیک پوائنٹ کا یہ حصہ چہاں کشتی لنگر انداز ہوئی تھی بالکل تاریک تھا اور آس پاس کوئی دوسری کشتی بھی موجود نہیں تھی۔

غیر ملکی نے کتے کا پا پکڑ کر اٹھایا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی کسی پر غریبی نہ ہو۔ پتا پکڑے ہوئے وہ اسے عرشے پر لایا اور ”گو“ کہہ کر پا چھوڑ دیا۔ کتے نے کشتی سے خشکی پر چھلاگ لگادی اور اندر ہیرے میں دوڑتا چلا گیا۔



دوسری صبح پورے جزیرے میں سبنتی پھیل گئی تھی اور راجر اس اسٹریٹ میں تو کوئی قدم ہی نہیں رکھ سکتا تھا۔ پولیس نے چاروں طرف سے اس کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ خصوصیت سے بروجن لائق کے سامنے پورے جزیرے میں پائی جانے والی پولیس کی گاڑیاں موجود تھیں۔

بروجن لائق میں پچھلی رات ایک غیر ملکی سفیر کا مہمان پروفیسر میکس مارڈا لا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس عمارت میں اس کی بیٹی روزا میکس بھی مقیم تھی دونوں حال ہی میں بغرض سیاحت یہاں آئے تھے اور غیر ملکی سفیر نے ان کے قیام کا انتظام جزیرہ موبار میں کیا تھا۔

پروفیسر عمارت سے بہت کم نکلا تھا لیکن روزا میکس ایک سیلانی لڑکی تھی وہ زیادہ تباہر ہی رہتی۔

بچپن شام گھر سے باہر نکلتے وقت اس نے پروفیسر کو بخیر و عافیت چھوڑا تھا۔ موبار کے ایک خاندان میں رات کے کھانے پر مدعا تھی۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے موبار میں کم دوست بنائے تھے۔ ان میں لاکوں کی تعداد زیاد تھی۔ وہ ان سے بیہاں کے رسم و رواج سے متعلق معلومات حاصل کر کے اپنی ڈائری میں یادداشتیں تحریر کرتی رہتی۔

واپسی دس بجے سے پہلے ہو گئی۔ عمارت میں سنا تھا۔

پروفیسر میکس آٹھ بجے تک کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ملاز میں کوچھی دے دیتا تھا اور وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ روزا کو چھانک کھلا ہوا ملا تھا اور اس کی دانست میں پروفیسر نے صدر دروازہ بھی کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ وہ آٹھ بجے کے بعد گھر واپس ہوتی تھی اور اس نے ہمیشہ دروازہ کھلا ہوا پایا تھا۔

بہر حال بچپن شب کچھ بھی معمول سے ہٹ کر محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے کپاڈنڈا کا چھانک بند کیا تھا اور پھر عمارت میں داخل ہو کر صدر دروازہ بھی مقفل کیا تھا اور اپنے بیڈ روم کی طرف چل پڑی تھی۔ پھر جب وہ پروفیسر کی خواب گاہ کے قریب بیٹھی تو وہ جاتکہ منظر دیکھا پروفیسر فرش پر چلت پڑا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف خون ہی خون تھا۔

ٹھوڑی کے نیچے زرخہ گردن سے باہر نکلا پڑا تھا۔ مقامی پولیس کو وہ اپنامیان دے پکی تھی اور اسے قریب ہی کی ایک دوسری عمارت میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

پروفیسر کی لاش جہاں تھی وہیں پڑی رہی۔ مرکزی محلہ سراغ رسانی کے بعض شعبوں کے مابین ایک بھی تکمیل نہیں پہنچ تھے۔ یہ کیس ایک غیر ملکی سفارت خانے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے مختلف قسم کی کارروائیوں میں بہت زیادہ احتیاط برتنی جا رہی تھی۔

روزا کو پڑو سیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کا غم بناز کی کوشش کرنے لگی لیکن وہ مفہوم تو نہیں معلوم ہوتی تھی۔

پھر کسی کی زبان سے نکل ہی گیا تھا۔ ”بڑے دل گردے کی لڑکی ہے۔ باپ اس طرح مارا گیا اور اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں۔“ غالباً اس کے اسی روئیے کی بنا پر کیپن فیاض ان لوگوں

بھی جا پہنچا تھا جن کے بیہاں اس نے بچپن رات کھانا کھایا تھا۔
”وہ چھ بجے شام سے پونے دس بجے رات تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔“ صاحب خانہ نے بیان کیا۔

”اس کے روئیے میں کوئی خاص بات آپ لوگوں نے محسوس کی تھی۔!“ فیاض نے سوال کیا۔
”جی نہیں.... قطعی نہیں..... وہ معمول کے مطابق خوش و خرم تھی.....!“ جواب ملا۔
بہر حال لڑکی کے بارے میں پونچھ گھج کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک خاصی سوشن قسم کی لڑکی تھی۔

فیاض نے فی الحال لڑکی سے براہ راست کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ متعلقہ سفارت خانے کے ذمہ دار لوگ نہیں چاہتے کہ لڑکی سے اس سلسلے میں پونچھ گھج کی جائے۔

شام تک اسے پوست مارٹم کی روپورٹ مل گئی جس کے مطابق پروفیسر کی موت آٹھ اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور وہ کسی درندے کا شکار ہوا تھا۔ درندے نے اس کی گزدن روپی تھی اور زخم خرچ کھینچ لیا تھا۔

فیاض نے ایک بار پھر سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا اور جیسے ہی گفتگو کے دوران میں اس نے فرست سکریٹری کو پوست مارٹم کی روپورٹ سے مطلع کیا وہ سری طرف سے عجیب طرح کی گئی گھنی ہی آوازنائی دی۔

”بیلو....!“ فیاض نے ماذھ تھیں میں کہا۔ ”کیا لائن ڈیٹی ہو گئی.... بیلو.... بیلو....!“
لیکن دوسری طرف اب سنا تھا۔ لائن ڈیٹی نہیں ہوئی تھی اور نہ رسیوور کریڈل پر رکھا گیا تھا۔
فیاض نے سلسہ مقطع کر دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر لاپرواہی سے شانوں کو جنم دی اور گھر جانے کے لئے اٹھ گیا۔ صبح سے جزیرہ موبار میں جھک مارتا رہا تھا۔ وہ پھر کا کھانا تک نصیب نہیں ہوا تھا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ رک کر اس نے انپکٹر سوہبر و کوفون کیا تھا اور اسے ہدایت دی تھی کہ وہ جزیرے ہی میں پھر کر لڑکی کی گمراہی کرے۔

لیکن انپکٹر سوہبر نے بتایا کہ سفارت خانے والے لڑکی کو وہاں سے لے گئے۔
”تم بھی واپس آجائو....!“ اس نے کہہ کر سلسہ مقطع کر دیا۔
اس نے ایک ڈرگ اسٹور کا فون استعمال کیا تھا۔ رسیوور کر کر وہ واپسی کے لئے مراہی تھا

کہ ایک غیر متوقع ذہنی حصے سے دوچار ہوتا ہے اسامنے عمران کھڑا احتمانہ انداز میں جلدی جلدی پلکشیں چھپ کر ہاتھ لے۔

”تمہیں قرار نہیں ہے....!“ فیاض دانت پیش کر بولا۔

”میں صرف یہ پوچھنے کے لئے رک گیا تھا کہ تم یہ کال اپنے دفتر ہی سے نہیں کر سکتے تھے؟“

”تم سے مطلب....؟ اور تم میراچیچا کیوں کر رہے تھے!“

”ذر آہستہ....!“ عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”دوکان دار کو یہ نہ معلوم ہونا چاہیے کہ آج کل مردوں کا چیچا مرد ہی کر رہے ہیں!“

”ہٹو سامنے سے....!“ فیاض اسے ایک طرف ہنا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

دوکان سے اتر کر جلاہٹ کے عالم میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہی رہتا تھا کہ اچانک کسی خیال کے تحت پھر رک جانا پڑا۔

عمران آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا۔

”مجھ سے کچھ بھی معلوم نہ کر سکو گے....!“ فیاض نے سرد لمحے میں کہا۔

” غالباً تمہارا اشارہ پوست مارٹم روپورٹ کی طرف ہے!“

”ظاہر ہے....!“

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جزیرہ موبار میں چیتے اور بھیڑیے نہیں پائے جاتے!“

”کیا مطلب....؟“

”اس لئے پوست مارٹم کی روپورٹ سرے سے بکواس ہے....!“

”ہوں.... تو تمہیں روپورٹ کا علم ہو چکا ہے!“

”تم سے پہلے ہی.... اپنے محلے کی کار کردگی پر ناز کرنے والے آفیسر الوکھلاتے ہیں!“

”بد تیزی نہیں!“

”اوہو.... کیا عنقریب ترقی ہونے والی ہے!“

”بور مت کرو.... دن بھر تھکنے کے بعد گھر واپس جا رہا ہوں اور میں دیکھوں گا تمہیں پوست مارٹم کی روپورٹ کا علم کیوں کر ہوا!“

”مگر پہنچتے ہی تمہیں پھر بھاگنا پڑے گا۔ اس لئے مناسب ہی ہے کہ رات کا کھانا میرے ساتھ کسی ہوٹل میں کھالو....!“

”کیا مطلب....؟“

”یار فیاض تم آخر ہربیات کا مطلب کیوں پوچھنے لگتے ہو جبکہ مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”جہنم میں جاؤ....!“ فیاض نے کہا اور اپنی گاڈی میں جا بیٹھا۔

کچھ دور پڑھنے کے بعد عقب نما آئیتے پر نظر ڈالی.... پیچھے بے غمار گاڑیاں تھیں۔

”اوہ نہہ....!“ فیاض نے نہ اسامنہ بنایا کہ سر کو جنس دی اور گھر کی جانب رو اس دو اس رہا۔

دیے وہ ابھیں میں ضرور پڑ گیا تھا کیونکہ عمران کی پیش گویاں بھی غلط ثابت نہیں ہو سکیں تھیں۔

اُنے اس وقت یہی تو کہا تھا کہ گھر پہنچ کر تمہیں پھر بھاگنا پڑے گا۔ پوست مارٹم کی روپورٹ سے

عقل آئے سفارت خانے ہی سے معلوم ہوا ہو گا۔ خود اس کے سمجھے سے کسی قسم کی معلومات

حاصل کرنا آسان کام نہیں۔

گھر پہنچ کر عمران کے قول کی تصدیق ہو گئی جب یہ معلوم ہوا کہ کوئی اہم اطلاع آتی تھی

لیکن فیاض کی عدم موجودگی کی بنا پر فون کے نمبر بتا کر ہدایت کر دی گئی تھی کہ جیسے ہی وہ گھر

پہنچ اس نمبر پر رنگ کرے۔

اور یہ نمبر اسی محلے کے ایک ڈائریکٹر کے تھے۔

اس نے میز پر کھانا لگانے کو کہا تھا۔ کھانے سے پہلے ڈائریکٹر کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کھانا کھاتے وقت ایک بار پھر عمران پر شدت سے غصہ آیا۔ اگر مردود کے پاس کوئی اہم

اطلاع تھی تو اسے سکنپس میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

جیسے تیسے کھانا ختم کر کے اُس نے فون پر ڈائریکٹر کے نمبر ڈائل کئے۔ ڈائریکٹر موجود نہیں

قاابلہ فون پر ہی اسے اُس کار بیارڈ کیا ہوا بیغام سنایا گیا۔ جس کے مطابق سفارت خانے کے

فرست سیکریٹری کو بھی کچھ دیر قبل اسی طرح ہلاک کر دیا گیا تھا۔ جس طرح پہلی رات جزیرہ موبار

میں پروفیسر ہاورڈ میکس مارٹم کیا تھا بیغام کے آخر میں کہا گیا تھا کہ کیپشن فیاض فرست سیکریٹری کی

رہائش گاہ پر پہنچ جائے۔ ریسیور کر ڈیل پر ٹھیک فیاض نے نہ اسامنہ بنایا تھا۔

فرست سیکریٹری کی لاش دیکھ کر پروفیسر میکس کی لاش کیوں نہیاں آ جاتی جب کہ اس کا

زخڑہ بھی گردن سے باہر نکلا پڑا تھا۔

دفعتا فیاض چوک پڑا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے شعبے کے ڈائریکٹر کو چوک نکا تھا۔

توجہ دلائی جسے فیاض دیکھ کر چوک نکا تھا۔

”شائد وہ حادثے سے پہلے کسی کو فون کر رہا تھا!“

”جی ہاں.... ریسیور میز سے نیچے لٹک رہا تھا۔“ فیاض بولا۔ لیکن وہ ڈائریکٹر سے یہ نہ کہہ سکا

کہ شاید فون پر آخری گفتگو اس نے خود اسی سے کی تھی اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس نے فرست سیکریٹری کو فون پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے متعلق اطلاع دی تھی تو دوسری طرف سے چند گھنٹی گھنٹی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سن سکا تھا۔

اور سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ دونوں کیس بڑی مماشہ رکھتے ہیں۔ ”ڈائریکٹر نے پر ٹھکر لجھ میں کہا۔

”جی ہاں....!“ فیاض نے ایک بار پھر لاش کو غور سے دیکھتے ہوئے سر کو جبکش دی۔

”تم نہیں سمجھے....!“

”جی....؟“ فیاض بہم تن گوش ہو گیا۔

یہ بھی آٹھ بجے اس عمارت میں تھا تھے۔ سات بجکر پختائیں منٹ پر سارے گھر بیلوں میں مول کو چھٹی دے دی تھی۔ وہ دونوں لاش والے کمرے سے باہر آگئے دُس وقت قندر پرنٹ سیکشن کا عملہ دہانی مصروف کار تھا۔

”پروفسر کی لڑکی کہاں ہے....؟“ فیاض نے پوچھا۔

”شاید سفیر کی قیام گاہ پر۔!“

”اس سلسلے میں بھی سفارت خانے والوں کا روایہ مشتبہ ہے۔!“

”کیوں....؟“

”وہ لوگ نہیں چاہتے کہ اس سے کسی قسم کی پوچھ چکھ کی جائے۔!“

”تو پھر تم نے اس سلسلے میں کیا کیا....؟“

”پچھے بھی نہیں جتاب.... وہ میری پتیخانے سے باہر ہے۔!“

”قطعاً نہیں.... میں ابھی دیکھتا ہوں۔!“

”میرا خیال ہے کہ آپ نہیں دیکھ سکیں گے۔!“ پشت سے آواز آئی۔ دونوں چوک کر مڑے۔

”میں غلط نہیں کہ رہا۔!“ عمران سر بلکر یو لا۔

ڈائریکٹر تو خاموش ہی رہا لیکن فیاض نے ناخوش گوار لجھ میں پوچھا۔ ”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔!“

”بہت دیر سے صبر کر رہا ہوں۔!“

”میں پوچھ رہا ہوں کہ کس اتحاد کی بناء پر یہاں موجود ہو....؟“

”کیا اس کے لئے ڈائریکٹر جزل کی اولاد ہوتا کافی نہیں ہے۔!“

ڈائریکٹر کے ہوتوں پر بے اختیار قسم کی مسکراہٹ محمودار ہوتے ہوتے رہ گئی۔ شاید وہ بڑی بیکار سے سنجیدگی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اپنی زبان اس نے ابھی تک روکے رکھی تھی۔

”یہاں سے چلے جاؤ....!“ فیاض نے سخت لجھ میں کہا۔

عمران نے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک کارڈ نکال کر فیاض کے چہرے کے قریب لے اتھے ہوئے کہا۔ ”نمائی آئینہ مٹھی سر....!“

فیاض نے کارڈ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

”کیا ہے....؟ میں بھی دیکھوں....!“ ڈائریکٹر بولا اور فیاض نے عمران کو گھوڑتے ہوئے رہاں کی طرف بڑھا دیا۔ ڈائریکٹر کارڈ پر نظر دوڑتا ہوا بولا۔

”اوہ تو.... آپ وزارت خارجہ کے نمائندے کی حیثیت سے....!“

”جی ہاں....!“ گھر سے اخراج کے بعد سارے معاملات خارجہ ہی خارجہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ”عمران نے بے حد مغموم لجھ میں کہا۔

”تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں....؟“

”روز اسکیں کوئی اخال نظر انداز کر دیا جائے۔!“

”آپ کی اپنی رائے کے مطابق....!“

”جی نہیں.... سر سلطان چاہتے ہیں۔!“

”تمہارے یہ سر پرست عنقریب رہیا کھائیں گے۔!“ فیاض بول پڑا۔

”میاں بکاں ہے....!“ ڈائریکٹر اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”اپنے کام سے کام رکھو....!“ پھر وہ نہیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

”انہوں کی ڈاٹ کھائے بغیر تمہارا کھانا ہی نہیں ہضم ہوتا....!“ عمران نہ کر بولا۔

”چلے جاؤ.... ورنہ سر توڑ دوں گا۔!“

”زیادہ اکڑو گے تو گالیاں بھی کھلا دوں گا۔!“

”تم نے سر سلطان کا پیغام پہنچا دیا اب دفع ہو جاؤ۔!“

”ایک بات کا خیال رکھنا ہو پروفیسر کی لاش کے سلسلے میں نظر انداز کر دی گئی تھی۔!“

”کیا مطلب....؟“

”اگر وہ کوئی جانور تھا تو اپنے ذوچار بال اس لاش پر ضرور چھوڑ گیا ہو گا۔!“

فیاض نے اسے غور سے دیکھا تھا اور سر کو تفہیمی جبکش دے کر تیزی سے لاش والے کمرے

کی طرف مڑ گیا تھا۔



پہ اسرا ر دخانی کشی اب فش ہار بر کے ایک الگ تھلگ حصے میں لٹکر انداز تھی۔ رات کے سازھے آٹھ نجھ پچھے تھے۔ اس وقت کشی پر سفید قام غیر ملکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور غیر ملکی بھی اپنے جلیے سے نہ تو سفید قام ہی معلوم ہوتا تھا ورنہ غیر ملکی۔ اس نے گھیر دار خلوار پہن رکھی تھی لمبی سی قمیض اور اونی ٹوپی میں شامل مغربی علاقے کا کوئی باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ چرے کی رنگت بھی اصل کے مقابلے میں کچھ دبی دبی سی لگتی تھی۔ وہ کشتی کے عرش پر کھڑا اس طرزِ اندھیرے میں آنکھیں چھاڑ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو کبھی کبھی رینڈیم ڈائیل والی رستہ واقع پر بھی نظر ڈالتا۔

ٹھیک پونے نوبجے ایک کتنے نشکل سے کشی پر چھلانگ لگائی اور غیر ملکی اوہ بوانے...اوہ بوانے...!“ کہتا ہوا س کی طرف بچپنا۔ بچپنا کے پانچ پکڑے ہوئے اُسے کہیں میں لایا تھا۔ کتابی کی بالائی پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اس طرح پانی پر رہا تھا جیسے کئی دن سے پیاسا ہو۔ غیر ملکی نے پرو جیکر سے فلم کی ریل نکالی اور انہیں روم کی طرف چل پڑا۔ بوائز کی بھنی کھول کر فلم کو آگ میں جھوکنا ہوا وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

کہیں میں واپسی پر اس نے کتنے کتابی کے قریب بے خبر سوتے ہوئے پایا۔ کپ بورڈ سے ایک بوتل اور گلاس نکال کر وہ سطحی میز کے قریب آبیٹا تھا۔ شراب نوشی آؤ ھے گھنٹے تک جاری رہی۔

پھر ایک چھوٹی سی لانچ کشتی کے قریب آکر رکی اور اس پر سے تین دلیں آدمی کشتی پر منتقل ہوئے۔ جیسے ہی وہ کہیں میں داخل ہوئے غیر ملکی اٹھ گیا۔ وہ تینوں مودبانہ کھڑے رہے۔

”میری روائی کے بعد یہاں سے لنگر اٹھادیا!“ اس نے ان سے کہا۔ ”بہت بہتر جناب....!“ ایک نے جواب دیا۔ کشتی کے عرش پر پہنچ کر وہ لانچ میں اتر گیا اور فوراً ہی لانچ فرانے لھرتی ہوئی ایک طرف نکلی چلی گئی۔

وہ تینوں کہیں میں سوئے ہوئے کتنے کو بغور دیکھے جا رہے تھے۔ دفعتاً ایک آدمی چوک کر یو لا۔ ”لنگر اٹھادو....!“

”اب کہاں جائیں گے....؟“ دوسرا نے پوچھا۔

”راشد جانے!“ تیسرے نے کہا۔
”راشد انہیں گھورتا ہوا بولا۔“ اپنے کام سے کام رکھو....!
”یار خاکیوں ہوتے ہو!“
”نہیں خواہ خواہ سوال نہ کیا کرو... جہاں بھی جانا ہو گا تمہیں جانا ہی پڑے گا!“
”بڑا جان جو سکھ کام ہے!“
”میا مطلب....؟“ راشد کی بھنویں تن گئیں۔
”اب میں پچھے بھی نہیں ہوں کہ ان باتوں کا مطلب نہ سمجھ سکوں!“ اس نے سوئے ہوئے ہے کی طرف دیکھ کر کہا۔
”آخر سے سمجھا جا...!“ راشد نے دوسرا نے آدمی سے کہا۔
”مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے کام کرنے پڑیں گے!“
”تم پاگل تو نہیں ہو گے ہو راجو...!“ آخر اس کا شانہ چھوڑ کر بولا۔
”میں نے آج کے اخبار میں اس شخص کی تصویر دیکھی تھی جسے کسی درندے نے مارالا... اور شاید کل صبح پھر کوئی تصویر دیکھوں...!“
”راجو...!“ راشد حلق چھاڑ کر دہڑا۔ چند لمحے اُسے گھورتا پھر سرد لبجھ میں بولا۔ ”شاید ویاں الگ گئی ہیں۔ وہ دن یاد کرو جب تمہارے پنج فاقے کر رہے تھے اور میں نے تمہاری مدد کی گئی۔ اب ہر ماہ تمہارے گھر پانچ سور و پہنچ جاتے ہیں!“
راجو نے پچھے کہنے کے لئے ہونٹ ہلانے ہی تھے کہ آخر نے اس کو آنکھ ماری اور وہ چکا ہوئی
انوں میں دبائے دوسرا طرف دیکھنے لگا۔
”آئندہ میں اس قسم کے حوالے نہیں سننا چاہتا۔“ راشد نے کہا اور انہیں روم کی طرف چلا گیا۔
”بیو قوئی کی باتوں میں کیا رکھا ہے!“ آخر آہستہ سے بولا۔ ”اب تو پھنس ہی پکے ہیں۔ چلو گر اخفا...!“
کچھ دیر بعد کشتی حرکت میں آگئی۔ اس وقت وہ تینوں ہی انہیں روم میں تھے۔ دفعتاً راشد نے ناٹکی لے کر کہا۔ ”میں سونا چاہتا ہوں۔ تم کشتی موبار کی طرف لے چلو...!“
”ہاں... ہاں جاؤ...!“ آخر بولا۔ ”شدت سے غصہ آجائے تو بعد میں تھکن ہی معلوم ہی ہے!“
راشد نے اسے تیز نظروں سے دیکھا تھا لیکن کچھ کہے بغیر انہیں روم سے چلا گیا۔

"دروازہ بولٹ کر دو...!" اختر نے راجو سے کہا۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مزید کچھ کہنے کے لئے بے چین ہو۔ اختر دروازہ بولٹ کر کے پہ
اس کے پاس لوٹ آیا۔
تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہا تھا۔ "اختر بولا۔" یہ کتا کوئی خبیث روح معلوم ہوتا ہے۔ بچل
رات تم نے فلم میں جس آدمی کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی کی تصویر آج کے اخبار میں بھی دیکھی تھی۔
راجو کچھ نہ بولا۔ اختر کہتا ہے۔ "آج بھی شاید یہ کوئی کارنامہ انجام دے کر آیا ہے۔ تمہارے
اس طرح بے ہوش پڑا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں...؟" راجو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "انتا جانتا ہوں کہ اگر دھرے گے تو
چھانی کے تختے ہی کی سیر کرنی پڑے گی۔"
میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ بھلا ہم کیا جائیں کہ کتا کیا کرتا پھر رہا ہے۔ ہم تو ایک مل
بردار کشی پر ملازم ہیں اور یہ زیادہ سے زیادہ سال دوسال کے لئے جائیں گے۔"
سوال تو یہ ہے کہ راشد نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ ہم تو اسے کسی بڑے سملگر کا اور
سمجھ کر اس کے جھانے میں آگئے تھے لیکن یہ انگریز...؟ تم نے دیکھا سائے نے کیا پھانلوں
جیسا بھیں بدلتا کھاتا۔ کتنی روائی سے پشتہ بولتا ہے۔!

دفعہ اختر چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہونوں پر انگلی رکھ کر خاموش
رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ راجو نے دروازہ کھوٹ دیا۔ راشد سامنے کھڑا انہیں
گھوڑے جا رہا تھا۔ پھر وہ انجن روم میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔
"کیوں...؟ کیا نیند نہیں آئی۔" اختر نے اس کی طرف مرتے ہوئے پوچھا۔
"نیند...! راجو نے میری نیند اڑا دی ہے۔!"

میں معافی چاہتا ہوں راشد بھائی۔" راجو سمسی سی شکل بنا کر بولا۔
راشد ایک اسٹول پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بھائی تم نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ مجھ سے معافی مانگ
رہے ہو۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب یہ ملازمت ترک بھی نہیں کر سکتے۔ اگر باس کو تم پہلا
سائیہ بھی ہو گیا تو تمہاری لاش کا پتہ بھی نہیں چلے گا اور ساتھ ہی ہم دونوں خطرے میں
جائیں گے۔"

راجو کچھ نہ بولا۔ اختر نے نہیں کہا۔ "میں اسے بھی سمجھا رہا تھا کہ اگر ہم دھرے بھی گئے تو

زیادہ سے زیادہ تین سال کے لئے جائیں گے کیوں کہ ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے کہ۔ مال
بردار کشی پر ملازم ہیں۔!"

"پہنچے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!" راشد جیر چیخ کر بولا اس کے لئے میں جلاہٹ تھی۔
"چلومن لیا بابا...!" اختر نے سر ہلا کر کہا۔ "جاوہ سو جاوہ آدمی کا ذہن ہے ہر طرح کی باش
وہی ملتا ہے۔"
"جتنا جی چاہے سوچتے چلے جاؤ... لیکن زبان بند ہی رہنی چاہئے۔!" راشد اٹھتا ہوا بولا۔



عمران بنے ابھی تک ناشتے کی میز نہیں چھوڑی تھی۔ خود نہیں کھا رہا تھا بلکہ دوسروں کو
کھاتے دیکھ کر اس طرح خوش ہو رہا تھا جیسے ان کا کھایا پیا ہوا اُسی کے پیٹ میں پنچ رہا ہو اور یہ
دوسرے "جوزف اور سلیمان تھے۔ وہ دونوں ناشتے کر رہے تھے اور عمران بڑے ادب سے ہاتھ
باندھے میز کے قریب کھڑا تھا۔
ان دونوں ہفتے میں ایک بار یوں بھی ہوتا تھا۔ ... عمران ناشتہ تیار کرتا و پھر کا کھانا پکاتا۔ ...
نام کی چائے بناتا۔ ... اور.... رات کا کھانا بھی انہیں کھلاتے بغیر فلیٹ کے باہر قدم نہ نکالتا۔ اس
دن کا نام اس نے "یوم خدمت" رکھا تھا۔

جوزف کو اس کی یہ حرکت قطعی پسند نہیں تھی۔ لیکن مجبوری۔ ... عمران گردن پکڑ کر اسے
میز کے قریب بٹھا دیتا تھا اور سلیمان تو شہر اسی حکم کا غلام۔ بڑی سعادت مندی سے میز پر جم جاتا
اور نظام سنت کی طرح حکمرانی شروع کر دیتا۔

"ولیا اور...!" اس نے دلیے کی قاب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بہت بہتر جناب...!" عمران بھک کر قاب اٹھاتا ہوا بولا اور بچن کی طرف چلا گیا۔
"تم سالا بے شرم ہے...!" جوزف نے سلیمان کو آنکھ دکھائی۔

"اور تو... مادر زادہ نہ ہے... تجھے صاحب کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔!"
"باس پر خدار حرم کرے!" جوزف مخدوشی سانس لے کر بولا۔ "ہفت کو اس پر گودا کا سایہ
وجاتا ہے۔"

"میا یہ تیرے ملک کی کوئی فلم اسٹار ہے....؟"

"زبان بند کرو...! گودا میں سروں والا سانپ ہے۔!"

سلیمان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران واپس آگیا۔

”ارے باپ رے باپ سلیمان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر وہ کچن کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ عمران نے دوبارہ دروازہ کھول کر کیپٹن فیاض کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ کرے میں داخل ہو کر فیاض نے گھوٹی ہوئی نظریوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کون ہا...؟“ ”کوئی بھی نہیں۔!“

”تم نے بڑے اوب سے کسی کو میرے آنے کی اطلاع دی تھی۔!“

”ارے.... وہ.... وہ تو میرے آج کے صاحب تھے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”سلیمان صاحب....؟“

”بکواس مت کرو.... میں دیکھوں گا۔!“

”گھر حاضر ہے سوپر فیاض۔ تلاشی کے وارثت کے بغیر بھی تم تلاشی لے سکتے ہو....!“ فیاض نے اس پیشکش پر تکلف سے کام نہیں لیا تھا۔ فلیکٹ کا کونا کونا چجان کر پھر نشست کے کرے میں آبیٹھا۔

”تمہیں خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔ دراصل میں ہفتے میں ایک بار عوام کا خادم بننے کی پریکش کرتا ہوں۔ کیوں کہ بڑھاپے میں لیڈری کرنے کا رادہ ہے۔ فی الحال میرے قبضے میں دو عدد عوام ہیں۔ جوزف اور سلیمان۔!“

خلاف معقول فیاض کے چہرے پر اکتشاف کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمران کی باتوں میں بڑے خلوص سے دیکھی لے رہا ہو۔

”دو طرح کی عوام سمجھ لو....!“ عمران نے فیاض کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ساری دنیا میں صرف دو قسم کے عوام پائے جاتے ہیں۔ سعادت مند عوام.... اور احتاج کرنے والے عوام.... جوزف سعادت مند عوام کا نمائندہ ہے اور سلیمان احتاج کرنے والوں کا۔ لہذا بھی میں اس کے لئے ایک سوت پریس کروں گا۔ کیونکہ وہ آج میشی شود دیکھنے کا رادہ رکھتے ہیں۔ رہا جوزف تو اس کی چڑی ادھیڑ بھی تمہیں دکھانستا ہوں۔!“

”میں منتظر ہوں کہ تم اپنی بات ختم کرنے کا اعلان کب کرتے ہو...!“ فیاض مسکرا کر بولا۔

”سوال بات کا نہیں.... کام کا ہے.... اس کے منتظر ہو کہ کام کب ختم ہوتا ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”اب دو پھر کا کھانا تیار کروں گا۔ تم چاہو تو تم بھی دو پھر کا کھانا عوام ہی کے ساتھ کھا

”ذیلی تو ختم ہو گیا جتنا عالی۔!“

”خیر کوئی بات نہیں۔!“ سلیمان نے اپر واہی سے کہتے ہوئے جو زفہ سے سا۔ کہا۔

”رکھا۔“ تین سروں والے سانپ کا کیا مطلب ہے....؟“

”بس کرو....!“ جوزف پیر ٹھیک کر بولا۔ پھر وہ انہیں گیا تھا۔

”کافی اور انہیلوں جتنا ب.....!“ عمران نے بڑے اوب سے پوچھا۔

”مجھے معاف کر دو باس ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔!“

اس کے بعد وہ باس غمیں ٹھہرا۔

”بد نصیب ہے....!“ سلیمان مخفیہ سانس لے کر بولا۔

”وہ کس طرح جتنا عالی....!“

”آپ جیسے بڑے آدمی کا آقا بننا پسند نہیں کرتا۔ کہہ رہا تھا کہ بخت کو باس پر تکڑا کا مایہ ہو جاتا ہے۔!“

”نکوڈا....؟“

”جنی باں.... میں سمجھا تھا شاید باں وو کی کسی اداکارہ کا نام ہے۔!“

”تو پھر....!“

”کہنے والا تین سروں والے سانپ کو کہتے ہیں۔!“

”وہ تو میں خود تھیں: دوں جتنا عالی۔!“ عمران شرمند لجھتے ہیں بولا۔ ”آپ کو پتہ اور چاہتے۔“

”اگر رنگ والا سوت چاہتے۔ آج میشی شود دیکھنے جاؤں گا۔!“

”بہت بہتر جتنا ب.....! میں ابھی پریس کے دیتا ہوں۔!“

”کوٹ کی جیب میں دس کا ایک نوٹ بھی رکھ دیجئے گ۔!“

”لیکن یہ کی نیب میں تو اس وقت صرف باسخپیے پڑے ہوئے ہیں جتنا ب.....!“

”مجھے تاہم اس لیجھے....!“ سلیمان نے جڑی قرائشی سے کہا۔

”بہت بہت شکریہ جتنا ب.....! کیا ب میں میر صاف کر دوں۔!“

ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر سے کال نیل کاٹیں دیا۔

”ذراد کیستے تو کون ہے....!“ سلیمان نے براہمنہ بنا کر کہا۔

”بہت بہتر جتنا ب.....!“ عمران دروازے کی طرف بڑھ کر بولا۔

”خوز اساد دروازہ ہوا اور پھر جلدی سے بند کر کے سلیمان سے کہا۔ کیپٹن فیاض ہیں جانا۔!“

”پلیز.... عمران....!“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔
 ”ان دونوں سے اجازت دلوادو!“
 ”کیوں کو اس کر رہے ہو؟!“
 ”یقین کرو.... اپنے بنائے ہوئے دستور کا پابند ہوں۔ بخشنے میں ایک ذن ان دونوں کی
 خدمت میں نے اپنے اوپر فرض کر لی ہے!“

”میری طرف سے اجازت ہے صاحب....!“ وفتا سلیمان نے کمرے میں داخل ہوتے
 ہوئے کہا۔ غالباً وہ چھپ کر ان دونوں کی بات چیت سنتا رہا تھا۔
 ”واقعی....!“ عمران نے دیدے نچائے۔

”ایک شرط کے ساتھ....!“

”شرط بھی ہے....!“ عمران نے مخفی سانس لی۔
 ”جی ہاں.... دس روپے آپ مجھ سے ضرور قرض لیں گے!“

”منظور.... اچھا ب مسٹر جوزف کو بھی بلاو!“

”وہ اپنے کمرے میں بیخار دو رہا ہے!“

”کیوں....?“

”اُسے کچھ کچھ یقین ہو چلا ہے کہ آپ....!“ سلیمان نے کہتے ہوئے اپنی کپٹی کے قریب
 الگ نچاہی۔

”بے چارے سعادت مند عوام....!“ عمران کا یہ دروناک تھا۔

چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”اگر وہ میرے بارے میں ایسے خیالات رکھتا ہے تو پھر اس
 نالائق کی اجازت درکار نہیں۔ میں چل رہا ہوں کیپن فیاض!“

اس دوران میں کیپن فیاض کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آتے رہے تھے۔

کچھ دیر بعد فیاض کی گاڑی کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑ رہی تھی۔ وہ خود تن ڈرانیوں کر رہا تھا

اور عمران اس کے برابر ہی خاموش بیٹھا ہو گئوں کی طرح چاروں طرف دیکھا جا رہا تھا۔

”آخر سلطان کی طرف سے براہ راست اس قسم کی کوئی تجویز کیوں آئی!“ فیاض کچھ دیر
 بعد بولا۔

”میرا خیال ہے کہ سر سلطان سنگی ہیں۔ روزا میکس زیادہ سے زیادہ پوئیں سال کی ہو گی۔“
 ”مران نے مخفی سانس لے کر کہا۔ ہمیں تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو....?“

سکتے ہو۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”بخشنے کو صبح سے رات تک عوام کی خدمت کرتا ہتا ہوں۔ وہ تو کہو تم آگئے ورنہ اس وقت
 سلیمان مجھ سے ایک بار پھر کافی کے لئے پانی گرم کراتا۔ دوپہر کے کھانے پر اس کی تقدیمیں سنی
 ہوں تو میری دعوت قبول کرلو۔“

”میں سمجھ گیا.... تم کیا کر رہے ہو گے....!“ فیاض ہس پڑا۔

”مجبوری ہے....!“ عمران مسکی صورت بنا کر بولا۔ ”لیڈری بہر حال کرنی ہے۔“

”آدمی کب بخو گے!“

”یہی سب سے مشکل کام ہے۔ اسی لئے تو لیڈری کی سو بھی ہے۔!“

”خیر ختم کرو....!“ میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارا خیال درست نہ کا۔ لاش کے آس پاس کچھ
 بال ملے ہیں۔ اسپیشلٹ کی رپورٹ کے مطابق وہ کسی کتے کے بال ہیں۔!“

”اس عمارت میں پائے جانے والے کسی کتے کے بھی ہو سکتے ہیں۔!“

”نہیں.... وہاں کتنے نہیں تھے۔!“

”اور موبار کی اس عمارت میں بھی کتنے نہیں تھے جہاں پر ویسر کی لاش ملی تھی۔!“

”ہاں وہاں بھی نہیں تھے۔!“

”جزیرہ موبار کی اس عمارت اور بیہان شہر میں فرست سیکریٹری کی قیام گاہ کے درمیان کتنا
 فاصلہ ہو گا۔!“

”میں نہیں سمجھا کہ تم کیا کہنا چاہئے ہو....!“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”بن کجھ جاؤ.... یہ کوئی آوارہ کتا نہیں معلوم ہو تا اگر اتنا ہی خطرناک ہے تو اس کی نگرانی
 کے لئے بھی دوچار آدمی ساتھ رہے ہوں گے۔!“

”ہاں اس کے امکانات پر غور کر تاہماں ہوں۔!“

”کئے جاؤ غور.... اچھا ب مجھے اجازت دو.... ابھی کو فتوں کے لئے مسالا پیٹتا ہے۔!“

”تمہیں میرے ساتھ چلانا ہے۔!“

”نمکن.... عوام کی اجازت حاصل کئے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکوں گا۔!“

”نداق کی اور وقت پر اٹھا رکھو.... یہ بہت ضروری ہے۔!“

”میرے عوام....!“

”یا...! حقوقوں کی باتوں کا بھی کوئی مطلب ہوا کرتا ہے۔ چلو... جہاں جی چاہے لے چلو
میں کوئی اعتراض نہیں!“

فیاض نے اسے سکھیوں سے دیکھا تھا پھر اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار نظر آنے لگے
تھے۔ گاڑی سفیر کی قیام گاہ کے چھانک پر بیٹھی ہی تھی کہ خود سفیر پھانک کی طرف آتا نظر آیا۔
بڑا اس کے چھرے سے ظاہر ہو رہی تھی اور سانس چھولا ہوا تھا۔
”آفیسر...! وہ غائب ہو گئی!“ سفیر ہانپتا ہوا بولा۔
اسے دیکھ کر یہ دونوں گاڑی سے نیچے آ رہے تھے۔

”کب کی بات ہے...؟“ فیاض نے پوچھا۔

”بھی میں نے اسے بلایا تھا جہاں مقیم تھی وہاں نہیں ملی!“

”کوئی اور بھی تھا اس کے ساتھ...؟“ فیاض نے پوچھا۔

”وہ ملازم... دونوں اسی عمارت میں بیویوں پڑے ملے میں!“

”اگر آپ ابے ہماری تحویل میں دے دیتے تو شاید ایسا نہ ہوتا!“

”کچھ کرو آفیسر...! میں بڑی دشواریوں میں پڑ گیا ہوں!“

”وہ دونوں ملازم کہاں ہیں...؟“

”اسی عمارت میں...!“

”پہنچتا ہے... ہم دیکھ لیں گے...!“ فیاض بولा۔

سفیر نے اسے پیٹ لکھوایا اور وہ دونوں پھر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

”یہ سفیر ہے یا فلی والد...!“ عمران پر تشویش لجھ میں بولا۔

”کیا مطلب...!“

”کچھ نہیں...! میرا وقت برداز کرتے پھر و...!“

”ذرا اسی عمارت تک اور...!“

”چلو... چلواب ان دونوں نوکروں سے بھروسی بھی سناؤ گے۔“

کچھ دیر بعد گاڑی مائل ٹائون کی ایک عمارت کے قریب رکی۔

”سوپر فیاض...! عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے کسی ماتحت کو فون کر دو...!“

عمران نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب...?“

”سر سلطان کی ہدایت کے مطابق میں نے لڑکی سے براہ راست پوچھ گئے تھیں کی۔ لیکن
اس نے سفر کو کچھ بتایا ہے!“

”سوپر فیاض...! میں نے تم سے صرف یہ پوچھا تھا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو!“

”تمہارا کیا خیال ہے...!“

”جلو کہیں بیٹھ کر تمباکھیں!“ عمران نے جھویز پیش کی۔

فیاض نے نچلا ہوت دانتوں میں دبایا۔ عمران اسے سکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وغیرہ سب سے
اختیار کر کے بولا۔ ”اگر تم مجھے کسی کارروائی شناخت کے لئے کہیں لے جا رہے ہو تو اس نیال سے
باز آ جاؤ!“

”اوہو...! تو تم کچھ گے...!“

”فیاض...!“

”ہوں...! ہوں کر رہا ہوں!“

”گاڑی سکھیں روک دو...!“

”خوب...! تو تمہیں یقین ہے کہ روزا میکس تمہیں پہچان لے گی!“

”کیپٹن فیاض...! سر سلطان کی اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ تم محض ضابط کی کارروائی
کرتے رہو!“

”یہ بھی ضابطے کی کارروائی ہے۔ روزا میکس کا بیان ہے کہ صرف ایک مقامی آدمی پووفر
میکس سے ملنے آتا رہا تھا جس کا حلیہ پورے شہر میں صرف تم پر ف ہوتا ہے۔“

”سفیر نے تمہیں اس کا حلیہ بتایا ہے!“

”ہاں!“

”اور جب میں وہاں پہنچوں گا تو روزا کارروائی شناخت کے لئے پہلے سے موجود ہو گی!“

”واقعی تم تھیک نہیں!“

”تو تم سفیر کو مطلع کر کے میرے پاس آئے ہو گے کہ کسی کو کارروائی شناخت کے لئے
لا رہے ہو!“

”تھیں میں نے اسی کوئی بات نہیں کی۔ بس تم میرے ساتھ ہو گے!“

”سب پھر مجھے تو بالکل مزہ نہیں آئے گا!“ عمران چکا۔

”کیا مطلب...?“

”لیکن تمہارے والد نادر میری زندگی تھی کر دیں گے!“

”سر سلطان کا پیغام ان کے گوش گزار کیا جاسکتا ہے!“

”جہنم میں جائے!“ فیاض بھنا کر بولا۔ ”دور اتوں سے پوری نیند کو ترس رہا ہوں۔“

”عمران پکھتے بولا۔ اس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف انھر رہی تھی۔“

”فیاض.... الگے موڑتے نکالو گاڑی!“

”اُنکھے کیوں....؟“

”موڑو.... موڑو....!“

فیاض نے جیل و جنت کے بغیر اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ”آج ہی سارے بدلے گن کر لیں!“

”اب الگی گلی میں مزکر دوسرا طرف نکل چلو....!“

”اوہ....!“ فیاض عقب نما آئینے پر نظر ڈالتا ہوا بڑا ہوا۔ ”تعاقب....!“

”فکر نہ کرو.... چلے چلو....!“

گلی سے نکل کر دوسرا سڑک پر آئکے۔ عقب نما آئینے میں نیلے رنگ کی دوکس و میکن اب بھی نظر آرہی تھی۔

”اب کیا خیال ہے....؟“ فیاض نے پوچھا۔

تعاقب کا سلسلہ سفیر کی کوٹھی سے شروع ہوا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم گل فام ہو یا میں رشک قریب ہوں۔ لہذا مجھے ٹپ ناپ کے قریب اتار دیں!“

”اس سے کیا ہو گا!“

یاد بعلت استعمال کرو.... تمہارا تعاقب مقصود ہوتا تو سفیر کی کوٹھی تک پہنچنے سے پہلے گاڑی کھلائی دیتی۔

”اچھا.... اچھا.... سمجھ گیا!“

عمران کچھ نہیں بولا تھا۔ نیلی گاڑی تعاقب کرتی رہی۔

ٹپ ناپ کے قریب فیاض نے گاڑی روک دی۔

دوکس و میکن آگے بڑھتی چلی گئی۔ کچھ دور جا کر دوہ بھی روکی تھی۔

عمران گاڑی سے اتر کر فٹپا تھو پر کھڑا ہو گیا اور فیاض نے گاڑی آگے بڑھا دی لیکن دوکس دیگن جہاں تھی ویس کھڑی رہی۔

”قاعدے کی بات تائی ہے!“

”اوہ نہ... یہاں فون کہاں سے کروں گا!“

”اچھی بات ہے.... تم مجھے سیمیں چھوڑ جاؤ!“

”کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”یہی کہ عمارت میں داخل ہونا یا نہ ہونا تمہارا مسئلہ ہے میر انہیں!“

”اچھی بات ہے۔ میں خود ہی دیکھتا ہوں!“ فیاض جھنجڑا کر بولا۔

”میں تمہیں اتنا حق نہیں سمجھتا تھا!“

”کیا مطلب....؟“

”کچھ نہیں....! سفیر صاحب نے ازراہ عنایت اپنا آدمی تمہارے ساتھ نہیں بھیجا۔ وہ دونوں ملاز میں بھی یہاں بیوپش پائے گئے تھے تک کم از کم سفیر ہی کے کسی آدمی کے زیر گمراہی ہونے چاہئے تھے!“

”ہو سکتا ہے کوئی اندر موجود ہو....!“

”سفیر صاحب نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی!“

”آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”تمہاری خیریت....!“ عمران مخندی سانس لے کر بولا۔ ”اس لئے ناچیر کا مشورہ یہ ہے کہ سید ہے اپنے دفتر جاؤ اور وہاں سے سفیر کو فون کر کے کہو کہ ان دونوں ملاز میں کو تمہارے دفتر بھجوادے!“

فیاض سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بڑا کر بولا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو!“

”گاڑی دوبارہ اسارت ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔

”آخر سلطان....!“ فیاض کچھ کہتے رک گیا۔

”سر سلطان کی بات نہ کرو....!“ عمران بولا۔

”کیوں....؟“

”میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم تک وہ پیغام کیوں بھجوایا تھا!“

”ہوں.... اچھا....!“ فیاض پر تفکر لجھ میں بولا۔ ”تو پھر میں ان دونوں ملاز میں کا بیان لے کر خاموشی سے بیٹھ رہوں!“

”ذین پچ معاملات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے ہیں!“

نائب کرتا چلا آ رہا تھا!“
”مم.... میرا تعاقب....؟“ عمران نے احتجانہ انداز میں مزید کچھ کہنے کی کوشش کی تھی کہ وہا تھے اخاکر بولا۔ پہلے میری پوری بات سن لو۔ ”مجھے ایک ایسے چہرے کی تلاش تھی!۔“
”ایسے چہرے کی!“ عمران نے اپنے چہرے کی طرف انگلی اخاکر سوال کیا۔

”ہاں.... اتنی مخصوصیت میں نے کسی مرد کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ دنیا کی بہتری اقوام سے میرا ابطہ رہا ہے۔ لیکن تم...!“

عمران کسی ناخبر بہ کار لڑکی کی طرح شرم رہا ہے۔
”اوہ.... اوہ....!“ ہی کا جو ش اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ کہتے کہتے رُک کر اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دالیا اور عمران کو شوخ نظروں سے دیکھا رہا۔
عمران سر جھکائے بیٹھا تھا۔ آخر ہی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اب میں تمہارے فائدے کی بات کہوں گا!۔“

”مم.... میرے فائدے کی!....!“ عمران ہونقوں کی طرح سر اخاکر بولا۔

”ہاں.... ہاں.... پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کرتے ہو....؟“
”آج کل تو بیکار ہوں اس سے پہلے کمیشن اجتہد تھا!“
”کس چیز کی ایجنٹی تھی....؟“

”یہ نہ پوچھو.... بتاتے ہوئے شرم آتی ہے!“

”شرم کی بات ہے.... بتاؤ.... شاید اس سے بہتر کوئی کام تمہارے لئے تلاش کر سکوں!“

”در اصل میں پولیس افشار مر ہوں!“

”ہوں.... آؤں....!“ وہ پہنچ لجھے میں بولا۔ ”عام لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے، ایسے لوگوں کو....!“

”اسی لئے تو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے!“

”خیر.... خیر.... تم میری تجویز سنو گے تو واچھل پڑو گے!“

استئے میں دشیر طلب کی ہوئی اشیاء لے آیا۔

عمران چائے دافنی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سے قبل کی ساری گفتگو اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی ہو۔ جلد سے جلد پیالی میں چائے انڈیلیں لینا چاہتا تھا۔ ”اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔“ ہی کے سینڈوچ پر ساس لگاتے ہوئے کہا۔

عمران نے سر کو خفیہ سی جبکہ دی اور کلب کی کپاؤٹھ میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس کا رنے عمارت کی بجائے پارکنگ شیڈ کی طرف تھا۔ ایک ستوں کی اوٹ میں رُک کر پھانک کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد نیلی گاڑی کپاؤٹھ میں داخل ہوتی نظر آئی۔

عمران اس پوزیشن میں ہا کہ عمارت کے صدر دروازے والی سمت کے علاوہ اور کسی طرف سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

گاڑی سے اترنے والا غیر ملکی پیسی صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

عمران اُسے دیکھ کر چونکا تھا پھر ایک منی خیز مسکراہٹ اس کے ہونقوں پر نمودار ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ ٹھلتا ہوا وہ صدر دروازے کے قریب پہنچا۔ پہنچوڑے ہی فاسٹے پر کھڑا شاید ڈائینگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور آگے بڑھ کر اسی حرکت کر بیٹھا جسے معمولی عقل رکھنے والا کوئی سراغ رسان بھی حکمت عملی تسلیم کر لیں پر تیار نہ ہوتا۔

اس نے ہی سے مود بانہ پوچھا۔ ”کیا آپ کو گائیڈ کی ضرورت ہے!“

پہنچنے اُسے غور سے دیکھا اور پر سرست آمیز انداز میں اچھل پڑا۔

”تم گائیڈ ہو....!“ اس کی چیلکتی ہوئی سی آواز پر ہال کے دوسرا لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔

”جی ہاں.... جتاب....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

”میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم خود ہی مجھ سے مل بیٹھو گے۔!“ وہ عمران کا بازدہ پکڑ کر

گرم جوشی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ ”آؤ....! پہلے کچھ کھاپی لیں میرے دوست تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے!“

وہ اُسے کھینچتا ہوا ایک خالی میز کے قریب لایا۔

”بیٹھو.... بیٹھ جاؤ.... ایسا مخصوص چہرہ میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔“

عمران کسی سعادت مند بیچ کی طرح اس کے کہنے پر عمل کر رہا تھا۔

پہنچنے ویژہ کو بلا کر کافی اور سینڈوچ کا آرڈر دیا۔

”میں صرف چائے پیتا ہوں۔!“ عمران شر میلے لجھے میں بولا۔

”اچھا.... اچھا.... ان کے لئے چائے لاوائے!“

ویژہ کے چلے جانے کے بعد وہ عمران کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”بہت دور سے تمہارا

”کیا مطلب....؟“
 ”ان کیلئے کھانا اور ناشتہ تیار کرنا پڑتا ہے جب تک تجوہ ادا نہ کروں اس طرح زندگی بسر ہوگی!۔“
 ”کیا یہ تمہارے ملک کا قانون ہے....؟“
 ”نہیں یہ.... یہ آپس میں سمجھوتے کی بات ہے....!“
 ”فطرنا بھی مخصوص ہی لگتے ہو....!“ پس کر بولا۔ ”بہر حال اس سے کیا فرق بڑتا ہے۔
 میں تمہارے گھر ضرور چلوں گا۔ ریل تیار کرنی ہے تاکہ تصویریں وہاں بھی لوں گا!۔“
 کسی قدر پچاہت ظاہر کرنے کے بعد عمران اس پر تیار ہو گیا تھا۔
 فلیٹ مقفل ملا۔ شاید سیمان جوزف کو بھی بہک کر اپنے ساتھ کہیں لے گیا تھا۔
 ایک سمجھی عمران کی جیب میں بھی موجود تھی لیکن وہ مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے
 بے حد افسوس ہے مشر... وہ دونوں کسی طرف نکل گے!“
 ”کوئی بات نہیں۔ اور کہیں چلتے ہیں۔“ پس نے کہا دیے اس نے عمران کو فلیٹ کے دروازے
 کے قریب کھڑا کر کے ایک بار کسہ چلا دیا تھا۔
 پھر وہ دوبارہ نیچے آئے اور پسی نے سڑک کی دوسری جانب سے بلندگ کی تصاویر بھی لیں۔
 ”بڑی عجیب بات ہے۔!“ دعطا عمران بڑا یا۔
 ”کیا مطلب....؟“
 ”اتا کچھ ہو گیا لیکن ابھی تک نہ تم نے اپنانام بتایا اور نہ میرانام جانے کی کوشش کی!۔“
 ”ناموں میں کیا رکھا ہے میرے دوست....!“ پس بولا۔ ”نام ہی تو ہمیں ایک دوسرے
 سے بہت دور کر دیتے ہیں۔ تم میں ہو۔ اور.... میں تم ہوں!۔“
 ”کیا بہم فلم سے فلفے کے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔“ عمران نے چوک کر پوچھا۔
 ”ختم کرو۔۔۔ چلو۔۔۔ یہ گھاڑی میں.... تم مجھے ولیم کہہ سکتے ہو....!“
 ”میں عمران ہوں....!“
 دونوں نے احقوقی طرح ہستے ہوئے ہاتھ ملاجئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ”اب تم مجھے اپنی
 لفڑی کے پاس لے چلو۔“ پسی نے عمران سے کہا۔
 ”اگر صانت چاہتے ہو تو کسی بیٹکر کے پاس لے چلو۔!“ عمران نے شہنشہی سانس لے کر
 بل۔ ”گرل فریڈ بے چاری اس سلسلے میں کیا کر سکے گی!۔“
 ”صانت کی ضرورت نہیں۔ لاکیوں کے ساتھ تمہارا دیہ بھی فلمانا چاہتا ہوں!۔“

”ضروری... ضروری....!“
 ”میں ہالی ووڈ کیے ایک بہت بڑے فلمی ادارے کا نمائندہ ہوں!۔“
 ”اوہ... تب تو تم نے صوفیہ لورین کو بھی قریب سے دیکھا ہو گا۔ ”دعطا عمران چیک کر بولا۔
 ”کیوں نہیں.... کیوں نہیں!۔“
 ”کیسی لگتی ہے....؟“ عمران نے شرم آلو دندیہ سے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔
 ”اب اس میں کیا رکھا ہے....؟“ پسی نے بیزاری سے کہا۔
 ”نہیں ایسا نہ کہو۔۔۔ وہ ہمیشہ اچھی لگتا ہے گی!۔“
 ”کیا تم اسے قریب سے دیکھنا چاہتے ہو....؟“
 ”میرا ایسا مقدر کہاں....!“
 ”جب تو تم مجھے میری تجویز من کر اچھل پڑو گے!۔“
 ”ارے تو تباہا....!“
 ”ہمارا ادارہ امن کے موضوع پر ایک فلم بنانا چاہتا ہے۔ لہذا اس کے نمائندے معمو
 چروں کی ملاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں!۔“
 ”چچچچ....!“ عمران بے حد خوشی ظاہر کرتا ہوا بولتا۔
 ”ہاں اور اب تم مجھے تباہ کیا یہ پیشہ اپنے لئے مناسب سمجھتے ہو۔!“
 ”ہائے....! میں تو بچپن ہی سے فلمی ہیر و بنے کے خواب دیکھا رہا ہوں!۔“
 ”بس تو میں تمہاری تحریک تصویریں کی ایک ریل تیار کر کے پہلی فلاٹ سے ہالی وہ بھی
 دوں گا!۔“
 ”مجھے یقین نہیں آ رہا۔ کہیں تم نہیں میں تو نہیں ہو میرے دوست....!“
 ”پسی نے قہقهہ لگایا۔ چند لمحے ہنستا رہا پھر بولا۔ ”ابھی تمہیں یقین آجائے گا!۔“
 ”خوزی دیر بعد پسی نے دیٹر کو طلب کر کے بل کی قیمت ادا کی اور وہ دونوں انٹھ کر باہر آئے۔
 گاڑی کے قریب پہنچ کر پسی نے عمران کے لئے اگلی نشت کا دروازہ کھوالا۔ پھر دوسرے
 طرف سے خود بھی بیٹھ کر انہیں اشارت کرنے لگا۔
 ”مجھے اپنے گھر لے چلو....!“ اس نے پھانک سے گاڑی نکلاتے ہوئے کہا۔
 ”ضروری... ضروری....!“ لیکن آج کل میرے حالات بہت خراب ہیں۔ دو ماہ سے اپنے
 ملاز میں کو تجوہ نہیں دے سکا۔ اس لئے اب مجھے ان کی خدمت کرنی پڑتی ہے!۔“

بولہ۔ ”چلو یہاں ایک ایسی لڑکی رہتی ہے جو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔“
 ”وو.... دیکھو.... دوست....!“ عمران ہاتپ کر رہ گیا۔
 ”پسی نے قہقہہ لگای۔!“ اور اسے دھکلیتا ہوا عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔
 کال بل کا بیٹن دبانے پر کسی نے اندر سے دروازہ کھولا تھا۔ وہ دونوں طویل راہبری سے گزر
 کر ایک کمرے میں داخل ہوئے۔
 دروازہ کھونے والا بھی پسی ہی کی طرح سفید فام تھا اور اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے
 پسی کے مقابلے میں کتر حیثیت رکھتا ہو۔ پسی نے اس سے کہا۔ ”لڑکی کو لاو۔!“
 ”وہ چلا گیا اور پسی نے عمران سے پوچھا۔ ”گون سی پیٹتے ہو....؟“
 ”ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔!“ عمران شرم اکبر بولا۔
 ”کیا مطلب....!“
 ”ہمارے یہاں کنوارے شادوں تارہ ہی پیتے ہیں۔ شادی کے بعد البتہ غم غلط کرنے کے لئے
 پیٹتی ہے۔!“
 ”بکواس مت کرو....!“ دفتار پسی کا لبجہ بدال گیا۔
 ”اچھی بات ہے....!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔
 ”کیا تم مجھے احمد سمجھتے ہو....!“ پسی اسے گھورتا ہوا بولا۔
 ”میرے علاوہ اس بھری پری دنیا میں تمہیں ایک بھی احمد نہیں ملے گا۔!“ عمران نے غماں کا
 لبجہ میں کہا۔
 دفتار ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن عمران پر نظر پڑتے ہی اس طرح ٹھٹھک گئی
 جیسے غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔
 پسی اسے دیکھ کر اٹھا نہیں تھا۔ وہ کبھی عمران کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ دفتار
 کی لکھنے کتے کی طرح غریبا۔ ”کیا یہی آدمی پروفیسر سے ملتا تھا۔...؟“
 ”نہیں تو....!“ وہ برجستہ بولی۔
 ”تم جھوٹ بول رہی ہو۔!“
 ”ہٹ دھری کا کوئی علاج ہی نہیں۔!“ لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”تم نے یہی حلیہ بتایا تھا۔!“
 ”میں نے کہا تھا کہ ایک خوب صورت سانو جوان تھا لیکن یہ تو بالکل بے وقف گلتا تھا۔!“

”نیسا سرے سے کوئی رویہ ہی نہیں ہوتا۔ البتہ لڑکیوں کا رویہ ساؤنڈ ٹریک کے لیفٹر سمجھے
 میں نہیں آتا۔!“
 ”میں نہیں سمجھا۔!“
 ”گھا لیاں دیتی ہیں اگر قریب سے بھی گزر جاؤ۔!“
 ”پھر بھی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔!“
 ”محکے آج تک کسی لڑکی نے لفت ہی نہیں دی۔!“
 ”حالانکہ بڑی سکس ایل رکھتے ہو۔!“
 ”شکریہ....!“ عمران شرم اکبر بولا۔
 ”اچھی بات ہے....! چلو میں تمہیں ایک لڑکی کے پاس لے چلا ہوں۔!“
 ”کتنی دیر میں دوست بن جائے گی....؟“ عمران نے سوال کیا۔
 ”یہ تمہاری اپنی صلاحیت پر مخصر ہے۔!“
 ”اگر اس کا انحصار مجھ پر ہو گا تو پھر تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔!
 ”کیوں....؟“
 ”لڑکیوں کے قریب پہنچتے ہی میری گرامر بہت کمزور ہو جاتی ہے۔!
 ”لڑکیوں سے ڈرتے ہو....!“ وہ نہ پڑا۔
 عمران نے شرم اکبر جھکا لیا۔
 ”میں نے سنا تھا کہ تمہارے ملک میں اب بھی شر میلی عورتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن تم....!
 تم شاید ان سے بھی زیادہ شر میلے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پہلی ہی فلم میں اشارہ بن جاؤ گے۔ مغرب
 کی لڑکیاں تم جیسے پر جان دیتی ہیں۔!
 ”تب تو مشکل ہے....!“
 ”کیا مشکل ہے....!“
 ”لڑکیوں کی بات نہ کرو۔!
 ”مکمل ہے۔!
 گاڑی تیز رفتاری سے ساطھی علاقے کی طرف چلی جا رہی تھی۔ بلا آخر ایک عمارت کے
 سامنے رکی۔
 ”اترو....!“ پسی بولا۔ عمران خوشی سے اتر گیا۔ پسی اسے عمارت کی طرف دھکلیا۔!

”بیے ایک پولیس انفارمر ہے...!“

”تو پھر میں کیا کروں...!“

عمران جیرت سے منہ چھڑائے کبھی روزا میکس کی شکل دیکھتا تھا اور کبھی پھی کی۔

”تم بولو...!“ فقط ہی ریو الور نکال کر اس کارخ عمران کی طرف کرتا ہوا بولا۔ ”کیا تم اس

لڑکی کو پہچانتے ہو...?“

”میرا خیال ہے کہ میں کسی پاگل کے چکر میں پڑ گیا ہوں۔“ عمران نے خوف زدگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میرے سوال کا جواب دو!“

”میں تمہیں پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ لاکیاں مجھے منہ لگانا پسند نہیں کرتیں میری کسی لاکی سے دوستی نہیں لیکن تم یہ قصہ نکال بیٹھے!“

”تم پولیس انفارمر ہو...!“

”یہ میں تمہیں پہلے بھی بتاچکا ہوں اور اُس وقت بھی ایک پولیس آفیسر ہی کی گاڑی سے اُن کرٹپ ناپ میں داخل ہوا تھا۔“

”تو اسی آفیسر کے لئے تم پروفیسر میکس نے ملتے رہے تھے!“

”پروفیسر میکس...؟“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کہیں یہ نام سناتو ہے۔ میرے خدا تو یہ لڑکی ہے!“

”کیا مطلب...?“

”آہا.... تم نے ابھی اس کا نام روزا میکس ہی تو لیا تھا۔!“

”ہاں.... تو پھر...?“

”اُس آفیسر کو اسی لڑکی کی تلاش تھی۔!“

”تم اتنے اطمینان سے گفتگو کر رہے ہو جیسے یہاں سے زندہ واپس جاسکو گے۔!“

”لگ کیا مطلب...!“ عمران کی آواز کی کپکاہٹ فطری معلوم ہو رہی تھی۔

”تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکتے علی عمران....! اور نہ مجھے بے وقوف بنائیتے ہو۔!“

”تبت.... تو.... وہ فلم کمپنی والی بات....!“

”بکواس بند کرو....!“

”اچھا.. اچھا.. یہ ریو الور وہیں رکھ لو جہاں سے نکلا تھا۔ مجھ پر اس کار عرب نہیں پڑ سکتا۔“

میں نے ابھی اپنا موجودہ پیشہ ترک نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ صوفیہ لورین جائے جہنم میں۔!“

”گیلارڈ...!“ پیسی نے ریو الور کا رخ بدستور عمران کی طرف کئے ہوئے کسی کو آواز دی۔

روزا میکس برا سانگہ بنائے چھٹ کی طرف دیکھ جا رہی تھی لیکن پیسی کی آواز پر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہی آدمی کمرے کے اندر داخل ہوا جس نے کچھ دیر قبل روزا میکس کو کر کے میں پہنچایا تھا۔!

”اس آدمی کے ہاتھ پر باندھ دو....!“ پیسی نے عمران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں نہیں کبھی سکتا کہ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو!“ عمران نے پیسی سے کہا۔

”پروفیسر کس کا مہمان تھا....؟“ پیسی نے کہا اور ہاتھ اٹھا کر آدمی کو روک دیا جو عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”سنود وست....! میں کسی پروفیسر سے واقف نہیں ہوں اور اس لڑکی کو بھی میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔!“

”کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم ہی آئی ڈی کے ڈائریکٹر جزل کے میئے ہو۔!“

”یہ بالکل درست ہے۔!“

”اور تم ایک خطرناک آدمی ہو۔!“

”یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ آوارہ ضرور ہوں۔ اسی لئے باپ سے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔!“

”میں جانتا ہوں....!“

”بس تو پھر یہ کھلی ختم کرو....!“

”پولیس نے روزا میکس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تھی۔!“

”پولیس انفارمر صرف ان لوگوں کو اطلاعات فراہم کرتا ہے ان کے رازوں سے واقف نہیں ہوتا۔ اتنی عقل تو تم بھی رکھتے ہو۔!“

”تو پھر اب میں تمہارا کیا کروں....؟“ پیسی جھنجلا کر بولا۔

”بہت دیر بعد کوئی عقل مندی کی بات کی ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”بس اوقات میں

”سروں کے لئے بھی کام کرتا ہوں۔ لیکن معادنہ معمولی نہیں ہوتا۔!“

”اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ پولیس نے روزا میکس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کیوں نہیں

کی تو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکوں گا۔ اب مجھے یاد آگیا شاید یہ اسی غیر ملکی کا تصدیق ہے جسے

”بھار کی ایک عمارت میں کسی درندے نے ختم کر دیا تھا۔!“

”بکواس بند کرو....!“
 ”فائز کرو....!“ عمران پھر چینا۔
 ”بیٹھ جاؤ....!“
 ”نہیں بیٹھوں گا.... تم فائز کرو....!“
 ”میری بات سنو....!“ پھر آنکھیں نکال کر غرایا۔
 ”ہر گز نہیں.... اب دلاکھ میں بھی تمہارا کام نہیں کروں گا!“
 ٹھیک اسی وقت کمرے میں ایک اور آدمی داخل ہوا۔ دیکھتے ہی پھر بوكھلا کر کھڑا ہو گیا۔
 ”یہ کیا حرکت ہے.... روپالور جیب میں رکھ لو....!“ آنے والے نے سرد لبجھ میں کہا۔
 پھر نے خوف زدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعیین کی تھی۔
 عمران نووارد کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھے جا رہا تھا کچھ عجیب حلیہ تھا اس کا.... تھا تو غیر ملکی
 لیکن سر اور چہرے پر نام کو بھی بال نہیں تھے۔ بھنوں تک صاف تھیں۔
 ”مجھے افسوس ہے مسٹر علی عمران۔ وہ نرم لبجھ میں بولا۔ ”بیٹھ جاؤ!“
 عمران تھیگرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا بیٹھ گیا۔
 ”اور تم باہر جاؤ!“ نووارد نے پھر کو مخاطب کر کے سخت لبجھ میں کہا۔ وہ چپ چاپ کرے
 سے چلا گیا۔
 ”میرا نام بکسر ہے.... ذیوڈ بکسر....!“
 ”بڑی خوشی ہوئی مل کر....!“ عمران نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ کس طرح تمہیں یہاں تک لا یا تھا!“
 ”کیوں نہیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے پوری کہانی دہرا دی۔
 ”میں تم سے ملتا چاہتا تھا....!“ بکسر نے طویل سانس لے کر کہا۔ لیکن اس طرح نہیں۔
 اس بد تمیز نے گھلیا طریقہ اختیار کیا جس کے لئے میں معدورت خواہ ہوں....!
 ”کوئی بات نہیں.... سب چلتا ہے....!“ عمران بس کر بولا۔
 ”میں تم دونوں کی گفتگو ستارہ ہوں۔ تم واقعی بہت دلیر آدمی ہو۔!“
 ”کوئی خاص دلیر بھی نہیں بس اس کی بہت دھرمی پر غصہ آگیا تھا!“
 ”خیر.... میں کوشش کروں گا کہ اس کا ازالہ ہو جائے!“
 ”سوال تو یہ ہے کہ میں....!“

روز اور ہی دونوں عمران کو گھوڑے جا رہے تھے کچھ دیر خاموشی رہی پھر پھر پھر دوسرے آدمی
 سے بولا۔ ”لڑکی کو لے جاؤ!“
 روز اب اسامنہ بنائے ہوئے خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
 ”ہاں اب بات کرو....!“ پھر ان کے پلے جانے کے بعد بولا۔
 ”میں کیا کروں.... بات تو تمہیں کرنی ہے!“
 ”نہیں تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سلسلے میں تم سے کیا کہنا چاہئے۔!“ پھر اس کی آنکھوں میں ریکھ
 ہوا بولا۔
 ”تم نے میری ساری خوشیاں خاک میں ملا دیں۔“ عمران نے بھرا لی ہوئی آواز میں کہا۔
 کے چہرے پر گھرے غم کا تاثر تھا۔
 ”دیکھو....! مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو.... میں تمہارے بارے میں سب کے
 جانتا ہوں۔!“
 ”تم جو کچھ بھی جانتے ہو میں اس کی تردید نہیں کروں گا۔“ عمران بدستور غم ناک لبجھ
 بولا۔ ”لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اپنی موجودہ زندگی سے ننگ آگیا ہوں۔ تبدیلی چاہتا ہوں
 لیکن تم نے بھی دھوکہ دیا۔ مجھے چھانے کے لئے اس قسم کا جاں پھیلا بیٹھے۔!
 ”فضل باتیں ختم کرو....!“ پھر چیخ کر بولا۔
 ”اب نہیں بولوں گا.... جو جی چاہے کرلو....!“
 ”تم مجھے بتاؤ کہ پروفیسر میکس حقیقتاً کس کا مہماں تھا!“
 ”دوہزار روپے لوں کا اور دو دن بعد بتاؤں گا کہ کس کا مہماں تھا!“
 ”بکواس مت کرو....!“
 ”تم آدمی ہو یا زبان چلانے کی مشین۔!“
 ”میں دوسروں کو مار دینے کی بھی مشین ہوں۔!“
 ”اچھی بات ہے تو پھر کرو فائز....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔
 ”بیٹھ جاؤ.... اور نہ سچچ...!“
 ”کرو فائز....!“ عمران دہاڑا۔
 ”کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے!“
 ”تم اول درجے کے گدھے ہو۔ تمہیں دھنکانا بھی نہیں آتا۔!“

”ایک منٹ....!“ بکسر پر اتحاد اٹھا کر بولا۔ ”پہلے میری پوری بات سن لو!“
”اچھی بات ہے۔!“

”سگریت.....!“ بکسر نے سگریت کیس عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
”نہیں شکریہ....! میں سگریت نہیں پیتا!“

”غیر....ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ پروفیسر میکن
یاسفارت خانے کے فرست سیکریٹری کی اموات کا تعلق ہماری ذات سے نہیں۔!“

”چلو تسلیم کر لیا!“

”روزا میکس سے بھی ہم صرف اتنا معلوم کرنا چاہتے تھے کہ پروفیسر حقیقت کس کا مہمان تھا
لیکن وہ نہیں بتا سکی۔!“

”میں نے کہا تھا کہ اگر میں کوشش کروں تو معلوم کر سکتا ہوں۔ صرف دو ہزار!“

”میری طرف سے چار ہزار کی پیش کش ہے مسٹر علی عمران۔!“

”اور دو دن کی مہلت....!“

”منظور....! دوسری بات....! روزا میکس کو متعلقہ لوگوں تک پہنچانا بھی تمہاری ہی ذمہ
داری ہو گی۔ اس کے لئے مزید ایک ہزار دوں گا۔

”یعنی مجھی طور پر پانچ ہزار!“ عمران بے حد مسرور ہوتا ہوا پول۔

”پانچ ہزار... اور ڈھائی ہزار میں تمہیں ابھی دے سکتا ہوں۔ لیکن روزا کو تم کہاں پہنچاؤ گے۔!“

”سفارت خانے!“

”نہیں۔!“

”کیپن فیاض.... یعنی کہ وہ آفسیر جو اس کیس کی تحقیق کر رہا ہے۔!“

”وہ بھی نہیں....!“

”تو پھر....?“

تم اسے اپنے باپ رحمان کے پاس لے جاؤ گے اور ان سے کہو گے کہ ڈیوڈ بکسر کی طرف
سے مذعرت کے ساتھ۔!

”کیا وہ تمہیں جانتے ہیں....؟“

”یہاں مسٹر رحمان کے علاوہ مجھے اور کوئی نہیں جانتا۔!“

”اچھی بات ہے.... تو نکالو جلدی سے ڈھائی ہزار!“

”تم یہیں نہیں ہیڑو.... میں ابھی آیا!“ بکسر اٹھتا ہوا بولا۔
عمران کرے میں تھارہ گیا۔ چھت کی طرف دیکھ کر اس نے آنکھ ماری اور آہستہ آہستہ سر
سمجنے لگا۔

ٹھوڑی دیر بعد بکسر واپس آیا۔ روزا میکس اس کے ساتھ تھی۔

”ڈھائی ہزار....!“ نوٹوں کی گذی عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اور وہ گاڑی بھی
استعمال کر سکتے ہو جو باہر کھڑی ہے۔!“

نوٹ لے کر عمران نے کوٹ کی اندر ورنی جب میں رکھے اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار
پیدا کر کے بولا۔ ”پھر وہ گاڑی کہاں واپس کی جائے۔!“

”گاڑی بھی تم ہی رکھو....!“

”بہت بہت شکریہ....! دو دن بعد تم سے کس طرح رابطہ قائم کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ
مجھ پر اس حد تک اعتماد نہ کر سکو گے کہ اسی عمارت میں بیٹھے رہوں۔!“

”تم بہت سمجھ دار ہو علی عمران....!“ وہ عمران کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا۔

”چلو....!“ عمران روزا سے بولا۔

”اب مجھے کہاں جانا ہو گا....؟“ روزا نے لاپرواہی سے پوچھا۔

”میں بتاؤں گا....!“

وہ باہر نکلے...! نیلی و دیگن اب بھی دیں موجود تھی جہاں پہلے کھڑی تھی۔ اگنیشن میں
کنجی بھی گئی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عمران نے ابھن اسٹارٹ کیا اور پر گاڑی آگے بڑھ گئی۔

روزانے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ عمران نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ
کیا۔ اس کی نظر عقب نما آئینے کی طرف تھی جب اچھی طرح وہ اٹھینا کر چکا کہ تعاقب نہیں کیا

جا رہا تو اس نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ایک بار پھر روزا کو خاموش رہنے
کی تاکید کرتا ہوا نیچے اتر اور گاڑی کا دروازہ اتنی احتیاط سے بند کیا کہ آواز نہ ہونے پائے۔ ابھن بند
نہیں کیا تھا۔ روزا کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے بھی نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ اسے گھوڑتی ہوئی

گاڑی سے اتر آئی۔ پھر گاڑی وہیں چھوڑ کر عمران اسے پیدل ہی ایک جانب لے چلا تھا۔

”تم نے گاڑی کا ابھن بند نہیں کیا تھا۔!“ روزا کچھ دور چلنے کے بعد جھٹ لجھ میں بوی۔

”فلکرنے کرو.... چلتی رہو.... ورنہ پھر کسی دوسری مصیبت میں پڑو گی۔!“

”میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ کیا میں نے تمہیں اس سے رقم وصول کرتے نہیں دیکھا تھا۔!“

”اطمینان سے بتاؤ گا۔ فی الحال مجھ سے کسی مسئلے پر الجھنے کی کوشش نہ کرو!“
”مجھے کسی مسئلہ کی پرواہ نہیں ہے۔ چلو کہاں چلتے ہو۔!“
”ابھی بتاتا ہوں!...!“

وہ دوسری بڑک پر آٹھے تھے۔ یہاں جلد ہی ان کو ایک خالی نیکی مل گئی تھی۔
”بس چلتے رہو....!“ عمران نے نیکی ڈرائیور سے کہا۔
”بہت اچھا صاحب...!“ وہ پر معنی انداز میں سکرایا تھا۔
”اگر تم مجھے پہچان لیتیں تو پتہ کیا ہوتا!“ عمران نے روزا سے کہا۔

”مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں....! ویسے مجھے احساس تھا کہ اگر اس نے میری آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک دیکھ لی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن میں تم سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ تم میرے باپ سے کیوں ملتے رہے تھے!“
”پروفیسر سے میری بہت پرانی جان پہچان تھی۔ یہاں آنے سے قبل انہوں نے جبراۓ
مجھے خط لکھا تھا۔!“

”لیکن ڈیڑی نے کبھی مجھے تمہارے متعلق نہیں بتایا تھا۔!“
”مجھے افسوس ہے کہ پروفیسر کی بیٹی ہونے کے باوجود بھی تم پروفیسر کو نہیں جانتی تھیں۔!“
”کیا مطلب....؟“

”پروفیسر غیر ضروری باتیں نہیں کرتے تھے۔ تم بھلان کے کتنے جاننے والوں سے واقف ہو۔!
روز اپکھنہ بولی۔ عمران نے تجوڑی دیر بعد پھر پوچھا۔ ”تم ان لوگوں کے ہاتھ کیوں کر گئی تھی۔!“

”میں نہیں جانتی کہ اس عمارت تک کیسے پہنچی تھی۔ پہلی رات جس عمارت میں سوئی تھی
وہ کوئی دوسری تھی۔!“

”اس عمارت میں تمہارے علاوہ کون تھا....?“
”دولازام تھے.... اور میں تھی۔!“

”کیا سفیر اپنے خاندان والوں کے ساتھ تمہیں نہیں رکھ سکتا تھا۔!“
”کیا فرق پڑتا ہے....!“ روزانے بُر اسامنہ بنا کر شانوں کو جنسش دی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولی۔ ”مجھے تھی نہیں معلوم کہ ڈیڑی یہاں کیوں آئے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ
ہوا کہ وہ سفیر کی بجائے کسی اور کے مہمان تھے۔!“

”یہ تو انہوں نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا۔!“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔


رحمان صاحب کی میز پر رکھے ہوئے اثاثہ منٹ میں سے ایک کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر آن کی پیشانی پر ٹکنیں پڑ گئیں۔

”یا بات ہے....؟“ انہوں نے سخت لمحہ میں پوچھا۔
جو لوگ روزا میکس کو لے گئے تھے میرے توسط سے آپ تک اسے پہنچانا چاہتے ہیں۔!“

”کون لوگ لے گئے تھے....؟“
”کیا ڈیڑہ بکر نامی کسی شخص سے آپ واقف ہیں۔!“
”لیکن کبواس ہے۔ میں نے تم سے روزا میکس کے اگواندگان کے بارے میں پوچھا تھا۔!
”وہی عرض کر رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ڈیڑہ بکر نامی ایک شخص نے اسے یہاں سے جو اے کر کے آپ تک پہنچانے کی درخواست کی تھی۔!“

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔!“

”بیٹیں سے.... مطلب یہ کہ شہری سے۔!“

”لڑکی اس وقت کہاں ہے....؟“

”میرے ساتھ۔!“

”اے کیپشن فیاض کے حوالے کر کے یہاں آ جاؤ۔!“

”یہ ناممکن ہے آپ تک پہنچانے کے عوض ڈیڑہ بکر نے مجھے ایک ہزار روپے دیے ہیں۔!
”تمہارا دامغ تو نہیں چل گیا۔....!“

”یقین کیجیے....! اس وقت مبلغ ڈھانچی ہزار روپے میری جیب میں موجود ہیں ایک اور کام
کے عوض مبلغ چار ہزار روپے ہوئے ہیں۔!
میں گھر جا رہا ہوں فوراً وہیں پہنچو۔۔۔ رحمان صاحب نے کہہ کر ریسیور کریٹل پر رکھ دیا۔
آفس سے نکل کر وہ گاڑی میں بیٹھے اور انہیں گھر تک پہنچنے میں سات یا آٹھ منٹ سے زیادہ
نہیں لگے تھے۔

چھانک کے قریب ایک نیکی کھڑی نظر آئی جس میں عمران ایک غیر ملکی لڑکی کے ساتھ
بیٹھا ہوا تھا۔
رحمان صاحب کی گاڑی دیکھ کر چوکیدار نے چھانک کھوول دیا اور رحمان صاحب عمران کو اندر

آنے کا شمارہ کرتے ہوئے گاڑی کپاٹ میں لیتے چل گئے۔ آج وہ خود ہی ڈرائیور کر رہے تھے۔ شاید ڈرائیور چھٹی پر تھا۔

”ہم تو سب آپ کو پہلے ہی بولتا تھا۔ اندر آجائو۔“ پوکیدار عمران کی طرف دیکھ کر گھمھلا کرنے کرو...! اسپل ٹھیک ہے...!“ عمران نے ٹیکسی سے اترنے ہوئے کہا۔ کہا یہ ادا کر کے روزا میکس کو ساتھ لئے ہوئے کپاٹ میں داخل ہوا۔

پکھد دیر بعد رحمان صاحب لا ببری میں بیٹھے اس کی کھال ادھیڑ دینے کے امکانات پر غور کر رہے تھے اور عمران سمسمی صورت بنائے کبھی ان کی طرف دیکھتا تھا۔ کبھی روزا میکس کی طرف۔

”لاؤ... وہ روپے نکالو...!“ رحمان صاحب نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ عمران کی پوری کہانی وہ سن چکے تھے۔

عمران نے نوٹوں کی گذی جیب سے نکال کر ان کے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میری پہلی کمائی۔!“

”بکواس بند کرو...!“ انہوں نے گذی اٹھا کر میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اور وہ گاڑی کہاں ہے؟“ ”میں اسے چھشم روڑ کے چڑاہے کے قریب چھوڑ آیا ہوں۔!“

”کیوں...؟“ ”اس لئے کہ اس میں ٹرانس میٹر اور سمت نما دنوں ہی خوف ناک چیزیں موجود تھیں!“ اب اگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ پروفیسر میکس حقیقت کس کے مہمان تھے تو میں مزید ڈھانی ہزار بھی فوری طور پر وصول کر لوں گا!“

رحمان صاحب نے اُسے تھر آلوں نظریوں سے گھورتے رہے پھر بولے۔ ”کیا وہ وہی گاڑی تھی جس میں تمہارا اور فیاض کا تعاقب کیا گیا تھا۔!“

”جی ہاں... وہی تھی۔!“ ”فیاض نے اس کے نمبر نوٹ کر لئے تھے۔ تلاش جاری ہے۔ اگر تم اس گاڑی اور اس لڑکی سمیت پکڑے گئے ہوتے تو تمہارا کیا حشر ہوتا۔!“

”کہاں پکڑا گیا۔!“ رحمان صاحب نے اُسے گھورتے ہوئے فون پر سر سلطان کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسرا طرف جواب ملنے پر عمران کی مختصر آردو دادہ رائی۔

”لڑکی کہاں ہے...؟“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”یہاں موجود ہے۔!“

”عمران نے اس کے بارے میں تمہیں کیا بتایا ہے۔!“

”بس اتنا ہی جتنا میں نے ابھی تمہیں بتایا ہے۔!“ رحمان صاحب نہ اسماں بنائے کر بولے۔

”کیا یہ نام... ڈیوڈ ہکس تھا بارے لئے کوئی اہمیت رکھتا ہے۔!“

”تمہیں... میں تمہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔!“

”ان دونوں کو میرے پاس بیٹھ جو...!“

”ہم اتم مجھے یہ بتا پسند نہیں کرے گے کہ وہ کس کا مہمان ہا۔!“ رحمان صاحب نے پوچھا۔

”حکومت کا....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی اور ساتھ ہی سلسلہ بھی مقطوع کر دیا گیا۔

رحمان صاحب رسپورٹ کر عمران کی طرف ٹرے۔

”کیا بتایا۔...؟“ عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

”اس لڑکی کو سر سلطان ہی کے پاس نہ جاؤ۔!“

”آپ کی گاڑی لے جاؤ۔...؟“

”نمیں....!“ سخت لمحے میں کہا گیا۔

”اب ٹیکسی میں بیٹھنے کی بہت نہیں کر سکتا۔ پڑھ نہیں کیا چکر ہے۔!“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ ان کی آنکھوں میں گھری تشویش کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے کہا۔ ”یہ نوٹ یہیں چھوڑ جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ یہ جعلی ہیں۔“

”خدا کی پناہ....!“ عمران بڑا گیا۔ ”ہر طرح مجھے ہی جنم رسید کرنے کے چکر میں ہے یہ ڈیوڈ ہکس.....!“

”وزارت مجھے اس کا حلیہ تو بتاؤ۔...!“ رحمان صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”بالکل اپنا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بہت بڑے اٹھے پر آنکھیں ناک اور دہانہ چپکا دیئے گئے ہوں۔ آواز کچھ ایسی ہے جیسے بکرا انگریزی بولنے لگا ہو۔!“

”کیا بکواس ہے۔...؟“

”لیکن کچھ.... بھنوں تک صاف ہیں۔!“

”تو میت۔...؟“

”ٹی اور ڈی انگریزوں کی طرح نہیں بول سکتا۔!“

رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے تھے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”مجھے اب یہ معلوم کرتا ہے کہ اس نے اس لڑکی کو خصوصیت سے آپ ہی کے پاس کیوں بہوایا ہے!“

”یا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لوگ اب بھی اسی عمارت میں موجود ہوں گے!“
”نہیں.... وہ اتنے دلیر نہیں ہو سکتے!“

”تو پھر....؟“

”وراصل میں سر سلطان کی موجودگی میں بیہان تھہرنا نہیں چاہتا تاکہ آپ ان سے کھل کر لٹکو کر سکیں!“

”اور پھر تمہیں بتا سکوں کہ یہ حقیقتاً کس کی مہمان ہے!“ رحمان صاحب نے تنخ لجھ میں کہا۔

”جی نہیں.... بلکہ آپ ان سے پوچھ سکیں کہ یہ پروفیسر میکس کی لڑکی ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کے لئے ان کے پاس کیا ثبوت ہے!“

”یا مطلب....!“ رحمان صاحب چونکہ کربو لے۔

عمران پچھے کہے بغیر پاہر نکلا چلا گیا۔ اُسی رات کو قریباً آٹھ بجے اس نے اپنے فلیٹ کے فون سے رحمان صاحب سے رابطہ قائم کیا۔

”سلطان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ میکس کی لڑکی ہے!“ رحمان صاحب کی اداز آئی۔

”کیا سلطان صاحب اسے لے گئے....؟“ عمran نے پوچھا۔

”نہیں....! وہ لڑکوں میں گھل مل گئی ہے کہتی ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ ملنے مکدہ سیئیں رہے گی!“

”سر سلطان کیا کہتے ہیں!“

”انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں!“

”رات کے کھانے کے بعد اسے کافی میں خواب آور دوادے دیجیے گا!“

”یوں بکواس کر رہے ہو!“

”یقین کیجئے....! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو دشواری میں پڑیں گے اور ہاں کیا ڈیڈ بکسر کے بارے میں کچھ یاد آیا!“

”نہیں....!“

”تب تو لڑکی کے سلسلے میں وہی کرنا ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں!“

”گیراج سے اٹھیں ویگن نکال لو....!“

”چلو....!“ عمران نے روزا میکس سے کہا۔

”اب کہاں چلوں....؟“ وہ بھتنا کر بولی۔

”دوسری جگہ....!“

”میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ بیہان مجھے ابھی اپنی ہی، ہم عمر پچھے لڑکیاں نظر آئی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ انکش میں گفتگو بھی کر سکیں گی!“

”کرتے سکیں گی....!“

”تم میرے ذیلی کے دوست ہو۔ کیا مجھ پر اتنی مہربانی نہیں کر سکتے!“

”ضروری نہیں کہ یہ لوگ اس پر آمادہ ہو جائیں!“

”کیا آپ مجھے اپنے گھر میں رہنے دیں گے!“ روزا میکس نے گلوکیر آواز میں رحمان صاحب نے پوچھا اور قبل اس کے رحمان صاحب پچھے کہتے اس نے پھوٹ پھوٹ کر روانا شروع کر دیا۔

”کیا قصہ ہے....؟“ رحمان صاحب نے عمران کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”پروفیسر میکس سے تمہارا کیا تعلق....!“

”اُرے بن....! سر سلطان نے میری مٹی پلید کر رکھی ہے۔ میری ڈیوٹی لگاوی تھی کہ روزانہ پروفیسر کی خبریت معلوم کر لیا کرنا۔“

”سوال تو یہ ہے کہ اب یہ سیئیں رہنے پر کیوں مصروف ہے!“

”سفیر نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ رکھنے کی بجائے کہیں اور تھہر یا تھاچہاں سے ڈیوٹی بکسر کے آدمی اُسے لے اٹھے تھے!“

”لڑکی بدستور روئے جا رہی تھی۔ رحمان صاحب نے پھر سر سلطان سے فون پر رابطہ قائم کر کے اس سلسلے میں دوبارہ گفتگو شروع کی۔

پھر ریسیور کھ کر طویل سانس لی اور روزا میکس سے بولے۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا!“

عمران انہیں ٹھوٹنے والی نظر دیں سے دیکھ رہا تھا۔

”سر سلطان خود آرہے ہیں۔“ انہوں نے عمران کی طرف دیکھ کر خنک لجھ میں کہا۔

”لہذا اب مجھے اجازت دیجئے!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”کیوں....؟ تھہر و....!“ رحمان صاحب ہاتھ انھا کر کر بولے۔

”تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے!“

”بجب تک کوئی بات میری سمجھے میں نہیں آجائی میں اسکی ہی فضولیات میں پڑا رہتا ہوں ز!“

”اس وقت کہاں ہو!“

عمران نے کوئی جواب دیئے بغیر رسپور کریڈ پر رکھ دیا۔



رحمن صاحب لا ببریزی میں بے چینی سے ٹھل رہنے تھے۔ کلاک نے دس بجائے اور وہ چوک کر فون کی طرف دیکھنے لگ۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”ہوں.... کون ہے.... آجاو...!“ انہوں نے کہا۔

عمران دروازہ کھول کر لا ببریزی میں داخل ہوا۔

”تم....؟“ رحمن صاحب حیرت سے بولے۔ ”میں تمہاری کالا کا منتظر تھا!“

”میں خود ہی آگیا... کیا آپ نے اسے کافی میں....!“

”ہاں.... ہاں....!“ رحمن صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔

”شکریہ جناب....!“

”اب کیا کرو گے....!“

”یہ سارا تصدہ دراصل میرا ہے.... کم از کم آج کی رات کے پارے میں کہہ سکتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ...!“ رحمن صاحب نے مضطربانہ انداز میں کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نوٹوں کا کیا رہا...؟“ عمران نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

”میرے اندازے کے مطابق جعلی ہی نکلے۔!“

”ٹھیک ہے....!“ عمران سرہلا کر بولا۔ ”اگر میں لڑکی اور جعلی نوٹوں سمیت پکڑا جاتا تو اس

وقت کہیں چیل سے بیٹھا ہوتا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”آپ کے ٹھکے کی حوالات.... میں۔!“

”اس میں کوئی شہر نہیں۔!“ رحمن صاحب اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”سر سلطان

بھی دخل اندازی نہ کر سکتے۔!“

”وہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ میں کہیں ٹک کر بیٹھوں تو....!“

”صف صاف بتاؤ.... کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”ڈیوڈ بکسر کو آپ نہیں جانتے لیکن لڑکی آپ کے پاس بھجوائی گئی اور وہ چل گئی کہ میں رہے گی۔ اس کے پارے میں سر سلطان کیا خود سفیر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پروفیسر میکس ہی کی نیتی ہے۔ اگر اسے یقین ہوتا تو انسانی ہمدردی ہی کے تقاضے کے تحت اسے اپنے خاندان والوں کے ساتھ ٹھہرایتا ایک ہی شب پہلے تو بے چاری کا باب اتنی درندگی کے ساتھ ختم کر دیا گیا تھا۔!“

”ہوں.... تو پھر....!“

”لڑکی یہاں ہے.... اس لئے کم از کم آج رات میرا جہاں پایا جانا یقینی ہو گیا ہے۔!“

”سمجھا....! شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس طرح وہ تمہارے لئے بھی کوئی حادثہ فراہم کرنا پا رہتے ہیں۔!“

”جی ہاں.... میرا بھی خیال ہے۔!“

”اگر ہے....!“ وہ بُراسانہ بنا کر بولے۔ ”یہ کسی جاوسی ناول کا پلاٹ نہیں ہے۔ حقائق ہیں۔ تم اس وقت بھی ان کے قابو میں تھے جب پھر تمہیں اس عمارت میں لے گیا تھا۔!“

”پروفیسر میکس بھی اس رات اس عمارت میں تھا تھا جہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔“

”سائیلنٹر لگے ہوئے پسول کی ایک گولی ہی اس کے لئے کافی ہوتی سفارت خانے کا فرست بکرڑی بھی اپنے مکان میں تھا ہی تھا۔!“

رحمن صاحب کے چہرے پر اچاک فکر مندی کے آثار نظر آنے لگے۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ وہ لوگ خوف دہر اس پھیلانا چاہتے ہیں۔ کسی کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے مخالف کی موت کہیں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اب یہی دیکھنے تا اگر سی آئی بی کے ڈائریکٹر جزل کے صاحبزادے انہی کی قیام گاہ پر کسی درندے کا شکار ہو جاتے ہیں تو میک میں کیسی سُنْنی پھیلی گی۔!

”نہیں نہیں....! یہ کیا کو اس ہے....!“ رحمن صاحب مضطربانہ انداز میں بولے۔

عمران اپنابند گلے کا سویٹر اتار کر گردن پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”وہ درندہ اپنے دانتوں سے محروم ہو جائے گا.... اسے لکھ لیجئے۔!“

رحمن صاحب بے ساختہ آگے بڑھے اور جھک کر اس کی گردن دیکھنے لگے جس کے گرد فولادی خول چڑھا ہوا تھا۔

”وہ نامعقول صرف گردن ہی پر منہ مارتا ہے۔ دونوں لاثشوں کے بقیہ حصوں پر ہلکی سی خراش بھی نہیں پائی گئی۔!“

روزا میکس نے کراہ کر کر گوت بدی۔ خاصا جالا پھیل گیا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک بیدار نہیں ہوئی تھی۔ دفعتاً قریب ہی رکھی ہوئی ایک نائم پیس کا الارم بجھنے لگا اور وہ بوکھلا کر اٹھ چیڑھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کے حلق سے ایک گھنٹی گھنٹی سے جیج بھی نکلی تھی۔

بتر سے چھلانگ لگا کر وہ فرش پر آئی اور آئکھیں مل مل کر کتے کی اس لاش کو دیکھتی رہی جو بچپن رات ہی سے اس کے بستر پر پڑی رہی تھی۔ اُسے ایسا محوس ہوا تھا جیسے دماغ سن ہو کر رہ گیا ہو۔ کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی پھر دروازے کی طرف چھٹی۔ ہینڈل گھما کر اسے کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ شاید باہر سے مغلل کر دیا گیا تھا۔ ان کے بعد تو وہ پاگلوں کی طرح دروازے پر ٹوٹ پڑی۔ وہ غل غپاڑہ مچایا کہ خود اس کے کان جھنجھنا اٹھے۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہ لگی۔ لیکن دروازہ کھولنے والی کو دیکھ کر روزادو قدم پیچھے ہٹ آئی۔ وہ بھی اس کی طرح کوئی سفید فام غیر ملکی عورت تھی۔

”کیوں شور چاہی ہو؟“ اس نے اندر داخل ہو کر روزا کو لکارا۔

”یہ کیا مذاق ہے....!“ روزا نے بھی تیکھے لمحے میں کہا۔ اس نے کتے کی لاش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”تمہاری حماقت کا نتیجہ....!“ نوار دسرد لمحے میں بولی۔

”میں نہیں سمجھی!“

”تم اپنے منش میں ناکام رہی ہو!“

دفعتاً روزا چوک پڑی اور اس طرح چوک کر چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے پہلی بار اپنے گردوبیش کا جائزہ لے رہی ہو۔

”مم.... میں کہاں ہوں....?“

”وہاں نہیں ہو جہاں پہنچی گئی تھیں...!“ نوار دسرد لمحے میں کہا۔

”خدا کی پناہ.... اوہ.... روزا کا سر چکرانے لگا.... اور پھر مجرم اُبھی ہوئی آواز میں بولی۔ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ ہاں دیکھو.... میں نے ان لوگوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ پھر کافی آئی

اس نے سوئٹر پھر پکن لیا اور اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ لوگ آرام سے سوئے۔ میں کمپاؤنٹر میں کہیں نہ کہیں موجود ہوں گا اور ہاں کمپاؤنٹر میں اندر ہمراہ بھی نہ ہونا چاہیے۔“

”میں گارڈر ڈبلوائے لیتا ہوں۔“ رحمان صاحب نے جلدی سے کہا۔

”ان چھنٹوں میں سہ پڑیے.... میں نہیں چاہتا کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔!“

”اچھی بات ہے.... لیکن میں تمہیں تھا نہیں چھوڑوں گا!“

”کیوں کھیل بگاڑیں گے پہلے بھی کبھی آپ کو ایسے معاملات میں میری طرف سے کوئی شکایت ہوتی ہے؟“

”بکواس مت کرو.... میری آنکھوں کے سامنے تم تھا کسی خطرے میں نہیں پرستے!“

”پلیز.... مان جائے....!“ عمران گھکھلیا۔

”ناممکن....!“

”میں چاہتا ہوں کہ اب اس عمارت کا کوئی فرد خواب گاہ سے باہر نہ نکلے۔ کوئی ایسی کھڑی بھی نہ کھلی چوڑی جائے جس میں سلاخیں نہ لگی ہوں۔!“

”میں نے کہہ دیا.... یہ ناممکن ہے....!“ رحمان صاحب سخت لمحے میں بولے۔

”میں اس وقت صرف ڈائریکٹر جزل سے ہم کلام ہوں اور میرے پاس صدر مملکت کا ایک ایسا اجازت نامہ موجود ہے جس کی بناء پر کسی بھی محلے کے سربراہ کا تعاوون حاصل کر سکتا ہوں۔

ٹھانہ فرمائیے۔“ عمران نے جیب میں ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ باہر سے شور سنائی دیا۔

”کیا ہے....؟“ رحمان صاحب دروازے کی طرف چھپنے اور پھر دروازہ کھولنے لیتے ہی بھلی کی کونڈنگی۔ بوکھلا کر چھپنے ہے اور اس زبردست کتے نے ان کے اوپر سے عمران پر چھلانگ لگادی۔

ملاز میں راہداری میں شور چاہرے تھے۔ پے در پے تین فائر ہوئے۔ رحمان صاحب نے صاف دیکھا تھا کہ کتے نے عمران کی گردنہی دیوبھی تھی اور پھر غراٹا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

عمران نے ریوالور میز پر رکھ دیا۔ رحمان صاحب ہکا ہکا کھڑے تھے۔ دفعتاً دیوانوں کی طرح عمران کی طرف چھپنے اور سکھنے کرنے سے لگا لیا۔ ان کے منہ سے بلکی بلکی سکیاں نکل رہتی تھیں۔

راہداری میں گر کے دوسرے افراد سر زدگی کے عالم میں خاموش کھڑے تھے۔

تھی اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں..... تھ..... تم کون ہو!“

”اپنی عقل کو کھو پڑی ہی میں رکھو!“ نووارد تیز لمحے میں بوی۔ ”یہاں کون کس کو جانتا ہے!“

”معافی چاہتی ہوں... معافی چاہتی ہوں۔ اور یقیناً مجھے کافی میں کوئی نش آور چیز دی گئی تھی!“

”تم بالکل احق ثابت ہو سئیں۔ اگر ہم خیال نہ رکھتے تو تم سے سب کچھ اگلوالیا گیا ہوتا۔ جان پر کھیل کر تم کو وہاں سے نکلا گیا ہے!“

”تل... لیکن... یہ...!“ روزا پھر کتے کی لاش کی طرف مڑی۔

”انہوں نے اسے بھی مار ڈالا... یہ بھی تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے!“

”نہیں... نہیں... اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا گیا تھا!“

”تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی...؟“ نووارد لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں... میں کچھ نہیں جانتی!“

”یہ وہی کتاب ہے جس نے پروفیسر میکس کو مارا تھا!“

”نہیں...!“ روزا ہنریائی انداز میں چینی...! ”نہیں... نہیں...!“

”اسی نے سفارت خانے کے فرست سیکریٹری کا فخرہ اور حیرا تھا!“

”شاید بھی ہو تمہارے ساتھ۔ تمہارے باپ کو بھی غداری ہی کی سزا ملی تھی!“

”یہ جھوٹ ہے... جھوٹ ہے... میرا باب غدار نہیں تھا!“

”غدار نہیں تھا تو پھر کیوں مار ڈالا گیا... اور تم بھی اسے غدار ہی سمجھتی تھیں۔ اسی لئے تو

”تم روکیں اور نہ کسی بھی انداز میں اظہار غم ہونے دیا۔“

”یہ میرا خجی معاملہ ہے!“

”ہو گا...!“ نووارد لاپرواہی سے بوی۔ چند لمحے اسے گھوڑتی رعنی پھر غراہی۔ ”سوال تو یہ

ہے کہ وہاں تم نے کامیابی حاصل کیوں نہیں کی۔“

”مجھے اطمینان دلا کر بھیجا گیا تھا کہ وہ سب احقوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جائیں گے اور

میں بے خوفی سے اپنا کام کر سکوں گی اگر کہہ دیا جاتا کہ ہوشیار بھی رہتا تو وہ مجھے کافی میں کوئی

خواب آور دوانہ دے سکتے!“

”خیر... خیر... تمہارے باپ نے عمران کے بارے میں کیا بتایا تھا!“

”پچھے بھی نہیں.... میں اسے اپنے باپ کے کسی دوست کی حیثیت سے جانتی تھی!“

”اور پھر تم اپنے باپ کے دوست کو دھوکہ دینے پر تسلی گئیں!“

”سنو... ایں صرف احکامات کی تحلیل کرتی ہوں۔ اس میں غرض نہیں ہوتی کہ کس کے لئے کیا کر رہی ہوں!“

”اچھا.... چلو... باہر چلو...!“ نووارد براسانہ بنا کر بوی۔

اس کرے سے نکل کر وہ ایک بڑے ہائل میں پہنچیں جہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہاہل میں ان کی کچھ دیر پہنچے والی بات چیت گو بخجے گلی۔ غالباً بات چیت شیپ کر لی گئی تھی اور بانہیں دوبارہ سنائی جا رہی تھی۔

روزابے حس و حرکت کھڑی رہی اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سب کو اس کے لئے بے معنی ہو۔ اپھر سناتا چھا جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ دوسرا دوست اسے دیں چھوڑ کر چلی گئی۔

اچاک باکیں جانب سے آواز آئی۔ ”اس خود غرض دنیا میں دوست اور دشمن کی تیز شکل ہے!“

روزابو نک کر مڑی۔ عمران ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تھ... تم... کیا پھر کپڑے گئے!“

وہ آہستہ آہستہ چلا ہوا روزا کے قریب آپنچا۔

”بولتے کیوں نہیں...؟“ روزانے آہستہ سے پوچھا۔

عمران کے چہرے پر غم انگیز تاثر تھا۔

”یا اس شخص کا نام ڈیوڈ بکس ہی تھا...؟“

”پہلے تم بتاؤ کہ مجھ پر کیا گزری...؟“ میں کہاں ہوں!“

”میرے ساتھ آؤ!“

عمران اسے پھر اسی کرے میں لایا جہاں بلنگ پر کتے کی لاش پڑی تھی۔

”یہ وہی کتاب ہے جس نے پروفیسر کو ہلاک کیا تھا!“

”وہ مجھے بتا بچکی ہے!“

”وہ حقیقتاً تمہاری حکومت کے مہمان تھے سینیر کے نہیں۔ ہماری پارٹی نہیں چاہتی کہ ہماری حکومت تمہاری حکومت سے کوئی تعاون کرے!“

”میاں تمہارے باپ کو علم نہیں تھا کہ پارٹی اس کے حق میں نہیں ہے!“

”اس گفتگو کو نہیں ختم کر دو....!“ روزا جلا کر بولی۔

”چھی بات ہے۔ اب اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ صرف ایک بات اور بتا دو!“
”وہ اُسے گھوڑتی رہی۔

”تمہارے پاس سے ایک ڈبیہ برآمد ہوئی ہے جس میں کوئی سیال شے اور ایک چھوٹی سی ہائپو ڈرک سرخ تھی!“

”وہ ڈبیہ کہاں ہے....؟“ دفعتاً وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔
”وہیں رہ گئی...!“

”اب میں نہیں جانتی کہ میرا کیا ہشر ہو گا۔“ وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلسا کتا ہوں۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔
”ناممکن....!“

”کیوں تم نہیں جانتیں کہ اس وقت کہاں ہو!“

”اس عمارت میں پہلی بار آئی ہوں۔!“ روزا کی آواز بھی کسی سرگوشی سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ قدرے تو قوف کے ساتھ پھر بولی۔ ”بہت ممتاز رہو۔ ہماری آوازیں شیپ ہو جاتی ہیں۔!“

دفعہ عمران نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور وہ بوکھلا کر اسے گھورنے لگی۔

”میں واقعی پاگل ہوں....!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”لیکن اس کے باوجود میری کوشش ہو گی کہ پہلے میں مارا جاؤں، اس کے بعد تم پر کوئی آجھ آئے!“

ٹھیک اسی وقت ایک سیاہ فام اور لمبا تر زگا آدمی ہال میں داخل ہوا جس کے ہاتھ میں چڑی کے چاپک تھا۔

”یہ.... یہ کون ہے....؟“ روزا ہکلائی۔

”صورت سے تیگرو معلوم ہوتا ہے۔“ عمران آہستہ سے بولا۔

”تمہیں یقین کیوں نہیں کہ پروفیسر انہی لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے جن کے وفادار تھے!“

”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ مجھ پر کیا گزری!“

”تمہیں کافی میں خواب آردو وادی گئی تھی تاکہ سکون سے سوتی رہو اور میں اپنی موت کا انقلاب کروں۔ میرے اندازے کے مطابق مجھے اسی لئے گھر آگیا تھا کہ رات کو کسی جگہ قیام کروں۔!“

”اگر مقصد مارڈا ناہی ہوتا تو تمہیں وہیں مارڈا لتے.... جہاں پہنچے گئے تھے!“

”پروفیسر کو گولی کا نشانہ بھی بنایا جاسکتا تھا اس کے لئے خونخوار کتے کو کیوں استعمال کیا گیا!“

”سوال یہ ہے کہ تم دوبارہ کیوں ہم لوگوں میں نظر آرہے ہو....؟“

”میاں تم اس عورت کو جانتی ہو جو کچھ دیر پہلے تم سے گفتگو کر رہی تھی!“

”نہیں.... میں نے اُسے پہلی بار دیکھا ہے!“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا حلقة اس قدر وسیع ہے کہ تم ایک وہ سرے کو تعارف کے بغیر نہیں پہنچان سکتے!“

”تم ٹھیک سمجھے!“

”سی آئی بی کے ڈائریکٹر جزل کے یہاں تمہیں کیوں بھیجا گیا تھا!“

”اسی لئے کہ تم بھی وہیں رات گزار سکو...!“

”بس.... ایکی مقصد تھا!“

”اوکیا...؟“

”لیکن.... اپنی غیر متوقع یہو شی کی بناء پر کوئی اور کام بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔“

”شروع ہی سے میرا اندازہ تھا کہ تمہارا ذہنی توازن کس قدر بگرا ہوا ہے!“

”میری بات کا جواب دو!“

”تم اپنی جان بچانے کی فکر کیوں نہیں کرتے یہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ مجھے اور تمہیں کہا کہ لاش سمیت تمہارے باپ کے گھر سے نکال لائے۔!“

”سوال تو یہ ہے کہ تمہارا باپ کیوں مارڈا لا گیا!“

”غداری کی سزا موت ہی ہے ہمارے حلقوں میں۔!“ روزا الا پرواہی سے بولی۔

”آخر اس سے کیا قصور سرزد ہوا تھا!“

”چلو....!“ نیگر و قریب پہنچ کر چاپک فرش پر مارتا ہوا دہاز۔ پھر اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”چلو....!“ عمران نے مردہ سی آواز میں روزا سے کہا۔

وہ دونوں اس دروازے میں داخل ہوئے۔ نیگر و چاپک پھٹکارتا ہوا ان کے پیچے چل رہا تھا۔ اچاپک عمران نے پلت کر اس پر چلا گک لگائی اور دونوں گتھے ہوئے فرش پر چلتے آئے۔ نیگر کی زخمی درندے کی طرح غرائے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز معدوم ہوتی گئی اور پھر مکمل سکوت طاری ہو گیا۔

”بھاگو....!“ عمران نے اُسے چھوڑ کر بہتے ہوئے کہا اور روزا کا ہاتھ تھامے ہوئے ایک جانب دوڑتا چلا گیا۔

”لگ... کیا... وہ مر گیا!“ روزا اپنی ہوئی بولی۔

”پا نہیں.... جلدی میں اس کا دھیان کر رہتا ہے!“ عمران بولا ”خاموشی سے نکل چو۔ باتعلیٰ پھر ہو جائیں گی!“

ایک جگہ ایک آدمی نے پھر ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن عمران نے اُسے بھی بے بس کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

اس طرح وہ بالآخر ایک جگہ پہنچے جہاں کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں پھر کچھ دیر بعد وہ کھلی فٹا میں سانس لے رہے تھے۔ عمران ایک گاڑی لے بھاگا تھا لیکن وہ گاڑی زیادہ دیر استعمال نہ کر سکا۔ اُسے ایک جگہ چھوڑ کر پھر نیکی لی۔

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں....؟“ روزا نے آہستہ سے پوچھا۔

”ایک ساحلی تفریح کاہ میں میرا ایک بہت ہے۔ فی الحال وہیں قیام کریں گے!“

”کہیں اور چلو....!“

”کیوں....؟“

”وہ ہر وقت سب سمندر کے قریب رہتے ہیں تاکہ حالات ناموافق ہونے پر فرار میں آسانی رہے!“

”فکرنا کرو.... ان کے فرشتے بھی ہمیں نہ پہچان سکیں گے!“

رجمان صاحب کی میز پر رکھے ہوئے ایک فون کی گھنٹی بجی۔

”بھلو....!“ وہ رسیور اٹھا کر ماٹھ پیس میں بولے۔

”آپ خطرے میں ہیں۔“ دوسرا طرف سے عمران کی آواز آئی۔

”تم کہاں ہو....؟“

آپ فی الحال آفس تک ہی مدد درہتے میں ایک گھنٹے بعد پہنچ رہا ہوں۔ اپنے سکورٹ کے عملے کو ہدایت کر دیجئے کہ کسی بوڑھے کو آپ تک پہنچنے میں مدد دیں!“

”ہوں.... اچھا.... میں منتظر ہوں....!“ انہوں نے کہا اور دوسرا طرف سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر رسیور کریل پر رکھ دیا۔

ان کی آنکھوں میں گھری تشویش کے آثار تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے انہر کوں پر اپنے کسی ماتحت کو عمران سے متعلق ہدایات دیں۔

اب ان کی آنکھیں نیند کے دباو سے بو جھل ہوئی جا رہی تھیں! ایک گھنٹے بعد ایک بوڑھے آدمی کو ان کے کمرے میں پہنچا گیا جو رکھا کے اعتبار سے کوئی ریاضت فوجی آفیسر معلوم ہوتا تھا۔

”یہ تم ہو....؟“ رجمان صاحب کے لمحے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں....!“ عمران نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

”بیٹھ جاؤ.... یہ کیا کرتے پھر رہے ہو!“

”لوڑ کے ذریعے انہوں نے کل ایک تیر سے دو شکار کرنے کی اسکیم بنائی تھی۔ میری موت اور آپ پر پوری طرح قابو پانکل والی حرکت کا مقصد تھا۔“

”مجھ پر کس طرح قابو پاتے!“

”وہ ذبیہ جو لوڑ کی کے پاس سے برآمد ہوئی تھی کہاں ہے....؟“

”محفوظ ہے....!“

”کسی نہ کسی طرح وہ سیال آپ کے جسم میں اچکٹ کر دیتی اور آپ کم از کم ایک یخت کے

لے اپنے خصیت کو بیٹھتے جو کچھ آپ سے کہا جاتا ہے جوں وچار کرتے رہتے۔“

رحمن صاحب طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے نکل گئے اور عمران کہتا ہے۔ ”لڑکی مضمود قوت ارادی کی مالک ہے۔ یہ سب کچھ اُس سے اگوا لینا مشکل کام تھا۔ لہذا میں نے چند دوستوں کی مدد سے ایک ڈرامہ اشیع کیا اسے باور کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھی مجھے اور اس کو کہتے کی لاش سمیت کسی نہ کسی طرح آپ کی کوئی ٹھیکی سے نکال لائے ہیں اور اب اس کی غفلت کی سزا ملے گی۔ اس کے بعد میں اُسے اس عمارت سے لے نکلا۔ بہر حال وہ یہی کچھ رہی ہے کہ میں نے اسے اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مرنے سے بچایا ہے لہذا اب پوری طرح تعاوون کر رہی ہے۔“

رحمن صاحب خاموشی سے دیکھتے رہے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے بات ختم ہونے کے منتظر ہوں۔

”اور اس شخص کا نام ڈبوڈ بکسر نہیں بلکہ یہری فان ہے۔“

”کیا...؟“ رحمن صاحب اس طرح سیدھے ہو بیٹھے جیسے کرسی کی پشت گاہ نے آگے دھکیل دیا ہو۔

”یہری فان...!“ عمران نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دہر لایا۔

”اوہ... تب تو پروفیسر میکس محض مجھ پر قابو پانے کے لئے مارا گیا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”کچھ نہیں... ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا... پہلے یہری فان کا ہاتھ آنا ضروری ہے۔“

”یہری فان آپ کے ہاتھ کے بُن کا معلوم نہیں ہوتا۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

”یا مطلب...؟“

”مناسب بیہی ہو گا کہ آپ کے ماتحت سعیٰ ناکامی کی نمائش کرتے رہیں۔!“

”میں جانتا تھا کہ تم یہی کہو گے... اسی لئے ابھی تک ایک معاملہ التوامیں رکھا گیا ہے۔!“

”کون سا معاملہ۔!“

”آج صحیح ایک خوف زدہ آدمی کی پیش فیاض کے ہاتھ لگا ہے اس کی فراہم کردہ اطلاعات جیسی انگریز ہیں۔ ایک بار بردار دخانی کشی پر کام کرتا ہے، راجو نام ہے۔ ایک بار اسمگنگ کے

سلسلے میں پکڑا جا چکا ہے۔ لیکن کسی بالآخر آدمی نے پچالا یا تھا۔ اس کا آخر یہی بیان دیکھو۔!“

رحمن صاحب نے میز کی دراز سے کچھ کاغذات نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیے۔ عمران انہیں دیکھتا رہا بھی اس کی آنکھیں جیرت سے پچھل جاتیں اور بھی پر معنی انداز میں سر ہلانے لگتا۔

کاغذات واپس کرتے ہوئے اس نے استفہامی نظر وہ نے انہیں دیکھا۔

”پچھل رات وہ کتابشی پروپریتی نہیں پہنچا تھا۔!“ رحمن صاحب بھرائی ہوئی انداز میں بولے۔

”لہذا دو بجے کے قریب ایک غیر ملکی نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ جا کر اسے شہر میں تلاش کریں۔ راجو

پہلے ہی سے خائف تھا اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سیدھا ایک تھانے پر پہنچ گیا۔“

”اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ اس پھر نے میری متحرک تصادیر کیوں تیار کی تھیں۔ آپ

کی کوئی ٹک آنے والے راستے کی قلم بندی انہوں نے پہلے ہی تیار کر رکھی ہو گی۔ جیرت

انگریز... کے کو فلم تو کھا کر کسی راستے پر ڈالا۔... تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔!“

عمران غاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”جو محلوں گوشت کے ساتھ اُسے دیا گیا تھا غالباً وہی اس میں اس کی صلاحیت پیدا کرتا

تھا۔... اوہ یہری فان... یہری فان... اس کے سلسلے میں کچھ مواد ہمارے قبضے میں ہے۔...“

اب میں سمجھ گیا۔...!“

”ظاہر ہے کہ آپ مجھے تفصیل سے آگاہ نہیں کریں گے۔!“ عمران نے خنک لبھ میں کہا۔

”فی الحال یہ ساری باتیں اسی جگہ ختم کر دو۔...!“ رحمن صاحب اُسے گھوڑتے ہوئے

بولے۔ ”اس شخص راجو کے بارے میں تمہاری کیوارے ہے۔!“

”اُسے جانے دیجئے۔ میں خود اس کی گلگرانی کروں گا۔ آپ کے سارے ماتحت ان لوگوں کی

نظر وہ میں ہیں۔“

”تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔“ رحمن صاحب طویل سانس

لے کر بولے۔ ”لیکن شہمیں بھی محتاط رہنا پڑے گا۔ وہ میک اپ کا بھی ماہر ہے۔!“

”یقیناً ہو گا۔ اگر اسی کی طرح میں بھی بے بال و بے پر ہوتا تو میری مہارت بھی قابل دید

ہوتی۔ اچھی بات ہے اب اجازت دیجئے اور آپ براہ کرم گھرنہ جائیے گا۔...“ لیکن اپنی رہائش کا

نظم کر لیجئے۔!

زندہ دار تھے۔ بہر حال وہ عمران کی عدم موجودگی میں اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔
ٹھیک دو بجے کسی نے ہٹ کے دروازے پر دستک دی۔ وہ پہلے تو خوف زدہ انداز میں چوکی
تھی۔ پھر دروازے کے قریب جا کر پوچھا تھا ”کون ہے“
”ڈھمپ....!“ باہر سے آواز آئی۔

”ڈھمپ....!“ وہ آہتہ سے بڑھا ای۔ ”ہاں اس نے یہی کہا تھا کہ اس لفظ کے سے بغیر کسی
کے لئے بھی دروازہ نہ کھولنا۔“ پھر ”اوے“ کہہ کر دروازے کو کھول دیا۔ لیکن فوراً ہی بوکھلا کر
پچھے ہٹ گئی کیونکہ وہاں عمران کی بجائے ایک بھی جاپانی نوجوان کھڑا تھا۔
”ہااا... ڈر گئیں....!“ وہ نہ کربولا۔ ”میں بھی تمہاری ہی طرح جاپانی ہوں۔!“
”اوہ..!“ عمران کی آواز پہچان کر دہ خوف زدہ سی ٹھی کے ساتھ بولی۔ ”تم نے تو ذرا ہمی دیا تھا۔!
”بس اب دروازہ کھلا رہے دو۔!“ عمران نے ایک بڑی سی باسٹ میز پر رکھتے ہوئے
کہا۔ ”یہ تمہارا لفڑ ہے۔!
”شکریہ..... میں بھوک محسوس نہیں کر رہی۔!
”خیر.... خیر.... جب محسوس ہو کھالینا لیکن ایک بات غور سے سن لو اب تم یہاں کے
رسم روانج سے متعلق کچھ نہیں پوچھو گی۔!
”کیوں....?
”مجھے حرمت ہے کہ تم پر ایک ایسا سانحہ گزرن گیا۔ لیکن تم میں ذرا برابر بھی تبدیلی واقع نہیں
ہوئی۔!
”میرا بابا باب والپس نہیں آسکتا۔۔۔ یہ اس کا قول ہے کہ آدمی کو مرتے وقت اپنی جان کی
کام شاہد بھی ایک طالب علم ہی کے جذبے کے ساتھ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔!
”تب تو پروفیسر سچ مجھ بہت گریث تھا۔!
”آدمی کچھ بھی نہیں ہے مشر عمران۔ اتنا حق ہے کہ خود ہی اپنی ہلاکت کے اسباب کرتا
رہتا ہے میرا بابا۔ بھی ایک ایسا ہی عظیم الحق تھا۔!
”پیاری لڑکی تم تو اپنے قیلے ہی کی معلوم ہوتی ہو۔!“ عمران اسے گھوڑا ہوا بولا۔
”اب میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میرا بابا اپنے ہی ایک فارمولے کا شکار ہو گیا۔!
”

”دیکھا جائے گا۔!“ رحمان صاحب نے لاپرواہی سے کہا۔
”راجوں وقت کہاں ہے۔!
”کیپن فیاض کی تحویل میں۔!
”برآ ہوا۔۔۔ اسے بھی مجھے کی عمارت سے دور ہی رکھا جانا چاہئے تھا اب وہ شاید ہمارے کسی
کام نہ آسکے۔ باہر نکلا اور مارا گیا۔!
رحمان صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی انہوں نے رسیور اٹھایا اور پھر کچھ دیر
بعد ان کے چرے کی رنگت بدل گئی۔ رسیور رکھ کر بھی وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر بھرائی
ہوئی آواز میں بولے۔ ”تمہارا یہ اندیشہ بھی درست نکلا۔ شہر کے مختلف حصوں میں دولاشیں پالی گئی
ہیں۔ راجنے انہیں اپنے دونوں ساتھیوں راشد اور اختر کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔!
”وہ نہ مارے جاتے۔!“ عمران محنثی سانس لے کر بولا۔ ”اگر راجو کا معاملہ کیپن فیاض تک
نہ آپنچا۔!
رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔

عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ کے ماتخوں کو چاہئے کہ وہ ساحلی علاقوں اور موبار
میں اس کشی سے متعلق پوچھ گچھ کرتے پھر میں اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکیں گے۔!
”پھر کہتا ہوں۔۔۔ بہت محاط رہنا۔!
”بے فکر رہئے۔!“ کہتا ہوا عمران ان کے کمرے سے نکل گیا۔

◆◆◆◆◆

روز اہٹ میں تھا تھی۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ میک اپ میں پچانی نہ جاسکے گی۔ عمران
کے اس میک اپ نے نہ صرف اس کی شکل بلکہ نسل تک بدل دی۔ اب وہ کسی مغربی ملک کی
نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک خوب صورت جاپانی لڑکی کی جا سکتی تھی۔
وہ اپنی پارٹی کے لوگوں سے اتنی ہی خائف تھی کہ اس نے عمران کو بھی میک اپ کے بغیر ہٹ
سے باہر قدم نہ نکلنے کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ احتقون کی طرح بنتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ دروازے اس سے
متعلق بڑی الجھنوں میں بیٹھا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس جیسی غیر متوازن شخصیت کا
مالک ان لوگوں سے کس طرح نپٹ سکے گا جو اس کے مطابق اس کے باپ کی موت کے

”کیا مطلب....؟“

”وہ ایک ماہر کیمیا دان تھا۔ اس نے ایسی ادویات تیار کی تھیں جو آدمیوں اور جانوروں کی فطرت نکل بدل کر کھدیتی ہیں۔!“

”اوہو.... تو پھر وہ سلتا.... ذرا ٹھہرو....!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دری خاموشی رہی پھر بولا۔ ”کیا یہ ممکن ہے کہ ایک کتا کسی کی تصویر دیکھ کر اس کی راہ پر لگ جائے۔!“ ”کیوں نہیں....! یہ کھیل تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔! آج سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے باپ نے ایک عرق تیار کیا تھا۔ اُسے گوشت میں شامل کر کے ایک کے کو کھلایا گیا۔ پھر اسے ایک متھر ک فلم دکھائی گئی یہ فلم اس راستے کی تھی جس سے گزر کر کتے کو ایک ابی جگہ پہنچنا تھا جہاں کم از کم پچیس بلیاں موجود تھیں۔ ان میں سے ایک بلی کی تصویر اس فلم میں شامل تھی جہاں کتے کو وہ فلم دکھائی گئی تھی وہاں سے بلی والی جگہ ڈھائی میل سے کم فاصلے پر واقع نہیں تھی۔ لیکن کتے نے وہاں پہنچ کر اسی مخصوص بلی کو مار ڈالا۔ اور وہ واپس آگیا۔ دوسرا چوبیں بلیاں بالکل محفوظ تھیں۔

عمران اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے پوچھا۔ ”کیا تم کسی ایسی دخلی کشی کے بارے میں کچھ جانتی ہو جس پر تمیں دلیسی آدمی کام کرتے تھے....؟“

”نہیں.... تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو....؟“ ”وہ کتنا جس نے تھارے والد اور سفارت خانے کے سیکریٹری کا خاتمه کیا تھا اسی کشی پر رہتا تھا۔!“

”لیکن میں نہیں کچھ سمجھ سکتی کہ بیری فان نے ایسا کیوں کیا۔ وہ میرے ملک کے عوام میں بہت مقبول ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بیری فان ہی ڈائیٹریٹر سے نجات دلائے گا۔!“

”خوب تو وہ عوای اہمیت کا حامل ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن ہمارے ملک میں اس کا کیا کام....؟“

”میں تمہیں پوری بات بتانا چاہتی ہوں۔“ وہ پر تکلف لجھے میں بولی۔ چند لمحے خاموش رہ کر عمران کو گھورتی رہی، پھر کہنے لگی۔ ”کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میرا باپ تمہاری حکومت ہی کا مہمان تھا۔!“

”حکومت کے راز ہر ایک کو نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہری فان نے پھر کیوں میرے ذریعے سے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ پروفیسر حقیقتاً کس کا مہمان تھا۔!“

”ہو سکتا ہے کہ اسے معلوم ہی نہ رہا ہو۔ بظاہر میرا باپ سفیر ہی کا مہمان تھا اور یقین کرو کہ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ یہری فان پالیارٹی کا کوئی اور فرد بھی یہاں موجود ہے۔ وہ تو اس رات جب میں اس عمارت میں تھی۔ یہری فان کو میں نے پہلی بار دیکھا ہو مجھے اس عمارت سے نکال لے گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یہی معلوم کرنے کے لئے کہ میرا باپ کس کا مہمان تھا مجھے تمہارے حوالے کیا تھا۔!“

”تو خود پروفیسر نے تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ وہ ہماری حکومت کا مہمان ہے۔!“

”ہاں....!“

”مقصد....؟“

”تمہاری حکومت میرے باپ کی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتی اور اس کی موت کے بعد اچاک بیری فان سے ملاقات ہوئی جس نے مجھے یہ بادر کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرے باپ کی موت میں تمہارے باپ کا باتھ ہے۔ انہوں نے میرے باپ کو کیوں قتل کر لیا۔ یہی معلوم کرنے کے لئے اس نے مجھے تمہارے حوالے کیا تھا۔!“ ”لیکن خود وہی تمہارے باپ کی موت کا باعث تھا۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے اس سلطے میں کتنے کو کیوں استعمال کیا۔!“

”یہی سوال مجھے بھی رہ رہ کر پریشان کر رہا ہے۔!“

”ہو سکتا ہے میں تمہاری ابھن رفع کر دوں.... لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔!“

”میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی لیکن تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”تم نے مجھے بیری فان کے پنجے سے رہائی دلانے کا ذرا سماں اٹھ کیا تھا۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر تمہارے گھر پر مجھے کافی میں کوئی خواب آور مہمان تھا۔!“

دواکیوں دی گئی تھی!“

عمران ہس کر بولا۔ ”یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ لیکن اگر میں نے یہ ذرا سہ استحقاق دیا ہوتا تو تم بھی یہ نہ بتائیں کہ ڈیوڈ بکر کا اصل نام بیری فان ہے اور یہ وہی بیری فان ہے جو تمہارے ملک کی ڈیکٹیٹر شپ کا خاتمہ کرتا چاہتا ہے!“
”سنو...! تم واقعی حق ہو...!“ وہ ہس پڑی۔

”کیا مطلب...؟“

”یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا کہ میرے باپ کی موت میں بیری فان ہی کا ہاتھ ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ میری حکومت کے کسی اجنبی نے یہ حرکت کی ہو۔ محض اس نے کتاب استعمال کیا ہو کہ خیال بیری فان کی طرف جائے!“

”ہاں... یہ بھی ممکن ہے...!“ عمران نے اعتراف کیا۔

”میں تمہارے ساتھ اس لئے چلی آئی کہ تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔!“

”اب مجھے اپنی پیدائش کے حدائقے پر دوبارہ غور کرتا پڑے گا!“ عمران گلوگیر آواز میں بولا۔

”کیا مطلب...؟“

”آج تک کسی بڑی نے مجھے پسند نہیں کیا۔!“

”اہ تو تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یہ قوف بنا رہی ہوں۔!“

عمران نے سر کو جینش دی۔

”ختم کرو...!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تمہارے ساتھ وقت اچھا گزرے گا۔ اس میک اپ میں ہمیں کوئی نہ پہچان سکے گا۔ چلو کھلی فضا میں نکل چلیں اور سب کچھ بھول جائیں۔ تمہاری بہنیں مجھے بہت پسند آئی تھیں۔ میں پوری پوری ایمان داری سے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی!“

”فکر نہ کرو...! تمہیں جلد ہی اس کا موقع مل جائے گا۔!“



”مجھے افسوس ہے یورا یکسی لنی...!“ رحمان صاحب نے سفیر سے کہا۔ ”لڑکی کا بھی تک سراغ نہیں مل سکا۔!“

سفیر خود ہی ان کے دفتر تک آیا تھا سر سلطان اس کے ساتھ تھے۔
”میں اس وقت لڑکی کے لئے نہیں آیا۔!“
”فرمایے...! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔!“
”بیرون اونچ سکر ٹیڑی جو کسی درندے کا شکار ہوا تھا شاید پہلے ہی سے خود کو خطرے میں محسوس رہا تھا۔!“

”اوہ...! بھلا دو کس طرح یورا یکسی لنی...?“
”اس کی بھی ڈاٹری کے اندر اجات بھی ظاہر کرتے ہیں۔ پروفیسر والے حدائقے سے تین دن بن کی تاریخ میں اس نے جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں بھی کہا جا سکتا ہے۔!
”یا آپ وہ ڈاٹری مجھے دکھانا پسند کریں گے۔!“

”کیوں نہیں...! میں اسی لئے یہاں آیا ہوں۔ لیکن اس وقت ڈاٹری میرے پاس نہیں ہے۔ کیا آپ سفارت خانے تک چل سکیں گے۔!“

”مجھے بے حد افسوس ہے یورا یکسی لنی...! میں فی الحال آفس نہیں چھوڑ سکوں گا۔!
”جب تو دشواری ہو گی۔!“

”میں سمجھا نہیں...! یورا یکسی لنی...!“

”بعض وجوہ کی بناء پر ڈاٹری سفارت خانے سے باہر نہیں لے جائی جا سکتی۔!“

”آپ اس خاص تحریر کی نقل بھی مجھے بھجوائے ہیں۔!“

”ہوں... اچھا میں دیکھوں گا۔!“ سفیر بے حد فخر مند نظر آنے لگا۔
رحمان صاحب اُسے بغور دیکھے جا رہے تھے۔ دفعتاً بولے ”آخر مجرم اپنی ان جرکتوں سے کے مراعوب کرنا چاہتا ہے۔!“

”کیا مطلب...؟“ سفیر چمک پڑا۔

”مطلوب صاف ہے....! پروفیسر میکس اور فرست سیکر ٹیڑی کو سائینسنس لگے ہوئے پتوں سے بھی قتل کیا جا سکتا تھا۔ آخر درندگی کے اس مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔!“

”یقیناً... یقیناً... یہی تو باعث تشویش تھی...!“ سفیر کے لمحے میں بوکھاہت تھی۔

”لہذا اب مجھے بتائیے کہ آپ کو کس قسم کی دھمکی ملی ہے۔!“

”نہیں..... میرے لئے یہ نام بالکل نیا ہے!“
 ”لوگی اس کی توسط سے تم تک پہنچی تھی!“
 ”اور کسی کا نام پتا تائے بغیر غائب بھی ہو گئی۔“ رحمان صاحب کے بعد سنجدہ چہرے پر راہٹ نمودار ہوئی۔

”تم کچھ چھپا رہے ہو رحمان!“
 ”رازداری ہی میرے مجھے کی اصل کارکردگی ہے۔ ویسے کیا تم بتا سکو گے کہ پروفیسر میکس سفارش کس نے کی تھی؟!“

”میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا!“

”کسی منصوبے کی تجھیں ہی کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی۔ اس کے کس نے سفارش کی تھی....؟“

”سائنسی تحقیقات کے ادارے کے ایک رکن نے!“

” غالباً اس کا نام بتا دینے میں کوئی حرج نہ ہو گا!“

”ڈاکٹر شہریار!“

”اوہ....!“ رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے۔

سر سلطان انہیں پر تشویش نظرؤں سے دیکھتے رہے پھر اٹھتے ہوئے بولے۔ ”میں جارہاں۔ عمران کا سراغ ملے تو مجھے مطلع کرنا!“

”کیوں....؟ کیا بات ہے!“ رحمان صاحب نے تلخ بچہ میں کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ مجھے زیادہ تمہارے قریب ہے!“

”ہے تو.... لیکن نہ جانے کیوں وہ اس معاملے میں مجھ سے بھی راہداری برداشت رہا ہے!“ رحمان صاحب نے کچھ کہہ بغیر الوداعی مصالحتے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ سر سلطان کے ثفت ہو جانے کے بعد عمران پائیں جانب والے دروازے سے نموداز ہوا۔ اس وقت بھی وہ تمریز اڑ فوجی کے میک اپ میں نہما۔

”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔“ عمران آہستہ سے بولاتے۔

”ہوں....!“ رحمان صاحب نے پر تکفرا نداز میں سر کو جنبش دی۔

”مجھے....؟ نہیں تو!“ سفیر کی سر اسیگی پر سر سلطان نے چوک کر رحمان صاحب کی طرف دیکھا۔

رحمان صاحب کی نظریں سفیر پر تھیں۔ اس نے سنبھالا لے کر کہا۔ ”اچھی بات ہے میں کوشش کروں گا کہ ڈائری کی مذکورہ تحریر کی نقل آپ تک پہنچ جائے!“
 پھر سفیر تو رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن سر سلطان وہیں رک گئے تھے۔
 ”کیا تصدھے ہے مجھے بھی تو کچھ بتاؤ!“ سر سلطان نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔

”تم اپنے قصے مجھے کب بتاتے ہو!“

”میں کیا بتاؤں!“

”پروفیسر میکس حکومت کا مہمان کیوں تھا....؟“

”یہ میرے مجھے کاراز ہے!“

”پھر میں اپنے مجھے کے راہ تک پر کیے ظاہر کر سکتا ہوں۔ ویسے تم یہ تو بتاہی سکو گے کہ“ تمہارے ساتھ یہاں کیوں آیا تھا!“

”اس سے زیادہ نہیں جانتا حتاکہ اس نے ابھی تمہیں بتایا تھا۔“

”یہ اطلاع مجھے فون پر بھی دی جاسکتی تھی۔ سفیر کا روایہ حیرت انگیز ہے اور تم نے دیکھی والی بات پر کس طرح نزدوس ہو گیا تھا۔“

”ہاں....! میرا خیال ہے کہ اس کی اچانک سر اسیگی کی تہہ میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے!“

”بس اب تم اپنا کام دیکھو... میں اپنادیکھوں گا!“

”غمراں کہاں ہے....!“

”میں نہیں جانتا....!“ رحمان صاحب نے ناخوش گوار بچہ میں کہا۔

”لوگی تمہاری کوئی سے غائب ہو گئی اس پر حیرت ہے!“

”سفیر سے تمہارے دوستانہ تعلقات ہیں!“ رحمان صاحب نے بات اڑا کر کہا اور سر سلطان انہیں تکمیل نظرؤں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”لوگی کی بازیابی بے حد ضروری ہے!“

”یہ میرا دردسر ہے میں ہمی دیکھوں گا تم خواہ مخواہ پر بیثان ہو رہے ہو!“

”ڈیوڈ بکر کے سلسلے میں تمہاری یادداشت نے کچھ مواد فرامیں کیا ہی نہیں!“

”وہ آپ کو سفارت خانے لے جانا چاہتا تھا۔“

”دھمکی کے حوالے پر وہ کسی قدر حواس باختہ بھی ہو گیا تھا۔“

”بل توبہ ثابت ہو گیا کہ پروفیسر اور سینکڑی والا طریقہ قتل محض دوسروں کو دھمکانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔“

”لیکن غیر کسی طرح بھی اس کا اعتراف نہیں کرے گا کہ کسی نے اُسے دھمکی دی ہے۔“

”میں صرف اتنا چاہتا تھا کہ آپ میرے اس نظریے سے متفق ہو جائیے۔“

”رحمان صاحب خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔ عمران چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔“

”آپ یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آپ کے کسی ماتحت کو بھی ایسی ہی موت کا خوف دلا کر کام نکالا جاسکتا ہے۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ سفیر سے گفتگو کے بعد میں نے بھی یہی سوچا تھا۔“

”غیر میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ویے ڈاکٹر شہریار سے بیری فان سے متعلق کسی قسم کی گفتگو ہوئی تھی....؟“

”تم کیا جانو....!“ رحمان صاحب چونکہ کرائے گھومنے لگے۔

”ڈاکٹر شہریار کے نام پر میں نے آپ کا رو عمل دیکھا تھا۔“

”تم ٹھیک سمجھے۔ اس سے محض رواوی میں ایک بات ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بیری فان کا ہم سے کیا تعلق.... ایک بحث کے دوران میں بیری فان کا حوالہ دیتے ہوئے مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کیا تھا۔“

”شہریار عرصہ دراز تک بیری فان کے ملک میں رہا چاہے۔“ عمران پر ٹھکر لجھ میں بولا۔

”رحمان صاحب اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہے تھے۔ وفتادہ سوال کر بیٹھے۔“ کیا تم سلطان کے لئے کام کر رہے ہو۔“

”بھی نہیں....! آپ کا سایہ اپنے سر پر قائم رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہوں۔!“

”میری ٹکرنا کرو....!“ رحمان صاحب نے ٹنک لجھ میں کہا۔

”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ بیری فان کے سلسلے میں آپ نے شہریار سے کیا کہا تھا۔ لیکن اگر آپ مجھے روزا کے پاس سے برآمد ہونے والے سریخ اور محلول عطا کر دیں تو بڑی

”بربانی ہو گی۔“

”کیوں....؟“

”ضرورت ہے.... میں چاہتا ہوں کہ اب یہاں پھر کوئی ایسا وحشیانہ قتل نہ ہونے پائے اور ہی صورت میں ہو سکتا ہے جب تیری سے کام کیا جائے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تم نے اس محلول کا مطالبا کیوں کیا ہے۔!“

”تیری سے کام کرنے کے لئے.... منطقی بحثوں کا وقت نہیں ہے۔“

”رحمان صاحب نے کسی قدر پچھا گئے کے ساتھ بالآخر اس کا مطالبا پورا کر دیا تھا۔“



ڈاکٹر شہریار کی گاڑی کی طرح بھی اشارت ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ ٹھک ہار کر اس نے اُسٹی ٹھوٹ کی گاڑی کے لئے فون کیا۔ اس وقت کسی وجہ سے اُسٹی ٹھوٹ پہنچتا بہت ضروری تھا۔ وہ ادھیز عمر کا ایک تو مند آدمی تھا۔ صحت بہت اچھی تھی۔ معمولی گفتگو کرتے وقت بھی ایسا لاتھا جیسے مقابل کو پھاڑ کھائے گا۔ اس کی موجودگی میں اس کے متعلقین اونچی آوازوں میں گفتگو بیس کر سکتے تھے۔

اس وقت گاڑی اشارت نہ ہونے پر ڈرائیور کی شامت آگئی تھی۔ جب تک اُسٹی ٹھوٹ کی اڑی نہیں آگئی تھی اس پر گرجا برستا رہا تھا۔ پھر اُسٹی ٹھوٹ کی گاڑی دیکھ کر بھڑک اٹھا۔ کار کی بجائے وین آئی تھی اور اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ ایک سیکیورٹی گاڑی بھی بیٹھا ہوا تھا جو اتر کر یہن کے پچھلے حصے میں چلا گیا۔

ٹو ٹاؤ کرہا ڈاکٹر کو ڈرائیور کے برابر بیٹھنا پڑا تھا۔

”تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر ڈرائیور سے کہا۔“ یہ تم کدھر لیے جا رہے ہو۔!

لیکن ابھی ڈرائیور جواب نہیں دینے پا چاہتا کہ کوئی سختی کی چیز گردن سے آگئی اور ساتھ نا وین کے پچھلے حصے سے سیکیورٹی گاڑ نے کہا۔ ”پتوں بے آواز ہے ڈاکٹر صاحب.... چپ پاپ بیٹھے رہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”نہیں.... مز کر دیکھنے کی کوشش بھی خطرناک ثابت ہو گی۔“ گاڑ نے گردن پر پتوں کا

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے...!“ وہ سر ہلا کر بولا۔ ”جب چاہے مار دینا لیکن اس وقت میری ایک بات مان لو۔!“

”شٹ اپ....!“

”اچھی بات ہے...! زبردستی علاج کرنا پڑے گا۔!“

پھر اس نے با آواز بلند کسی کو پکارا تھا۔ دو آدمی داخل ہوئے اور انہوں نے ڈاکٹر شہریار کو بستر پر پھیاڑ دیا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ شہریار چھی جا رہا تھا۔ اتنے میں بدروت آدمی نے الماری کھول کر ایک ہائپوڈر مک سرخ نکالی جس میں بے رنگ سیال بھرا ہوا تھا۔ ”نہیں۔... نہیں۔... یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے۔“ شہریار بے بی سے چیخا۔ لیکن فور انہی سرخ نکل کی سوئی اس کے بازو میں ڈوٹی چلی گئی۔ آواز حلق میں گھٹ کر رہی گئی۔ آنکھیں پھیل گئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہی گیا۔ پھر آہستہ آہستہ جبڑے کے عضلات ڈھیلے ڈھیلے گئے اور پلکیں ہجھتی چلی گئیں۔ اب وہ گھری نیند سورہا تھا۔

وہ سب کرے سے باہر نکل گئے۔ ڈاکٹر شہریار نے پتا نہیں پھر کب آنکھیں کھوئی تھیں۔ کچھ دیر تک اس کا چھڑہ ہر قسم کے تاثرات سے عادی نظر آرہا تھا پھر یہک بیک خدو خال میں کھنقاوہ سا پیدا ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بے حد خوف زدہ آدمی نظر آنے لگا۔ اٹھ بیٹھا تھا لیکن اس طرح گھنٹوں میں سرودے رکھا تھا جیسے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی بھی ہمت نہ رکھتا ہو۔ دفعتاً دروازہ کھلنے کی آواز پر چونکہ پڑا اور پھر آنے والے پر نظر پڑتے ہی بکلانے لگا۔ ”تھ۔... تم۔... تم تو عمران ہی ہوتا۔ رحمان کے بیٹے...؟“

”ہاں۔... انکل۔...!“

”اچھا۔... اچھا۔... مجھے یہاں سے لے چلو۔... پتا نہیں وہ کیا چاہتے تھے۔!“

”کہاں لے چلو۔...؟“ عمران نے حریت سے کہا۔ ”آپ میرے گھر میں میں۔!“

”تمہارے گھر میں ہوں۔“ ڈاکٹر خوف زدہ لبجھ میں بولا۔

”ہاں انکل میں نے آپ کو ایک جگہ سڑک کے کنارے بیہو ش پڑا پایا تھا۔!“

”بیٹھ جاؤ۔... بیٹھ جاؤ۔...!“ ڈاکٹر پچکانہ انداز میں بولا۔ ”وہ لوگ مجھے زبردستی لے گئے تھے

و باہر لئے ہوئے کہا۔

”آخر یہ کیا کواس ہے۔!“

”چپ چاپ بیٹھے رہتے جتاب۔...!“ وہ ایجور نے نرم لبجھ میں کہا۔

ٹھیک اس وقت پچھے بیٹھے ہوئے گارڈ نے باسیں ہاتھ سے ایک تھہہ ہوار و مال ڈاکٹر شہریار کی

نیک پر رکھ کر دباو دیا۔ نردن پر پسول کی نیال تھی اس لئے وہ بے چون وچر اسکت ہو گیا۔

پھر دوبارہ بوش آنے پر اس نے خود کو ستر پر بیٹھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا، کیوں کہ یہ اس کی اپنی خواب گاہ نہیں تھی۔

”آرام سے لیئے رہتے جتاب۔...!“ دفعتاً باسیں جانب سے آواز آئی۔ لہجہ غیر ملکی تھا اور

خاطب کرنے والا کوئی مرد نہیں تھا۔ بڑی خوب صورت سفید قام عورت تھی۔

”مم۔... میں کہاں ہوں۔!“ ڈاکٹر ہکلایا۔

”ابھی تک دستوں میں ہی ہو۔!“

”سوال یہ ہے کہ اس طرح مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے کیا تم لوگ میری پوزیشن سے واقع

نہیں ہو۔...؟“ ڈاکٹر نے اپنے فطری ڈاکٹر پن کا مظاہرہ کیا۔

”ہم جانتے ہیں جناب۔... لیکن ہم جس شخص کے لئے کام کر رہے ہیں وہ کسی کو بھی غاطر

میں نہیں لاتا۔!“

”کون ہے وہ۔...؟“ ڈاکٹر دھاڑا۔... اور اسی وقت ایک خوف ناک شکل والا آدمی کرے

میں داخل ہوا۔ جس کی پہلوی ہوئی بھدی ناک کے نیچے گھنی موچھوں کے سائبان نے پورے دہانے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

”میں ہوں۔...!“ اس نے ڈاکٹر کو گھوڑتے ہوئے سر دل بجھ میں کہا۔

”اس حرکت کا مقصد۔...؟“

”تم اپنازہنی تو اپنے کھو بیٹھے ہو۔ اس لئے بغرض علاج تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔!“

”یہ کیا کواس ہے۔!“ ڈاکٹر حلق پھیڑ کر دہاڑا۔

”پا گلکوں کی یا توں کا بُر انہیں مانتا۔!“ خوف ناک چہرے والے نے جواب دیا۔

”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔!“

زک کر دیا جائے۔ پروفیسر میکس ایسی بہت سی ادوبات کا موجود تھا۔!“

”بہر حال آپ نے اسے بیری فان کے مشورے پر بلا�ا تھا۔!“

”ہاں.... اسی نے مجھے مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ پروفیسر میکس کی توسط سے وہ اپنا مقصد بھی حاصل کر لے گا۔ مجھے وہ سارے ثبوت جو اس کے خلاف تمہارے والد کی تحولیں میں ہیں اس کے بغیر میں آجائیں گے۔!“

”بھلا دہ کس طرح....؟“ عمران نے پوچھا۔

”یہ تو اس نے نہیں بتایا تھا۔!“

”بیری فان کے بارے میں آپ اور کیا جانتے ہیں۔!“

”بس اتنا ہی کہ وہ اپنے ملک کی انقلابی پارٹی کا لیڈر ہے اور وہاں کی ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ جب میں وہاں مقیم تھا میں نے بھی اس کی پارٹی کے لئے کام کیا تھا۔ مجھے بھی ڈکٹیٹر شپ سے نفرت ہے خواہ وہ کسی ملک میں قائم ہو۔!“

”بیری فان کہاں قیم ہے....؟“

”یہ اس نے نہیں بتایا۔ اتنا جریت اگریز آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزر لے جاتے ہو وہ ایک پٹھان کے بھیں میں میرے پاس آتا ہے اور کسی پٹھان ہی کی طرح پشو بول سکتا ہے۔!“

”آپ کا چوکیدار بھی تو پٹھان ہی ہے۔!“

”ہاں.... ہاں.... دنوں میں گاڑھی چھٹی ہے۔ لیکن آخر اس نے میرے ساتھ ایسی حرکت کیوں کی۔....؟“

”اُسے بھول جائے۔۔۔ میں دیکھ لوں گا۔ آپ کے چوکیدار کو اس نے اپنا کیا نام بتایا ہے۔!“

”درویش خان....!“

”ٹھیک ہے۔۔۔ اب آپ اس کے بارے میں کچھ نہ سوچنے۔۔۔ میں سب کچھ ذکیھ لوں گا۔!“

”اب میں گھر جانا چاہتا ہوں۔!“

”نہیں! آپ اس وقت تک نہیں رہیں گے جب تک کہ بیری فان سے نہ معلوم کر لوں کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔!“

”اچھی بات ہے۔۔۔ تم کہتے ہو تو میں نہیں رہوں گا۔!“

اور پھر پاٹل کہہ کر میرا اعلان کرنے لگے تھے۔!

”حریت اگلیز۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں آنکھوں کو گردش دی پھر یک بیک اچھل کر

بولا۔ ”ارے ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا آپ کے کوٹ کے کالر سے یہ کارڈین کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھو۔!“

عمران نے ایک چھوٹا سا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا جس پر ”بیری فان“ لکھا ہوا تھا۔

”ارے یہ کیوں....؟“ وہ حریت سے اس کارڈ کو گھورتا ہوا بولا۔ ”اگر یہ بیری فان کی حرکت تھی تو اس کو کیا کہا جائے۔!“

”اوہ.... تو کیا یہ کی کا نام ہے۔!“

”ہاں.... یہ میرا دوست ہے۔۔۔ ہم دونوں نے کئی سال ساتھ گزارے ہیں۔!“

عمران نے تفصیلی انداز میں سر کو جبکش دی۔ اسکی آنکھوں سے گہری طہانیت جھانک رہی تھی۔

”کیا اسے آپ کے ساتھ ایسی حرکت کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔“

”اسی پر تو مجھے حریت ہوئی تھی میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ بیری فان یہاں موجود ہے۔ میں نے ہی تو اسے یہاں بلوایا تھا۔!“

”تب تو سخت نا معقول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مگر کیوں بلوایا تھا۔!“

”بھی اس کا ایک کام تھا۔ وہ جو تمہارے والد صاحب ہیں تا ان کے قبھے میں اس کے خلاف

کچھ ایسے ثبوت ہیں جو اس کا کیریٹ تباہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اسے مطلع کر دیا تھا پھر جب وہ یہاں آیا تو ہم نے ایک اسکیم بنائی۔!“

”واقعی....!“

”ہاں.... پھر وہ واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسی کی بنائی ہوئی اسکیم کے مطابق

حکومت کو مشورہ دے کر ایک کیمیا دان پروفیسر میکس کو یہاں بلوایا۔!“

”اوہ.... وہی پروفیسر میکس تو نہیں ہے کسی جانور نے مارڈا لان۔!“

”ہاں.... ہاں.... وہی پتہ نہیں کس جانور نے اسے مارڈا لان۔۔۔ کیوں مارڈا لان۔!“

”آپ نے کس سلسلے میں اسے بلوانے کا مشورہ حکومت کر دیا تھا۔۔۔!“

”ایک ایسی دو اکی تیاری جو مجرموں سے اعتراف جرم کرانے کے سلسلے میں مدد و معادن

ثابت ہو۔ اعتراف جرم کرانے کے لئے تشدد کرنا پڑتا ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ اس طریقے کو

”تم واقعی عجیب ہو.... کبھی پاگل معلوم ہوتے ہو اور کبھی بہت بڑے ہوش مند.... اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مرد بالکل نہیں معلوم ہوتے!“

”اب تم مجھے غمہ دلارہی ہو۔!“ عمران نے غمیلے لہجے میں کہا۔

”یقین کرو....! ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی عورت کے ساتھ دن گزار رہی ہوں!“

”اگر میں ایسا نہ ہو تا تو میرا باپ کبھی مجھے تمہارے حوالے نہ کرتا!“

”اچھا بے تو قی کی باتیں نہ کرو!“ وہ بھٹاگئی۔

”بہت اچھا....!“ عمران نے سعادت منداہ انداز میں کہا۔

وہ کچھ دیر نہ سامنہ بنائے خاموش بیٹھی رہی پھر بولی۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں!“

”اب ہم ایک خاندان کے ساتھ مہماں کی طرح رہیں گے!“

”کیا مطلب...؟“

”ہم ڈاکٹر شہریار کے مہماں ہیں!“

”یہ کیا بلا ہے....؟“

”اس نے ہمیں بخششیت مہماں قول کر لیا ہے!“

”اس کی کیا ضرورت ہے!“

”وہاں عورتیں بھی ہیں۔ تم ان سے انکش میں گفتگو کر سکو گی!“

”دیکھو....! تمہیں پھر آگاہ کر رہی ہوں کہ مجھے جلبائی نہیں آتی!“

”مجھے کب آتی ہے!“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”میرا نام ڈاکٹر سکنارا ہے اور تم مزرسکنارا!“

”بکواس مت کرو....! تم صورت سے مرد ہی نہیں لگتے شوہر کیا معلوم ہو گے!“

”دنیا میں بہترے شوہر ایسے بھی ہوتے ہیں!“

”سوال یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی....؟“

”اسی ایکسیم کا ایک حصہ ہے جس کے تحت ہم بیری فان پر ہاتھ ڈال سکیں گے!“

”یقین کرو! اب مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ میں اپنے ملک واپس جا سکوں گی یا نہیں!“

”لیکن میں اس دوست کے گربان پر ضرور ہاتھ ڈالوں گا جس نے ایک دوست کو ذاتی مقاد پر قربان کر دیا۔ بیری فان کتنا بڑا فراڈ ہے۔ یہ میں تمہارے ہم وطنوں کو بتاؤں گا!“

) ”ایک بات اور.... میرے والد صاحب کے پاس اس کے خلاف کس قسم کے ثبوت ہیں جو اس کا کیریز تباہ کر دیں گے!“

”ان کا کہنا ہے کہ حقیقتاً کیثر کا پھوٹ ہے۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس نے انقلابی لیڈر ہونے کا ڈھونگ رچایا ہے!“

”اچھا... اچھا... میں سمجھ گیا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تم بہت اچھے لڑکے ہو!“

”شکریہ....! یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی ویسے بیری فان کا پروفیسر کی موت کے بارے میں کیا خیال ہے!“

”وہ بھی پریشان ہے۔ ابھی تک پتہ نہیں لگا سکا کہ پروفیسر کی موت میں کس کا ہاتھ تھا اور شاید ہماری پولیس بھی اس میں ناکام رہی ہے!“

”اچھا باب آرام فرمائیے۔“ عمران نے کہا اور اسے دہن چھوڑ کر کرے سے چلا گیا۔

ڈاکٹر شہریار کی شخصیت ہی بدلت کر رہی تھی۔ جنکے خدو خال ڈھیلے پڑ گئے تھے اور آنکھوں میں خوف کی پرچاہ میں گویا حجم کر رہی تھیں۔

﴿

رحمان صاحب آفس تک مددود ہو کر رہ گئے تھے اور گھر کی نگرانی ایکس ٹوکے ماتحت کر رہے تھے۔ عمران نے اسے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ رحمان صاحب گھر کی نگرانی کے لئے اپنے مجھے کے گارڈز کا انتظام کرتے یا پولیس کی مدد طلب کرتے۔ دراصل اس معاملے میں رازداری سے کام لیا جا رہا تھا۔ یہ بات صرف باپ بیٹے کے درمیان رہی تھی کہ بیری فان کا نشانہ حقیقت رحمان صاحب تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی باضابطہ کاروائی نہیں کی تھی۔

عمran روز اسی میت ساحتی علاقے کے ہٹ میں مقیم تھا۔ فرست کے اوقات میں دونوں کی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ اس وقت بھی عمران اسے کہیں لے جا رہا تھا۔

”ہم دونوں بالکل جلبائی ہوتے جا رہے ہیں۔“ روزابوی۔ ”لیکن تم نہیں....! صرف میں تمہاری قومیت ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی!“

”گدھے دنیا کے ہر حصے میں رہتے ہیں۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”محکے کی چیز سے دل جسمی نہیں رہی۔“ روزا نے پیزا دی سے کہا۔ ”میرا باپ مر گیا۔ اب میرا دنیا میں کوئی بھی نہیں!“

”اچھا تو پھر تم کیا چاہتی ہو...؟“
”پکھے بھی نہیں!“

”لیکن میں تو اس آدمی کو نہیں چھوڑ سکتا جس نے میرے ملک میں چار زندگیاں ختم کی ہیں!“
”چار کون...؟ کیا دواور بھی مارے گئے... وہ کون تھے...؟“

”مقامی آدمی، جو یہری فان کے لئے کام کرتے تھے۔“

”پتہ نہیں آدمی کب خود کو پیچان لے گے!“

”اس لئے کوشش نہیں کرتا کہ خود کو پیچان لینے کے بعد الوہو کو کروہ جائے گا!“
”وہ کس طرح...؟“

”آدمی میں رکھا ہی کیا ہے جسے پیچان کروہ کسی فائدے میں رہے گا۔ اسے تو بس سونے اور جواہرات کی کانوں کی تلاش میں رہنا چاہئے!“

”خیر ختم کرو... میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ اس میک اپ میں کسی کی بھی مہماں نہیں بن سکتی!“

”تو پھر کیا میں تمہیں تل کر کھاؤں...!“

”مجھے پولیس کے حوالے کرو...!“

”کیوں...؟“ عمران چمک کر اسے گھورنے لگا۔

”میں یہری فان کی شریک جرم تھی۔ میں نے جرم کا اعتراض بھی کر لیا تھا پھر مجھ پر یہ عنايت کیوں...!“

”تم مظلوم ہو... اس لئے... دیدہ دانستہ اس جرم میں شریک نہیں تھیں!“

”کیوں نہیں... میں دیدہ دانستہ اس جرم میں شریک تھی۔ تمہارے باپ پر قابو پا کر انہیں یہری فان کے پاس لے جاتی!“

”تمہیں یہ بادور کرایا گیا تھا کہ تمہارے باپ کے قتل میں میرے باپ کا ہاتھ ہے اور اسی کا اعتراض کرنے کے لئے یہری فان ان پر قابو پانا چاہتا تھا!“

”پکھے بھی ہو... میں شریک جرم تھی!“

”میں نے اور میرے باپ نے تمہیں معاف کیا... اب کہو!“

”تم عجیب لوگ ہو... میری بکھر سے باہر... خیر ہو گا پکھے جیل بھجوادو!“
بننا چاہتی۔ یا تو اسی ہٹ میں تمہارے ساتھ رہوں گی یا پھر مجھے جیل بھجوادو!“

”اچھی بات ہے...! ہم ذاکر شہریار کے مہماں نہیں ہیں گے۔ لیکن ہمیں ان کے گھر تک بہر حال چنانا ہے!“

”روز اس بار پکھتے ہوئے۔ عمران کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ ایک پیلک میلی فون بو تھ کے قریب اس نے گاڑی روکی اور نیچے اتر کر بو تھ کے اندر چلا گیا۔ روزا منتظر انہے انداز میں بو تھ کی طرف دیکھتی رہی۔“

”عمران کچھ دیز بعد واپس آکر گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ ”فی الحال میں تمہائی چاہتا ہوں!“
”میا مطلب...!“

”ایک سو میں لڑکی تمہیں کسی محفوظ مقام پر لے جائے گی اور میں جلد ہی پھر تم سے آملوں گا!“
”اچھی بات ہے...!“ وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”لیکن وہ مجھ سے کسی قسم کی پوچھ پچھ تو نہیں کرے گی!“

”قطعاً نہیں... بے فکر ہو...!“ عمران نے کہا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔
کچھ دری بعد پیلک گارڈن کے قریب اس نے پھر گاڑی روکی تھی۔ روزا خاموشی سے گرد و پیش کا جائزہ لیتی پھر دوبارہ تین منٹ بعد ہی ان کے قریب ایک گاڑی آگر کی جسے جولیانا فلتر دائرہ درائیکور رہی تھی۔

”پلواس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“ عمران نے نیچے اتر کر روزا کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
روزانے مشینی انداز میں اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ جو لیانے عمران کو گھورتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

”عمران پھر اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ اس کا رخ عالم گیر روز کی طرف تھا۔ چورا ہے سے ہڑتے ہی اس نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریئی میڈی میک اپ نکالا اور اسے ناک پر فٹ کرتے ہوئے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ جاپانی بناوٹ والی سپاٹ آنکھوں کے نیچے یہ میک اپ

”ایسی کیا پریشانی ہے کہ دو دن سے گھروالوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے!“ درویش خان
برائی ہوئی آواز میں بولا۔

”جھائی...! میں نہیں جانتا... اور ہاں وہ کچھ خوف زدہ سے بھی دکھائی دیتے ہیں!“
”آپ کون ہیں...؟“

”میں ان کا ایک قریبی دوست ہوں!“

گاڑی کے قریب پہنچ کر عمران نے اس کے لئے دروازہ کھوالا تھا۔



رحمان صاحب نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ فون کال عمران ہی کی تھی۔ اس کے بعد انہیں اس کے ایک مشورے پر عمل کرنا پڑا تھا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اپنے دفتر سے ایک بند گاڑی میں کہیں لے جائے جائیں گے۔

رحمان صاحب پہلے ہی سے اتنا ہٹ کاشکار تھے اور اس صورت حال سے چھکارا چاہتے تھے۔
اس نے بے چون و چرا دفتر سے نکل کر اس گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

سنگر آؤ ہے گھنٹے تک جاری رہا۔ رحمان صاحب مسلک تھے۔ گاڑی سے اترے تو دیاں ہاتھ بغلی ہو لشیر پر تھا اور ڈرائیور انہیں ایک عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ جس کے چاروں طرف دور دور تک کھیت اور باغات پھیلے ہوئے تھے۔ رحمان صاحب قطعی اندازہ نہ لگا سکے کہ وہ اس وقت کہاں تک ہے اور باعثات پھیلے ہوئے تھے۔ لیے کی افتادہ طبع سے بخوبی واقف تھے اس نے کسی ہنچکا پاٹ کے بغیر عمارت میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیور انہیں ایک کمرے میں پہنچا کر والیں چلا گیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دفتہ بائیں جانب سے ایک دروازے کا پردہ ہٹا اور ڈاکٹر شہریار کمرے میں داخل ہوا۔

”تم....؟“ رحمان صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ.... میرے دوست....!“ ڈاکٹر شہریار کی آواز کا نپر رہی تھی۔
رحمان صاحب اس میں کوئی تبدیلی محسوس کر رہے تھے۔ انہیں بیٹھنے کو کہتا ہوا وہ خود بھی بیٹھ گیا۔ رحمان صاحب تھیر تھے۔ انہیں قطعی علم نہیں تھا کہ عمران کے ذہن میں کیا ہے یا یہاں شہریار کی موجودگی کا کیا مقصد ہے اور شہریار تواب اس طرح گم سم بیٹھا ہوا تھا جیسے اپنے علاوہ کسی

چکھ کا کچھ ہو گیا۔ مغلول نسل کے کسی چرواہے کی سی ٹھکل نکل آئی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے مسافت طے کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر شہریار کی کوئی تھی کے سامنے رکی تھی۔ چھاٹک پر ایک آدمی موجود تھا۔ اس نے عمران کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر آہتہ آہتہ چلتا ہوا گاڑی کے قریب آگیا۔ عمران نے محسوس کیا کہ وہ ڈاکٹر شہریار کا چوکیدار نہیں ہے۔
”چوکیدار کہاں ہے....؟“ اس نے پشتو میں پوچھا۔

”آپ کون ہیں....؟“ پشتو میں اس سے سوال کیا گیا۔

”زوری خان.... حیدر گل کہاں ہے....؟“

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔!“

”مجھے اس کے پاس لے چلو.... بہت ضروری کام ہے۔!“

”اپنی بوڑھی میں ہے۔!“

عمران اپنی گاڑی سے اترنا ہوا بولا۔ ”چلو۔“

عمارت کے عقی پارک کے سرے پر سرو سنش کو اڑ روانچ تھے۔ انہی میں سے ایک میں ڈاکٹر کاچو کیدار حیدر گل پر ایجاد میں تپ رہا تھا۔

”حیدر گل مجھے ڈاکٹر صاحب نے بھیجا ہے۔!“

”کہاں ہیں ڈاکٹر صاحب....؟“ حیدر گل نے اٹھنے کی کوشش کی۔

”لیے رہو.... پریشانی کی بات نہیں۔ وہ کل سے ایک ضروری کام میں مشغول ہیں۔ انہوں

نے درویش خان کو بلایا ہے۔!“

”یہ ہے درویش خان....!“ حیدر گل نے اس آدمی کی طرف ہاتھ کھا کر کہا جو عمران کو بیہاں تک لا رہا تھا۔

وہ عمران کو گھوڑا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں....؟“

عمران نے اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے ساتھ چلا، لیکن اس کی آنکھوں سے بے اطمینانی جھاٹک رہی تھی۔

”وہ اپنی مضائقاتی کوئی تھی میں ہیں۔“ عمران نے درویش خان سے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ“
بہت زیادہ پریشان ہیں۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔!

اور کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔ رحمان صاحب اسے مخاطب کرنے ہی والے تھے کہ ایک بچا لیز کرے میں داخل ہوئی۔

”تم پہاں کیا کر رہے ہو ڈاکٹر....!“ اُس نے تھکمان لجھ میں کہا۔

”مم.... میں.... بیٹھا ہوں۔!“ ڈاکٹر یوکھا کر بولا۔

”اپنے کرے میں جاؤ۔!“

”بہت اچھا....!“ ڈاکٹر کہتا ہوا اٹھا اور اسی دروازے سے نکلا چلا گیا جس سے لڑکی داخل ہوئی تھی۔

رحمان صاحب کا ہاتھ بغل کے نیچے روی اور کے دستے پر پہنچ گیا۔

”تم کون ہو....؟“ انہوں نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

”میں روزا میکس ہوں جتاب....!“ وہ ان کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولی۔

”عمراں کہاں ہے۔!“

”معلوم نہیں.... ڈاکٹر کے سلسلے میں تشویش کی کوئی بات نہیں۔ اس پر آپ کے بیٹے نے وہی نسمہ آزمایا ہے جسے میرے ذریعے آپ پر آزمایا جانا تھا۔!“

”ادہ....!“ رحمان صاحب دم بخود رہ گئے۔

”آئیے.... میرے ساتھ....!“

”ٹھہر و.... تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم روزا میکس ہو۔!“

”میں میک اپ میں ہوں جتاب.... آپ کے بیٹے....!“

”ٹھیک ہے.... چلو....!“ رحمان صاحب نے کہا۔ انہوں نے اس کی آواز پہلے ہی بچان لی تھی لیکن مرید اطمینان کرنا چاہتے تھے۔!

وہ انہیں دوسرے کرے میں لائی اور ایک کھڑکی کے قریب آنے کا اشارہ کیا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردہ تھوڑا سا سر کیا گیا اور رحمان صاحب صحیر ہو گئے کیوں کہ دوسرے کرے میں ان کا ایک ہم شکل صوفے پر بندھا پڑا تھا۔ ذرہ برابر بھی تو فرق نہیں تھا۔ رحمان صاحب کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی تصویر دیکھ رہے ہوں۔ وہ روزا کی طرف ٹڑے ہی تھے کہ اُس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ رحمان صاحب اپنے ہمشکل کو پھر دیکھنے لگے۔

دفعہ اُسی کرے کا پردہ ہٹا اور ڈاکٹر شہیر ایک بچا لیز کے ساتھ اندر داخل ہوا جو اپنے رواکی بس میں کوئی برا جاگیر دار معلوم ہو رہا تھا۔

”اے....!“ بچا رحمان صاحب کے ہم شکل پر نظر پڑتے ہی بھوچکارہ گیا۔ پھر ڈاکٹر شہیر سے بغل گیر ہوتا ہوا بولا۔ یہ کام کیا ہے تم نے ڈاکٹر۔ ایک لاکھ ڈالروالا۔ اور یہ ایک لاکھ ڈالروزیز لینڈ میں اپنے لئے محفوظ سمجھو....!“

بچا بڑی روائی سے انگریزی بول رہا تھا کسی اہل زبان کی طرح۔

رحمان صاحب کی پیشانی پر سلو میں انہر آئیں۔ دوسرے کرے میں ان کا ہم شکل بے حس و حرکت پڑا تھا۔

”مگر یہ کیوں کر ملکن ہوا....؟“ بچا نے ہم شکل کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

”کافی میں خواب آور دوادے کر باندھ لیا۔“ ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا وہ بچا لیز کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بچا آہستہ چلتا ہوا اس صوفے کے قریب پہنچا جس پر رحمان صاحب کا ہم شکل بندھا پڑا تھا۔

”مسٹر رحمان....!“ وہ تن کر بولا۔ ”اس وقت بیری فان تم تم سے مخاطب ہے۔!“

”ہم شکل خوف زدہ انداز میں پلکن جھپکا تارہ۔

”کیا یہ نام تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔“ بیری فان سرد لجھ میں بولا۔

لیکن ہم شکل پہلے ہی کی طرح دم بخود پڑا رہا۔

”سنو....!“ میں نے تمہیں مہلت دی تھی۔ ورنہ تمہارے گھر کا ایک ایک فرد میری درندگی کا شکار ہو جاتا۔ ہو سکتا ہے تمہارے چالاک بیٹھنے نے کسی طرح اس کے پر قابو پایا ہو۔ لیکن یہاں رکھو کہ میں جس کے کو بھی چاہوں بارہ گھنٹے میں درندہ بنا سکتا ہوں۔!“

وہ خاموش ہو گیا اور پھر رحمان صاحب نے اپنے ہم شکل کی بھرائی ہوئی آواز سنی۔ ”تم مجھ سے کیا چاہتے ہو....؟“

”وہ کاغذات جو تم نے تین سال پہلے پر بچا لیک میر سوار اسے حاصل کئے تھے۔!“

”نن.... نہیں تو....!“

”پھر تمہیں میرے متعلق وہ باتیں کیسے معلوم ہوئی تھیں جن کا ذکر تم نے ڈاکٹر شہیر سے

کیا تھا۔!

ہم شکل نے پھر چپ سادھلی۔

”چھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا کہ تم کب تک اپنی زبان بند رکھتے ہو۔ شام تم پر وفیر میکس اور فرشت سیکر پیری کا انعام بھول گئے۔“

”ان بچاروں نے تمہارا کیا بگڑا تھا۔۔۔؟“ ہم شکل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”انہیں بھی مجھ پر شبہ ہو گیا تھا اور میں ایسے کسی آدمی کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا جو میری تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔“

رحمن صاحب روزاکی طرف مڑے لیکن اب وہاں نہیں تھی۔ انہوں نے طویل سانس لی اور بغلی ہولٹر سے ریو اور نکال لیا۔ دوسری طرف بیری فان کہہ رہا تھا۔ ”مجھے وہ کاغذات ملن چاہئیں مشر رحمن۔۔۔ ورنہ ہر روز تمہارے گھر کا ایک ایک فرد درندگی کا شکار ہوتا ہے گا اور روزا میکس کہاں ہے۔۔۔؟“

”میں یہاں ہوں کتے۔۔۔!“ دوسرے کمرے کے کسی گوشے سے روزا میکس کی آواز آئی اور بیری فان اچھل پڑا۔ روزا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی سامنے آئی۔ اب وہ اپنی اصلی بیت میں تھی۔ اور اعشاریہ دیپائچ کا پستول اُس کے ہاتھ میں تھا۔

”کیا مطلب؟“ بیری فان تحریر زدگی کے عالم میں بولا۔

”تم نے میرے اس باپ کو مارڈا لاجس نے ہر قدم پر تمہارا ساتھ دیا تھا۔!“

”کہاے۔۔۔ وہ تو۔۔۔!“ بیری فان ہنس پڑا۔۔۔ پشتارہ۔ پھر بولا۔۔۔ ”میں اس شخص کو مر عوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ اس نے رحمن صاحب کے ہم شکل کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”تم جھوٹے ہو۔۔۔ اپنے ملک میں تم میرے باپ کے ساتھ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں تم ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ میرے باپ کی موت کی ذمہ داری یہاں کی حکومت کے سر جاتی اور تم میرے ذریعے رحمن صاحب پر برین فکر آزمکرانے کے کاغذات حاصل کر لیتے۔!“

”میں اب بھی یہی کروں گا کیتا کی بچی۔!“ یک بیک بیری فان بھڑک اٹھا۔

دفعہ رحمن صاحب نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر کہا۔ ”تم اپنی جگہ سے جبکش بھی نہیں کر دے گے۔“

میر انشاء کی حال میں بھی خطا نہیں ہوتا۔!“

بیری فان بوکھلا کر آواز کی طرف مڑا۔ اس کے ملک سے بے ساختہ قسم کی آواز لکلی تھی۔ کبھی وہ رحمان صاحب کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ان کے ہم شکل کی طرف۔ روزانے زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔ ”تمہارا برین فکر ضائع نہیں ہوا۔!“

”لک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟“ بیری فان بدقت بولا۔

”ڈاکٹر اسی کے زیر اثر ہمارے مشوروں پر عمل کر رہا ہے۔!“ کمرے میں عمران کی آواز گوئی۔ وہ سامنے والے دروازے میں کھڑا الحقانہ انداز میں بٹھے جا رہا تھا۔

”یہ سب کیا ہے۔۔۔؟“ تم لوگ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے۔۔۔!“ بیری فان نے سنپھالا لینے کی کوشش کی۔

”تمہاری سازی بکواس ریکارڈ ہو چکی ہے۔!“ عمران بولا۔ ”اور تم یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہوئے۔!“

”اب یہ کھیل ختم کرو۔۔۔!“ رحمن صاحب گزجے۔ ”اس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ڈال دو۔!“

”تم لوگ پچھتا گے۔!“ بیری فان بھی اوپری آواز میں بولا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہ ہو گی۔۔۔؟“ نائٹ میں ایک نئی آواز اُبھری اور عمران کے عقب سے غیر ملکی سفیر نمودار ہوا۔ سفیر کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیوں کا جوڑا تھا۔

”اچھی بات ہے۔!“ بیری فان پر سکون لجھ میں بولا۔ ”آؤ اور مجھے ہتھ کڑیاں پہناؤ۔“

”نہیں۔۔۔!“ روزا بول پڑی۔ کوئی اس کے قریب نہ جائے ورنہ زندہ نہیں بچے گا۔“ بیری فان نے قہقہہ لگایا اور روزا کہتی رہی ”اسے گولی مار دینا ہی مناسب ہو گا۔!“

”نہیں۔۔۔؟“ رحمن صاحب بولے ”اسے گرفتار کرو۔۔۔!“

”یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔!“ بیری فان غریل۔ ”مجھے ہاتھ لگانے والا زندہ نہیں رہے گا۔!“

عمران اسی دوران میں کسی طرف کھک گیا تھا۔

”میں تمہارے ہتھ کڑیاں لگاؤں گا۔!“ سفیر نے سخت لجھ میں کہا۔ ”تم مجھے بھی دھمکیاں دیتے رہے تھے۔!“

”نہ سہر جاؤ۔۔۔!“ روزا چھپنی۔۔۔ ”تم اس کے قریب پہنچتے ہی زہریلی سوئی کا شکار ہو جاؤ گے۔!“

"لڑکی....! میں تھے سے سمجھ لوں گا۔" بیری فان دانت پیس کر غریباً۔

ٹھیک اسی وقت کسی طرف سے ایک رہی بیری فان پر گری وہ لڑکھڑایا اور پھر جھٹت کی طرف اٹھتا چلا گیا۔ اس کی کمرہ کے پھندے میں جکڑی ہوئی تھی بلاخروش دن کے قریب پہنچ کر وہ فضائیں جھولنے لگا۔ روشن دن سے گزر کر دوسرا طرف نکل جانے والی رہی شاید کہیں باندھ دی گئی تھی۔ پھندے کی گردہ ایسی جگہ تھی کہ بیری فان اسے ہاتھ لگانے سے قاسر تھا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر دہارا تھا۔



ای شام رحمان صاحب گھر پر عمران کے منتظر تھے۔ روزا انہی کے ساتھ تھی۔

"آپ اپنے بیٹے کو سمجھ دنوں کے لئے کی دماغی ہسپتال میں داخل کراؤ سمجھے۔" اس نے رحمان صاحب سے کہا۔

"کیوں....؟" رحمان صاحب کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"کیا آپ اسے صحیح الدماغ سمجھتے ہیں....؟" سوال یہ ہے کہ آخر اس ڈرائے کی کیا ضرورت تھی۔ جس وقت اس نے بیری فان پر قابو پایا تھا اسی وقت ہتھ کڑیاں ڈال دی ہوتیں۔"

"وہ بالکل صحیح الدماغ ہے اچھی لڑکی۔" رحمان صاحب آہستہ سے بولے "اُس نے کھڑا اگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ تم مطمئن ہو جاؤ اور سفیر بھی صحیح حالات سے واقف ہو جائے ورنہ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ بیری فان گرفتار ہونے کے بعد ان سب باتوں کا اعتراف کر لیتا۔"

روزا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر سر ملا کر بولی۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں اس نے مجھے یہ بادر کرانے کی کوشش کی تھی کہ میرا بیپ ڈیوڈ بکسر اور یہاں کی حکومت کے مابین سازش کا شکل ہوا ہے۔ اسی طرح انقلابی پارٹی کے سارے ارکان ایک ایک کر کے ختم کراؤ یئے جائیں گے۔ اگر وہ سب ہمارے ملک میں مارے گے تو عوام ڈیوڈ بکسر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"بہر حال اب تم مطمئن ہو گئیں۔"

"جی ہاں.... آپ کا اور آپ کے بیٹے کا بہت بہت شکریہ۔! اگر وہ باگل نہیں ہے تو بہت غلطیم ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"وہ کسی کی بے بیس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں گی۔!"

رحمان صاحب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لبرائی ہے احسان خیر کے اظہار کے ملاواہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر روزانے کہا۔ "ایسا یہ ممکن نہیں کہ مجھے یہاں کی شہریت مل جائے اب میں واپس نہیں جانا چاہتی۔"

"ایک بار تو تمہیں واپس جانا پڑے گا اس کے بعد کوشش کی جائے گی کہ تمہیں یہاں کے حقوق شہریت مل جائیں۔"

روزا پھر کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ کے ملک کا آدمی بیری فان کے چکر میں کیوں پڑ گیا۔"

"ڈائرٹر شہریار....!" رحمان صاحب طویل سانس لے کر بولے۔ "بہت دنوں تمہارے ملک میں رہ چکا ہے۔ اس زمانے میں وہ بالکل مغلس تھا۔ محنت مزدوری کر کے تعلیم حاصل کر تارہ تھا۔ اس وقت اسے ساری دنیا کے انقلابیوں سے ہمدردی تھی لیکن جب خود صاحب جانیداد ہو گیا تو پھر ہریزی فان اسے صرف ایک دوست کی حیثیت سے یاد رہ گیا اور مزید ہوس نے اسے اس را پر ڈال دیا۔ اگر بیری فان مجھ پر قابو پالیتا تو ایک لاکھ ڈالر اس کے تھے۔"

"بیک میلر سلوار کا کیا قصہ تھا....؟"

"سلووار اجسوس بھی تھا اور بیک میلر بھی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے با吞وں اپنی گرفتاری سے پہلے وہ بیری فان کو بیک میل کر کے اس سے بڑی بڑی رقوات و صول کر تارہ ہو۔ بہر حال بیری فان سے متعلق کاغذات اسی کے قبضے سے برآمد ہوئے تھے۔"

دفعتباہر سے آواز آئی۔ "کیا میں اندر آسکتا ہوں....؟"

رحمان صاحب کا خوش گوار موڈ بدل گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے عمران کی آواز نے مشینی طور پر انہیں اس تنفس سے دوچار کر دیا ہو۔ "آ جاؤ۔! وہ غرائے۔"

غمراں کمرے میں داخل ہوا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

"بیٹھ جاؤ۔!"

"نچ.....جی.....بہت اچھا....!" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اب تم لڑکیوں میں جاؤ۔!" رحمان صاحب نے روزا سے کہا اور وہ عمران کو گھورتی ہوئی

کرے سے چلی گئی۔

”میرا ہم شکل کون تھا...؟“ رحمان صاحب نے خشک لبجھ میں پوچھا۔
ایک خاص آدمی جو اس وقت تک اس واقعے کو بالکل بھول چکا ہو گا۔ عمران مسکی صورت بنا کر بولا۔ ”ویسے سفیر نے اعتراف کر لیا ہے کہ بیری فان اُسے دھمکیاں دیتا رہا ہے وہ بھی چاہتا تھا کہ آپ کسی طرح سفارت خانے کی عمارت تک پہنچیں اور وہ آپ پر برین فلسر آزمائے اور جتاب عالیٰ! روزانے ہمیں ایک بڑے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا تو سیدھا عدم آباد ہی جا پہنچتا!“

”کیوں....؟“

”شلوار و قمپیٹ کے نیچے اس نے پاور ہاؤز پہن رکھا تھا۔!“

”کیوں بکواس کر رہے ہو!“

”ایک چھوٹی سی پریشر مشین جس میں زہریلی سوئیاں بھری ہوئی تھیں اس پاور ہاؤز سے ایچ تھی اور مختلف جگہوں پر متعدد بیٹن تھے جن میں سے کسی پر بھی ہلاکا سادا باڈ پرنے پر سویاں لکھتیں اور آس پاس کے لوگوں کو سلاٹی چلی جاتیں۔!“

”تو تم نے اسے سر سلطان کے حوالے کر دیا!“

”جب ہاں.... مجبوری تھی.... انہی کے محلے کا کیس تھا۔“ عمران نے کہا اور چور نظر دیں سے رحمان صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

رحمان صاحب کھڑکی کے باہر دیکھتے رہے۔

﴿ختم شد﴾